

# حضرت محبوب الہی

علامہ اخلاق حسین دہلوی




# حضرت محبوب الہی

مرتبہ  
علا مہ اخلاق حسین و بلوہی

ضیاء القرآن پبلی کیشنز  
لاہور، کراچی۔ پاکستان

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب	حضرت محبوب الہی
مصنف	علامہ اخلاق حسین دہلوی
اشاعت	جون 2004ء
تعداد	ایک ہزار
ناشر	ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور
کمپیوٹر کوڈ	1Z172
قیمت	

ملنے کے پتے

## ضیاء القرآن پبلی کیشنز

داتا دربار روڈ، لاہور۔ فون: 7221953 فیکس: 042-7238010

9۔ الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔ فون: 7247350-7225085

14۔ انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی

فون: 021-2212011-2630411۔ فیکس: 021-2210212

e-mail:- zquran@brain.net.pk

Website:- www.ziaulquran.com

# فہرست

صفحہ نمبر	عنوان	نمبر شمار	عنوان	نمبر شمار
		۹	دیباچہ	۱
۳۷	بیعت کیا ہے؟	۱۸	خاندانی حالات	۲
۳۸	تجدید بیعت	۱۹	پیدائش	۳
۳۸	بیعت کا طریقہ	۲۰	والد بزرگوار	۴
۳۹	بیعت کی قسمیں	۲۱	وفات والد بزرگوار	۵
۴۰	بیعت ہونا	۲۲	تسلیم	۶
۴۵	خلق	۳۲	دستار فضیلت	۷
۴۶	بیعت کے بعد	۳۲	دلی آنا	۸
۴۶	حضرت بابا فرید سے پڑھنا	۲۵	دلی میں تعلیم	۹
۴۸	دعا	۲۶	اساتذہ	۱۰
۴۹	روزہ	۲۷	شادی مقرر	۱۱
۵۰	ثانی وجانی	۲۸	مولانا علاء الدین اصولی	۱۲
۵۱	خلعت و طبوس خاص	۲۹	خواجہ شمس الدین خوارزمی	۱۳
۵۱	تعویذ	۳۰	مولانا کمال الدین زاہد	۱۴
۵۲	عصا	۳۱	سلطان جی	۱۵
۵۲	مخالفین	۳۲	غائبانہ محبت	۱۶
۵۳	دل کا رنگ	۳۳	بابا فرید گنج شکر	۱۷

نمبر شمار

عنوان

صفحہ نمبر

نمبر شمار

عنوان

صفحہ نمبر

۲۲	عمل حل مشکلات	۵۳	۵۲	تبرکات کا عطیہ	۶۵
۲۵	نماز اشراق	۵۲	۵۵	زیارت و حصول تبرکات	۶۶
۳۶	نماز شکر اللہ	"	۵۶	سفر اجودہین	۶۷
۳۷	نماز استعاذہ (پناہ مانگنا)	"	۵۷	قیام گاہیں	۷۱
۲۸	نماز استخارہ	"	۵۸	قتلِ خال کا حوض	۷۲
۲۹	نماز تہجد	۵۵	۵۹	غیاث پور	۷۶
۴۰	شبِ برات	۵۵	۶۰	ابتدائی مجاہدے	۷۷
۴۱	سورہ فاتحہ	۵۶	۶۱	اللہ کے مہمان	۷۷
۴۲	استقامت	۱۵۶	۶۲	خرپوزے کی فصل	۷۸
۴۳	فائز خربوزہ	۵۷	۶۳	کھچڑی	۷۸
۴۴	لعابِ دہن	۵۸	۶۴	روٹی	۷۹
۴۵	سورہ یوسف	۵۸	۶۵	زنبیل گردانی	۸۰
۴۶	استغفار	۵۸	۶۶	ہدیہ جلالی	۸۰
۴۷	خلافت کیا ہے؟	۵۹	۶۷	مردانِ غیب	۸۲
۴۸	خلافت کی قسمیں	۵۹	۶۸	رجوعِ خلائق	۸۴
۴۹	خلافت ملنا	۶۰	۶۹	تبلیغ	۸۸
۵۰	خلافت نامہ	۶۱	۷۰	تبلیغی سرگرمیاں	۹۸
۵۱	اجودہین سے دلی آنا	۶۳	۷۱	حسدانہ سازشیں	۱۰۵
۵۲	خواجہ سید محمد کرمانی	۶۴	۷۲	سماع کیا ہے؟	۱۱۱
۵۳	سید محترم کا اجودہین پہنچنا	۶۴	۷۳	محضرِ سماع	۱۱۴

صفحہ نمبر	عنوان	نمبر شمار	صفحہ نمبر	عنوان	نمبر شمار
۱۳۰	مغلوبی دشمن	۹۲	۱۱۷	آخری عمر کے مجاہدات	۷۲
۱۳۰	نظر کا تعویذ	۹۵	۱۱۷	نماز باجماعت	۷۵
۱۳۱	اسمِ اعظم	۹۶	۱۱۸	سحری	۷۶
۱۳۱	کھوتی پیر کا ملنا	۹۷	۱۱۸	نماز فجر اور ملاقات	۷۷
۱۳۱	استنا	۹۸	۱۱۹	قتیلوہ	۷۸
۱۳۱	تعویذ شفا سے مرض	۹۹	۱۲۰	انتظار	۷۹
۱۳۲	مقبولیت نماز	۱۰۰	۱۲۰	نماز ظہر	۸۰
۱۳۲	ملفوظات	۱۰۱	۱۲۱	ملاقات بعد ظہر	۸۱
۱۳۷	علالت	۱۰۲	۱۲۱	روزے	۸۲
۱۳۹	وصال	۱۰۳	۱۲۲	تواضع	۸۳
۱۴۰	خلفاء	۱۰۴	۱۲۳	نماز عشاء	۸۴
۱۴۰	مولانا شمس الدین سہی	۱۰۵	۱۲۳	بعد عشاء	۸۵
۱۴۱	مخدوم نصیر الدین چراغ دلی	۱۰۶	۱۲۴	تجربہ	۸۶
۱۴۱	شیخ حسام الدین ملتانی	۱۰۷	۱۲۴	نماز جمعہ	۸۷
۱۴۲	مولانا علاء الدین نیلی	۱۰۸	۱۲۵	ہدیہ مادیان (گھوڑی)	۸۸
۱۴۲	مولانا فخر الدین زراوی	۱۰۹	۱۲۶	شادی	۸۹
۱۴۳	نواب محمد امام	۱۱۰	۱۲۷	عملیات	۹۰
۱۴۳	مولانا شہاب الدین امام	۱۱۱	۱۲۸	دعا مانگنے کا طریقہ	۹۱
۱۴۳	قاضی محی الدین کاشانی	۱۱۲	۱۲۸	فراحتی معاش	۹۲
۱۴۵	مولانا وجیہ الدین یوسف خدیوی	۱۱۳	۱۲۹	حل مشکلات	۹۳

صفحہ نمبر	عنوان	نمبر شمار	صفحہ نمبر	عنوان	نمبر شمار
۱۶۶	شمس سراج عقیف	۱۳۴	۱۶۶	مولانا برہان الدین غریب	۱۱۴
۱۶۷	مولانا قاسم بن عمر	۱۳۵	۱۶۶	شیخ قطب الدین منور	۱۱۵
۱۶۸	خواجہ عزیز الملک والدین	۱۳۶	۱۶۷	مولانا سراج الدین عثمان خلیفہ	۱۱۶
۱۶۸	خواجہ جہاں احمد ایاز	۱۳۷	۱۶۸	علاقائی مراکز	۱۱۷
۱۶۹	مستند سیر الاولیاء	۱۳۸	۱۶۹	مخصوص مرید	۱۱۸
۱۷۱	آستانہ شریف	۱۳۹	۱۷۰	زیر تربیت	۱۱۹
۱۷۵	درگاہ شریف کاکرد و پیش	۱۴۰	۱۷۰	خواجہ رفیع الدین ہارون	۱۲۰
۱۷۷	مسجد خلیجی	۱۴۱	۱۷۱	خواجہ ابوبکر مصطفیٰ دار	۱۲۱
۱۷۸	مرزا جہاں گیر کاکھر	۱۴۲	۱۷۵	اہل قلم	۱۲۲
۱۸۰	محب محمد شاہ بادشاہ	۱۴۳	۱۷۵	حضرت امیر خسرو	۱۲۳
۱۸۰	محب جہاں آرا بیگم	۱۴۴	۱۷۶	امیر حسن علاء سنجر	۱۲۴
۱۸۱	درگاہ حضرت امیر خسرو	۱۴۵	۱۷۸	خواجہ ضیا الدین برنی	۱۲۵
۱۸۵	صفہ ستون	۱۴۶	۱۷۹	مولانا فخر الدین زرادنی	۱۲۶
۱۸۶	بیرونی عمارتیں اور مزارات	۱۴۷	۱۸۰	مولانا شمس الدین بھائی	۱۲۷
۱۸۶	شمع برج	۱۴۸	۱۸۰	مولانا علاء الدین نیلی	۱۲۸
۱۸۸	بارہ کھمبہ	۱۴۹	۱۸۰	خواجہ محمد امام	۱۲۹
۱۸۹	لال محل	۱۵۰	۱۸۱	خواجہ عزیز الدین صوفی	۱۳۰
۱۹۰	چوٹھ کھمبہ	۱۵۱	۱۸۱	علی بن محمد جاندار شاہ	۱۳۱
۱۹۱	مزار غالب	۱۵۲	۱۸۲	امیر خور و سید محمد کرمانی	۱۳۲
			۱۹۶	تاسخ اہل قلم	۱۳۳

صفحہ نمبر	عنوان	نمبر شمار	صفحہ نمبر	عنوان	نمبر شمار
۱۹۸	مشائخ منزل	۱۶۵	۱۹۲	مزار خواجہ محمد امام	۱۵۴
۱۹۸	نواب مغل بیگ خان عرب	۱۶۶	۱۹۲	مکہ مرزا سلیمان جاہ	۱۵۵
۲۰۰	نواب احمد بخش خاں	۱۶۷	۱۹۳	مزار آصف	۱۵۶
۲۰۰	نواب ضیاء الدولہ	۱۶۸	۱۹۲	مزارات اولیاء	۱۵۷
۲۰۱	مقبرہ خواجہ حسن نظامی	۱۶۹	۱۹۲	خواجہ تقی الدین نوح	۱۵۸
۲۰۳	مقبرہ خان جہاں تلنگی	۱۷۰	۱۹۵	امیر خورد کرمانی	۱۵۹
۲۰۵	خان جہاں تلنگی مقبول	۱۷۱	۱۹۵	بری کا گنبد	۱۶۰
۲۰۶	خان جہاں تلنگی جو نانشر	۱۷۲	۱۹۶	خانقاہ مرزا بہرام شاہ	۱۶۱
۲۰۷	جامع فیروز شاہی (کالی مسجد)	۱۷۳	۱۹۶	مقبرہ آنکھ خاں	۱۶۲
۲۱۱	میر محمد زمان خان عرب	۱۷۴	۱۹۷	مکان غنشی سعادت علی	۱۶۳
۲۱۲	گرد و نواح	۱۷۵	۱۹۷	عقب سنگر خانہ	۱۶۴



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## دیباچہ

مجھے اس کا اعتراف ہے کہ حضرت محبوب الہیؑ کی سوانح حیات بلاشبہ وہی شخص لکھ سکتا ہے جو عالم بھی ہو اور عارف بھی۔ اور میں ان دونوں نعمتوں سے محروم ہوں لیکن حضرت محبوب الہیؑ سے تعلق خاطر کا وہ جذبہ جو مجھے اپنے والدین سے وراثت میں ملا ہے ایسا ایسی کچھ ایسا چھایا کہ سوانح حیات کی ترتیب و تدوین کے لیے آمادہ عمل کر ہی دیا اور بلا تامل آغاز کرتے ہی بن پڑی۔

یہ بھی حقیقت ہے کہ حضرت محبوب الہیؑ سے فطری لگاؤ کی بنا پر بچپن ہی سے مجھے حضرت کے ملفوظات اور سوانح کے مطالعہ کی سعادت نصیب ہے۔ اور استعداد کے مطابق ابتدا میں تراجم سے اور پھر فارسی نسخوں کے مطالعہ سے مستفید اور تذکروں سے متمتع ہوتا رہا ہوں۔

تمتع زہر گوشہ یافتم

زہر نرمنے نوشہ یافتم

اور اگرچہ مطالعہ اور معلومات کے اس ذخیرے نے عزم و ارادہ کو تقویت بخشی لیکن یہ

کتاب بڑا المیہ ہے کہ یہی ذخیرہ معلومات قدم قدم پر سدراہ رہا بلکہ اس نے ایسے  
خارزار میں دھکیل دیا تھا کہ اگر توفیق الہی سازگار نہ ہوتی تو سلامتی کے ساتھ نکلنا  
محال تھا ع

اسے روشنی طبع برمن بلاشدی

مختصر یہ ہے کہ جتھوں نے ترجمے کیسے ہیں فارسی تو کیا انھیں اردو زبان کے ایسا لیب  
پر بھی عبور نہیں۔ زبان ہی پر قدرت ہے اور نہ قلم ہی قابو میں ہے جتنے کہ جہاں بیان  
سادہ و صاف ہے وہاں بھی حشو و زوائد اور الحاق و تحریف سے بچ نہیں سکے ہیں اور  
جہاں اسلوب میں قدرے نزاکت ہے یا روزمرہ و محاورہ کی چاشنی ہے۔ وہاں نہ  
پوچھیے کہ کیا کیا گل کھلائے ہیں اور جہاں کہیں عقیدت مندی کے لیے کوئی شوشہ مل گیا  
ہے وہاں ان کی کھوکھلی عقیدت جس آب و رنگ میں جلوہ گر ہے۔ دیکھنے ہی کے لائق ہے۔  
الغرض ان کرشمہ سازوں نے ملفوظات و بیوانح کو اچھی خاصی بھول چھلیاں بنا دیا۔  
ہے جس کی وجہ سے اصل مدعا تک رسائی نہ صرف دشوار بلکہ محال ہو گئی ہے اور بلاشبہ  
حضرت محبوب الہیؑ کی ذات گرامی سے کما حقہ آگاہی قریب قریب امر محال ہے لیکن  
سوانح نگار کا مدعا صرف اتنا ہی ہوتا ہے کہ وہ سیرت کا قابل تقلید مرقع پیش کر دے  
تو کیا سیر الاولیاء کے سوا اور بھی کوئی کتاب ایسی ہے۔ جو اس مقصد میں کامیاب سمجھی  
جاتی ہو۔ نہیں، ہرگز نہیں۔

پھر یہ بھی ایک المیہ ہے کہ سیر الاولیاء کا چرنجی لال ایڈیشن جو کمیاب ہونے کے  
باوجود دستیاب ہو جاتا ہے اس نسخے کی ایک نقل سے منصفہ شہود پر جلوہ گر ہوا ہے

جو ۱۱۵۰ھ میں عبداللہ جیو اور حبیب اللہ مصحح کے زیر اہتمام مرتب ہوا تھا۔ اور جو

الحاق و تحریف سے بھر پور ہے۔ اور اس میں بھی کچھ کلام نہیں کہ ہر اہل ذوق کو دور تک  
مطالعہ میں الحاق و تحریف کا احساس ہوا ہوگا۔ لیکن اس کے انکشاف کی سعادت

مجھے مفقود تھی لہذا میں نے ہی سب سے پہلے ۱۳۷۷ھ میں اس کی نقاب کشائی کی سعادت حاصل کی اور ایشیا ٹیک سوسائٹی کلکتہ کے مخطوطہ ۱۰۲۰ھ سے میرے بیان کی تصدیق ہوئی اور میرے انکشاف کو حقیقت تسلیم کیا گیا۔

بہر حال میں نے صرف فوائد الفوائد، افضل الفوائد اور سیر الاولیاء ہی کو اپنے لیے ماخذ قرار دیا ہے اور سیر الاولیاء سے معلومات حاصل کرنے میں پوری احتیاط سے کام لیا ہے تاہم کسی امر کا دعویٰ دار نہیں۔ اس کے علاوہ ناقص تراجم اور غیر مستند سوانح حیات کے مطالعہ سے جو کچھ میرے ذہن میں تھا چوں کہ وہ ناقابل اعتنا تھا۔ اس لیے متن میں نہیں بلکہ حواشی میں اسے منضبط کر دیا ہے تاکہ تقابل سے ناظرین کو اس کے حُسن و قبح سے آگاہی ہو جائے۔ اور وہ یہ نہ سمجھیں کہ میں نے لاعلمی کی بنا پر اسے شامل نہیں کیا بلکہ اس حقیقت سے باخبر رہیں کہ واقف و آگاہ ہونے کے بعد میں نے اسے مسترد قرار دیا ہے۔

ایک اہم مسئلہ سنین کا ہے جو عموماً روایتی ہوتے ہیں، لیکن پھر بھی روایت وراثت میں ایک گونہ علاقہ ہوتا ہے جس سے واقعات کی ترتیب منضبط رہتی ہے لیکن حضرت محبوب الہیؑ کے باکمال سوانح نگاروں نے جو روش اختیار کی ہے، وہ نرالی ہی ہے جو واقعات کو منضبط ہونے نہیں دیتی۔ تاہم میں نے اس خامی کو رفع کرنے کے لیے اور واقعات میں ترتیب و تنظیم قائم رکھنے کے لیے جو راہ عمل اختیار کیا ہے ناظرین خود اندازہ کر لیں گے وہ کس قدر بدیہی اور حقائق سے کس قدر قریب تر ہے۔ اور بارہویں صدی ہجری سے چودھویں صدی تک کے باکمالوں نے اسے کس طرح اوجھل اور نظر انداز کر رکھا تھا۔ اور کیسے کیسے من مانی کرتے ہیں۔ بہر حال اب یہ طلسم بھی ٹوٹ گیا ہے اور حقیقت آشکارہ ہو گئی ہے۔ تاہم تحقیق کا دائرہ وسیع ہے اور اگرچہ اب تک کی تحقیق یہ ہے، لیکن تکمیل کا دعویٰ پھر بھی نہیں ہے۔ البتہ سنین کے باب میں اس سے قبل جو کچھ لکھا جا چکا ہے اب وہ بذات خود موثر نہیں ہوگا۔ بلکہ اس تحقیق سے متاثر سمجھا جائے گا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ متن اس کتاب کا مستند معلومات سے مرتب ہوا ہے اس لیے خود بخود سیرت کا مٹھ بولتا مرقع بن گیا ہے اور قابل تقلید زندگی کو بڑی خوبی سے پیش کرنے لگا ہے اور یہی مقصود ہوتا ہے سوانح نگاری کا۔ اور یہ کرم ہے رب العالمین کا اور رب العالمین ہی سے یہ التجا ہے کہ حضرت محبوب اللہ کے صدقے میں اسے قبولیت نصیب ہو اور میرے لیے اور میرے والدین کے لیے جن کی وراثت اور تربیت کا یہ ثمرہ ہے وسیلہ مغفرت بنے۔ آمین ثم آمین۔

اخلاق حسین دہلوی غفرلہ

لال محل

حضرت نظام الدین اولیاء زہدی ۱۳

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سُبْحَانَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَ  
اللَّهُ أَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ  
الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ

## خاندانی حالات

حضرت محبوب الہی سلطان المشائخ خواجہ محمد نظام الدین اولیاء قدس اللہ سرہ العزیز  
کے دادا بزرگوار کا نام خواجہ علی اور نانا بزرگوار کا نام خواجہ عرب تھا۔ اور یہ دونوں بزرگ

سہ، حضرت محبوب الہی کی سیادت و شجابت مسلم ہے۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عالم رویا  
میں حضرت محبوب الہی سے فرمایا کہ مولانا نظام الدین محمد نواز فرزندان مائی (سیر الاولیاء ص ۲۱ چ) مگر  
وہ جعلی شجرے اور نسب نامے جو حضرت محبوب الہی سے منسوب کیے جاتے ہیں۔ متضاد و مختلف ہیں  
اس لیے ناقابل اہمیت بار ہیں۔ (ارمغان تحقیق جلد ۲ ص ۵ تا ۱۰) نوٹ: چ سے مراد چیسر نجی لال  
ایڈیشن ہے۔

سادات کرام سے تھے۔ اور ان دونوں میں گہری دوستی بھی تھی۔ خواجہ عرب بہت مالدار تھے۔ ان کے پاس نوکر چاکر اور لونڈی غلام بہت سے تھے۔ جو صنعت و حرفت اور کاروبار تجارت سے دولت کماتے اور اپنے آقا کو دیتے تھے۔ جس سے دولت بڑھتی رہتی تھی۔ یہ دونوں بزرگ بخارا کے رہنے والے تھے۔ عہد چنگیزی میں بخارا میں رہنا چھوڑ دیا۔ اور غزنی ٹھہرتے ہوئے لاہور پہنچے۔ کچھ دن لاہور میں رہے۔ پھر بدایوں چلے آئے۔ اور اور بدایوں ہی میں رہنے لگے۔ ان ہی دنوں میں خواجہ عرب نے اپنی اکلوتی بیٹی رابعہ عہر

۱۔ تموجین نام اور چنگیز خاں لقب تھا۔ جس کے معنی ہیں بادشاہوں کا بادشاہ۔ تاتاری نسل سے تھا اور بڑا ہی نونریز اور جہاں سوز تھا۔ اور ہلاکو خاں اسی کا پوتا تھا یہ ۵۶۹ھ میں تخت نشین ہوا۔ جس ملک پر حملہ کرتا اینٹ سے اینٹ بجا دیتا، آگ لگا دیتا اور عمارتوں کو مسمار کر دیتا تھا۔ ہزاروں بلکہ لاکھوں کو قید کر لیا اور تلوار کے گھاٹ اتروا دیتا۔ خوارزم، ترمذ، بلخ، بخارا، طوس، ہرات، نیشاپور، غزنی اور لاہور و ملتان تک اس کے لشکر نے تاخت و تاراج کیا۔ آخر کار رمضان ۶۲۲ھ میں بمبے ۶۱۲۶ھ سال کروڑوں بے گناہوں کا خون گردن پر لے کر مر گیا۔ اور دنیا کو اس کے ظلم سے نجات دی۔ تاریخ

جدولیہ تذکرہ الکرام

۲۔ ذکر الاصفیاء ص ۱۲۔

۳۔ بدایوں موجودہ زمانے میں اتر پردیش کا مشہور شہر اور ضلع ہے اور عہدِ ماضی میں قبلۃ الاسلام تھا۔  
۴۔ اتنی دولت و ثروت کے باوجود خواجہ عرب کے دوہی بچے تھے ایک صاحبزادی جو حضرت محبوب الہی کی والدہ تھیں اور بی بی زلیخا ان کا نام تھا۔ ولینہ خدا اور نیک سیرت خاتون تھیں مزار پر انوار موضع اڑپنی دلی میں ہے اور مہرولی روڈ پر نزد مہرولی ہے۔ ۲۹، ۳۰ جمادی الاول کو سالانہ عرس ہوتا ہے۔ آپ کے حالات و کرامات پر راقم نے ایک کتاب لکھ دی ہے۔ جو عنقریب چھپ جائے گی۔ دوسرے ایک صاحبزادے تھے جن کا نام خواجہ عبداللہ تھا اور چار پشت تک ان کی اولاد کے نام ملتے ہیں۔

حضرت بی بی زلیخا کی شادی خواجہ علی کے صاحبزادے خواجہ احمد سے کر دی اور اپنے  
شایان شان ہیر اور ساز و سامان دیا۔ نیز دوستی کے علاوہ ان دونوں بزرگوں میں یہ نئی  
رشتہ داری بھی ہو گئی۔ جس سے ان دونوں بزرگوں کو حضرت محبوب الہی کے نانا اور  
دادا ہونے کا فخر حاصل ہوا۔

## پیدائش

حضرت محبوب الہی صفر کے مہینے میں آخری بدھ کے دن پیدا ہوئے۔ خواجہ محمد آپ

۱۔ اس پہلی اور نئی رشتہ داری کے متعلق امیر تورڈ کا بیان ہے کہ میاں دو بزرگ اتفاق فرابتے شد  
(سیر الاولیاء ص ۹۴) عہد شاہجہانی کے اہل قلم شیخ عبدالرحمن چشتی لکھتے ہیں کہ میاں ہر دو بزرگ  
قرابتے شد (مرآة الاسرار قلمی ص ۲۱ مخطوطہ ۱۰۶۵ھ) عہد عالمگیری کے اہل قلم قاضی محمد بلاق مرحوم لکھتے  
لکھتے ہیں کہ اتفاقاً میاں این دو بزرگ قرابتے واقع شد (مطلوب الطالبین قلمی ص ۸ مخطوطہ ۱۱۲۸ھ)  
اہل علم واقف ہیں کہ قرابتے میں یا سے وحدانی ہے اور اس سے مراد پہلی قرابت ہے نیز لفظ اتفاق  
و اتفاق سے تائید مزید معلوم ہوتی ہے۔ لہذا وہ تمام شجرے جن میں ان دونوں بزرگوں کو برادر عم زاد  
بنا دیا گیا ہے جعلی اور مسترد قرار پاتے ہیں۔

۲۔ حضرت محبوب الہی کا ارشاد ہے، روز چہار شنبہ آخریں ماہ صفر قومی بابرکت است۔ تولد میں  
ضعیف ہمدردیں روز است۔ (سیر الاولیاء ص ۳۸۷) نکتہ اور اوہفتہ... (مگر بعض سوانح نویسوں  
نے بدھ ۲۷ صفر ۶۳۲ھ اور بعض نے بدھ ۲۷ صفر ۶۳۲ھ لکھا ہے۔ مگر بروئے تقویم ۶۳۲ھ  
میں آخری بدھ ۲۶ صفر کو ہے اور ۶۳۶ھ میں آخری بدھ ۲۲ صفر کو ہے۔ نیز ان سنوں سے حضرت  
محبوب الہی کے بیانات کی مطابقت بھی نہیں ہوئی جو بابا فرید شکر گنج سے بیعت و خلافت سے  
متعلق ہیں اس لیے یہ قطعاً غلط ہیں۔ دراصل یوم پیدائش آخری بدھ ۲۷ صفر ۶۲۵ھ ہے (بقیہ ص ۱)

کا نام رکھا گیا۔ اور نظام الدین آپ کا لقب ہوا۔ آپ کی والدہ ماجدہ آپ کو چھ ماہ سے نظام کہا کرتی تھیں۔ کہتے ہیں کہ حضرت محبوب الہی ہمیشہ آخری بڑھ کے دن غسل فرمایا کرتے تھے۔ اسی کی یادگار میں ہر سال آخری بڑھ کے دن عقیدت مند درگاہ شریف میں جمع ہوتے ہیں۔ اور نماز صبح کی اذان سے پہلے عرق گلاب و کیوڑہ سے حضرت محبوب الہی کے مزار پر انوار کو غسل دیا جاتا ہے بعد میں اس غسل کو پانی میں ملا دیتے ہیں۔ اور عقیدت مند اس پانی کو تبرکاً لے جاتے ہیں۔ اور بیماروں کو پلاتے ہیں جس سے انھیں شفا ہو جاتی ہے۔

## والد بزرگوار

حضرت محبوب الہی کے والد ماجد خواجہ احمدؒ مادرزاد ولی اور عالم باعمل تھے۔ بادشاہ نے آپ کو بدایوں کا قاضی شہر مقرر کر دیا تھا۔ لیکن آپ کو اس کام سے ذرا بھی دل چسپی نہ تھی۔ لہذا آپ اس منصب سے جلد ہی الگ ہو گئے۔ شب و روز ذکر و فکر اور مشاہدہ حق میں مشغول رہتے۔ اور مخلوق کو ہدایت فرماتے اور نیک عمل کی دعوت دیتے رہتے۔ اور یہی آپ کا محبوب مشغلہ تھا۔

بقیہ صفحہ گذشتہ) جو تقویم کی روح سے بھی درست ہے۔ اور ارشادات محبوبی سے بھی مطابقت ہے۔ اور یہ عہد ناصر الدین محمود (۶۲۳ تا ۶۶۴ھ) کا ہے۔ مولانا جمالی لکھتے ہیں کہ جب دلی آئے تھے تو آپ کی عمر پچیس سال کی تھی اور غیاث الدین بلبن کا زمانہ تھا۔ (سیر العارفين ص ۵۹) اس سے بھی ظاہر ہے کہ ۶۳۲ھ اور ۶۳۶ھ کو سن پیدائش قرار دینا صحیح نہیں ہے۔

۱۷: مطلوب الطالبین قلمی ص ۸

۱۸: مطلوب الطالبین قلمی ص ۸ بحوالہ تذکرۃ الاصفیاء۔



## والد بزرگوار کی وفات

حضرت محبوب الہی بہت ہی کم سن تھے اور ابھی پڑھنے بھی نہیں بیٹھے تھے کہ آپ کے والد بزرگوار بیمار ہو گئے بیماری ہی کے دنوں میں حضرت محبوب الہی کی والدہ محترمہ نے خواب دیکھا کہ کوئی یہ کہتا ہے: دونوں میں سے کسی ایک کو لے لو۔ چاہے بیٹے کو لے لو اور چاہے شوہر کو۔ اور آپ نے بیٹے کو لے لیا۔ اور اگرچہ اس خواب کی یاد سے دل پریشان رہتا تھا۔ مگر آپ نے یہ خواب کسی کو سنایا نہیں۔ البتہ یہ دیکھا کہ خواجہ احمد کی بیماری روز بروز بڑھتی چلی گئی اور اسی بیماری میں وہ اللہ کے پیارے ہو گئے۔ مزار پر انوار سواد بدایوں میں ہے۔ ہر سال ۵ ذی الحجہ کو عرس ہوتا ہے۔ بکثرت مخلوق زیارت کو آتی ہے۔ آج کل قاضی سید محفوظ حسن صاحب وہاں کے صاحبِ خدمت ہیں۔

## تقریب

حضرت محبوب الہی جب ذرا بڑے ہوئے اور پڑھنے کے لائق ہو گئے تو آپ کی والدہ محترمہ نے آپ کو پڑھنے بٹھا دیا۔ پہلے آپ نے قرآن مجید ناظرہ پڑھا جب قرآن مجید ختم کر لیا تو کتابیں پڑھنی شروع کیں۔ کوئی بارہ برس کی عمر تھی تو آپ لغت کی کتاب پڑھا کرتے تھے۔

۱۔ قاضی محمد بلاق مرحوم نے بحوالہ سیر الاولیاء خواجہ احمد کاسن وفات ۶۴۱ھ لکھا ہے۔  
مطلوب الطالبین قلمی ص ۱۱۰۔ اگر سیر الاولیاء پرنسپی لال ایڈیشن میں یہ ذکر ہمارے مطالعہ میں نہیں آیا۔ اور  
یہ سن ہے بھی غلط۔

آپ قدرتا ذہین اور محنتی تھے اور علم سے آپ کو دلی لگاؤ تھا۔ اس لیے آپ نے نو عمری ہی میں بڑی بڑی کتابیں پڑھ لیں۔ جب آپ ایک بڑی کتاب پڑھ رہے تھے۔ اور وہ قریب ختم تھی تو آپ کے مشفق استاد مولانا علاؤ الدین اصولی نے فرمایا کہ اب تم ایک معتبر کتاب ختم کرنے والے ہو۔ اب دستار فضیلت تمہیں باندھنی چاہیے۔

## دستار فضیلت

آپ نے اپنے شفیق استاد کی ریگفت گواہی والدہ محترمہ کو سنائی۔ والدہ نے یہ سن کر خوشی کا اظہار فرمایا۔ اپنے ہاتھ سے سوت کاٹا اور دستار بنوائی۔ اور جب وہ کتاب ختم ہو گئی تو ایک دن بدایوں کے عالموں اور فاضلوں کو کھانے پر بلایا۔ اس دعوت میں خواجہ علیؒ بھی شریک تھے جو شیخ جلال الدین تبریزی کے مرید اور مشہور صاحبِ کرامت بزرگ تھے جب یہ سب بزرگ کھانے سے فارغ ہو گئے تو حضرت محبوب الہیؒ دستار ہاتھ میں لے کر آئے۔ خواجہ علیؒ نے ایک سر اٹکپڑا اور فرمایا تم خود ہی باندھو۔ آپ نے سب بزرگوں

۱۔ مخدوم نصیر الدین چراغ دلی فرماتے ہیں کہ آپ فقہ کی مشہور کتاب قدوری پڑھ رہے تھے۔ (تہذیب نیر المجالس ص ۱۲۵ و سیر العارفین ص ۸۲) ضامن علی مرحوم لکھتے ہیں کہ آپ بخاری شریف پڑھ رہے تھے (حاشیہ ترجمہ مطلوب الطالبین ص ۱)

۲۔ سیر العارفین ص ۸۲، ترجمہ نیر المجالس ص ۱۲۵۔

۳۔ خواجہ علیؒ کو مولانا خور د بھی کہتے ہیں یہ خواجہ علی قوم کے امیر تھے۔ شیخ جلال الدین تبریزی کی توجہ سے مسلمان ہوئے اور یہ مقام حاصل کیا کہ جملہ علماء اور مشائخ ان سے برکت حاصل کرتے اور قدم چومتے تھے۔ حالانکہ یہ کچھ نہ جانتے تھے صرف پنج وقتہ نماز ہی پڑھتے تھے۔ (ترجمہ نیر المجالس ص ۱۲۶، ۱۲۷)

کے سامنے دستار سر پر باندھی اور خواجہ علیؒ کی قدم بوسی فرمائی۔ خواجہ علیؒ نے دعا دی کہ  
خدا بے پاک تمہیں علماتے دین کے زمرے میں داخل کرے اور ہمت اور حوصلے کی انتہا کو  
پہنچائے۔ پھر آپ دوسرے علماء کے قدم بوس ہوئے اور انھوں نے بھی دعائیں دیں۔

## دلی آنا

حضرت محبوب الہیؒ جب بدایوں میں تعلیم سے فارغ ہو گئے تو آپ نے تعلیم کو پورا  
کرنے کے لیے دلی آنے کا ارادہ کیا اور چلے آئے۔ اس وقت آپ کی عمر صرف سولہ  
سال کی تھی۔ آپ کے ساتھ آپ کی والدہ محترمہ اور ہمیشہ عزیزہ بھی دلی آئیں۔ جب آپ  
دلی آئے تو سرائے میاں بازار میں آ رہے۔ اسے سرائے نمک بھی کہتے تھے۔ والدہ محترمہ  
اور ہمیشہ عزیزہ کو تو سرائے کے ایک مکان میں اتارا جو آپ نے کرایہ پر لیا تھا اور خود سرائے  
کے دروازے کے سامنے بارگاہ قواسم میں ٹھہرے۔ پڑوس گاہ ہی میں حضرت بابا فرید گنج شکرؒ

۱۔ سیر الاولیاء ص ۹۶۲۹۵۔ پ ۷

۲۔ محبوب الہیؒ کا ارشاد ہے کہ چوں شانزده سالہ شدم غزیمت دہلی شد (سیر الاولیاء ص ۷۶۲۹۵) گویا کہ آپ ۶۶۱ھ ۱۲۶۲ء عہد ناصر الدین محمود (۶۲۳ تا ۶۶۲ھ) میں دلی تشریف لائے۔

۳۔ قدیم تذکروں میں یہ ذکر نہیں کہ ان کا کیا نام تھا حضرت سے بڑی تھیں یا چھوٹی تھیں البتہ متاخرین  
میں سے کسی نے بی بی جنت نام بتایا ہے اور کسی نے بی بی زینب نام اور بی بی جنت عرف بتایا ہے لیکن ماخذ  
نہیں بتایا۔

۴۔ کمان بنائے والا۔

۵۔ درجواریش نجیب الدین متوکل برادریش شیوخ العالم فرود آمدیم (سیر الاولیاء ص ۷۶۲۹۵) فوائد القوائد جلد ۴

کے چھوٹے بھائی شیخ نجیب الدین متوکل رہتے تھے۔ جو اپنے زمانے کے کاملوں میں سے تھے۔ حضرت محبوب الہی کی ملاقات ان سے ہوئی تو آپ پہلی ہی ملاقات میں مانوس ہو گئے اور یہ انسیت بڑھتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ جب حضرت محبوب الہی کی والدہ محترمہ کا وصال ہو گیا تو حضرت شیخ نجیب الدین متوکل ہی آپ کی سرپرستی فرماتے تھے۔

## دلی میں تعلیم

دلی آ کر حضرت محبوب الہی ہمد تن تعلیم میں مشغول ہو گئے۔ دلی کے مشہور مشہور عالموں اور فاضلوں سے پڑھا اور شروع میں تین چار سال بڑی محنت سے پڑھنا پڑا۔ اور اس محنت کا یہ پھل ملا کہ آپ تیز طبیعت اور کامل دانش مند مشہور ہو گئے۔ بلکہ مولانا نظام الدین بجات اور محفل نمکن کے خطابات سے یاد کیے جانے لگے۔

الغرض جب آپ نے علم فقہ اور اصول فقہ اور دوسرے علوم میں کمال حاصل کر لیا تو ادب عالیہ کی طرف متوجہ ہوئے اور شمس الملک مولانا شمس الدین خوارزمی سے مقامات تحریری پڑھی اور اس کے چالیس مقام زبانی یاد کر لیے۔ اور جب ادب عالیہ میں آپ کو کمال ہو گیا، تو علم حدیث کی طرف متوجہ ہوئے اور مشہور ترین عالم حدیث محمد بن احمد بن محمد ماریکی سے جو مولانا کمال الدین زاہد کے نام سے مشہور تھے۔ علم حدیث کی مشہور کتاب مشارق الانوار بڑی تحقیق سے پڑھی اور راولوں کے حالات، سند کی صحت کے مقدمات

۱۔ سیر العارفين ص ۶

۲۔ یہ کتاب صحیح بخاری اور صحیح مسلم کا انتخاب ہے۔ مولانا رضی الدین صنعانی اس کے مولف ہیں۔ اس کتاب کی تالیف کہ دوران اگر کسی حدیث میں مولف کو دشواری لاحق ہوتی تو وہ (بقیہ اگلے صفحہ پر) ع، ملکین کا ایک مشہور قصبہ ہے۔

اور علم حدیث کے دقائق و نکات پر عبور حاصل کیا۔ بلکہ مقاماتِ حریری کے کفارے میں اس ضخیم کتاب کو حفظ کر لیا۔ اور آپ نے وہ کمال حاصل کیا کہ اپنے زمانے کے بلند پایہ عالم بلکہ مجتہدانے جانے لگے۔

## اساتذہ

حضرت محبوب الہی کے استادوں کا ذکر تیسری نیز و برکت کا سبب ہے۔ اس لیے بعض استادوں کا ذکر تیسری شامل ہوا ہے:

### شادی مقبریؑ

صاحبِ حال اور صاحبِ کرامات بزرگ تھے۔ بدایوں میں رہتے تھے۔ ان کی برکات مشہور تھی۔ جو کوئی ان سے ایک تختی بھی پڑھ لیتا تو پورا قرآن شریف اس کو یاد ہو جاتا تھا۔ شادی مقبریؑ پہلے ہندو غلام تھے۔ اور خواجگی مقبری کے شاگرد تھے۔ بولہاہور میں رہتے تھے۔

(بقیہ صفحہ گذشتہ) نبی صلعم کو خواب میں دیکھتے اور آپ سے اس کو عمل کرا لیتے تھے۔ مولانا رضی الدین صنعانی بدایوں کے رہنے والے تھے اور کول (علی گڑھ) میں نائب امیر شریعت تھے۔ علم حدیث میں آپ کا مرتبہ بہت ہی بلند تھا۔ آپ بیت الشرج کو گئے اور وہاں سے بغداد گئے تو وہاں کے علماء نے بھی آپ کا لوہا مانا اور وہاں کے بادشاہ نے بھی آپ کی بڑی عزت کی اور آپ کا شاگرد ہو گیا۔ وہاں سے آپ دہلی چلے آئے تھے۔

لہذا نظام الملۃ والدیۃ وهو مقتدی علماء دین ویكون له مقام الاجتہاد فی  
عصرہ کشف الغجاب قلبی ص ۱۰۹۔

لہذا فوائد الفوائد جلد ۲ ص ۱۵۴۔

اور بہت ہی بزرگ تھے۔ ان کے انتقال کے بعد ایک شخص لاہور سے بدایوں آیا۔ آپ نے اپنے استاد کی تحریرت دریافت کی۔ اس نے کہا وہ خیریت ہی سے ہیں۔ پھر آپ نے لاہور کا حال دریافت کیا۔ اس نے کہا، بارش بہت زیادہ ہوئی، بہت سے جانور مر گئے، بہت سے گھر گر گئے۔ رہنے والوں کی حالت خراب ہے۔ آپ نے فرمایا، ان حالات سے پہلے میرے استاد کا انتقال ہو گیا ہوگا۔ اس نے کہا، آپ ٹھیک فرماتے ہیں، ان کا انتقال ہو گیا ہے۔ حضرت محبوبؒ نے شادی مٹھری سے ایک سیپارہ پڑھا تھا۔

## (۲) مولانا علامہ الدین اصولیؒ

بدایوں کے رہنے والے کامل بزرگ بلند پایہ عالم نہایت دانش مند، انصاف پسند اور بڑے ہی منکر المزاج آدمی تھے۔ دوران سبق میں اگر کوئی مشکل لفظ یا کوئی دقیق نکتہ زیر بحث آتا تو آپ اسے بخوبی حل فرماتے اور تسلی کے لیے یہ بھی فرما دیتے کہ ابھی پوری طرح حل نہیں ہوا ہے۔ کہیں اور بھی تحقیق کر لینا چاہیے۔

بچپن کا ذکر ہے کہ آپ بدایوں کی گلیوں میں مگر گشت کرتے پھر رہے تھے کہ ایک گلی میں سے گزرے تو شیخ جلال الدین تبریزیؒ اپنے گھر کی دہلیز میں بیٹھے ہوئے تھے۔ مولانا علاؤ الدین کو دیکھا تو اپنے پاس بلا لیا۔ اور اپنا جامہ اتار کر انھیں پہنا دیا۔ اسی دن سے وہ خوبیوں کا خزانہ ہو گئے۔ حضرت محبوبؒ فرماتے تھے کہ مولانا علامہ الدین میں جس قدر

۱۔ فوائد الفواد جلد ۲ ص ۱۶۵۔

۲۔ ابوسعید تبریزیؒ کے فرید و خلیقہ تھے اور شیخ شہاب الدین سہروردیؒ سے بھی نعمت پائی تھی دلی آگے تھے مگر شیخ الاسلام نجم الدین صغریٰ نے دلی سے نکلوا دیا تھا۔ لہذا آپ نے بدایوں میں سکونت اختیار کرنی تھی۔ (فوائد الفواد خیر المجالس اور سیر الاولیاء میں مختصر حالات موجود ہیں)۔

بھی خوبیاں تھیں وہ اسی جامہ کی برکت سے تھیں وہ بہت ہی بزرگ تھے اور بہت ہی اچھے اخلاق و اوصاف کے مالک تھے۔

یہ بھی فرماتے تھے کہ مولانا علاؤ الدینؒ نے ایک بڑھیا لونڈی خریدی تھی۔ وہ کانپور کی رہنے والی تھی جو بدایوں کے پاس ایک گاؤں ہے۔ ایک دن وہ رونے لگی۔ مولانا نے دریافت کیا کہ کیوں روتی ہے۔ اس نے کہا کہ میرا ایک بچہ ہے اس کی جدائی کے دکھ سے میں روتی ہوں۔ مولانا نے فرمایا: یہاں سے ایک کوس کے فاصلے پر ایک تالاب ہے اور وہاں سے کانپور کو سیدھا راستہ جاتا ہے۔ اگر اس تالاب تک میں تجھے پہنچا دوں تو وہاں سے تو اپنے گھر چلی جائے گی! اس نے کہا: ہاں، چلی جاؤں گی۔ مولانا نے اسے تالاب تک پہنچا دیا۔ اور وہ اپنے بچے کے پاس چلی گئی۔ یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد حضرت محبوب الہیؒ اکتو بھرا لائے اور فرمایا:

”علماء ظواہر ایں معنی رامسکر باشند اما تو اں و انسنت

کہ اوچہ کرد“

(علماء ظاہر تو اس حقیقت سے انکار کرتے ہیں۔ مگر سمجھنا چاہیے کہ

انھوں نے یہ کیا کیا۔)

اس ارشاد میں اشارہ غالباً حضرت رابعہ بصریؒ کے اس مقولے کی طرف ہے:

”اگر بر آب روی کسی و در ہوا پر می کسی و دل بداری کسی“

(اگر پانی پر چلو تو تینکے ہو، ہوا میں اڑو تو مکھی ہو اور اگر دل جوئی کرتے

ہو تو مرد ہو۔)

مولانا علاؤ الدینؒ اصولی نہایت دانا اور بڑے ہی مردم شناس بزرگ تھے اور اگرچہ

حضرت محبوب الہیؒ نو عمر اور طالب علم تھے لیکن مولانا آپ کی علمی لیاقت کی قدر کرتے تھے

اور علمی مشاغل میں آپ کو اپنا معاون بناتے رکھتے تھے۔ چنانچہ جب کبھی کسی کتاب کا

مقابلہ کرنا ہوتا تو ایک کتاب اپنے سامنے رکھتے اور دوسری حضرت محبوب الہیؑ کے سامنے کبھی حضرت محبوب الہیؑ سے پڑھواتے اور خود سنتے اور کبھی خود پڑھتے اور حضرت محبوب الہیؑ کو سناتے اور اس طرح مقابلہ فرماتے۔ اور اس سے حضرت محبوب الہیؑ کی علمی استعداد نچتہ ہوتی رہتی۔ حضرت محبوب الہیؑ نے بڑے پیارے لفظوں میں آپ کے استاد ہونے کا اعتراف کیا ہے فرماتے ہیں :

”مولانا علامہ الدین اصولیؒ کہ استاد من بود“

### خواجہ شمس الدین خوارزمیؒ

(۳)

دہلی کے مشہور ترین عالم و استاد تھے۔ بلکہ دہلی کے اکثر استاد آپ کے شاگرد تھے معقول و منقول، فرع و اصول اور علم و ادب میں خاص طور پر پائے ہوئے استاد تھے۔ حضرت محبوب الہیؑ نے ان کی خدمت میں علم حاصل کیا اور مقاماتِ حریریؒ کے چالیس مقام بڑی تحقیق سے پڑھے اور انھیں زبانی یاد کر لیا۔

خواجہ شمس الدین خوارزمیؒ کے مزاج میں ظرافت بھی تھی۔ پینانچہ اگر کوئی شاگرد ناغہ کر کے

۱۔ فوائد الفواد جلد ۲ ص ۶۷-۶۸

۲۔ مقاماتِ حریری قاسم بن علی بن محمد بن عثمان الحریری البصری کی تصنیف ہے۔ عربی ادب میں بے مثل کتاب ہے۔ بعض عربی ادیبوں کی رائے ہے کہ قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت کے بعد اس سے اچھی اور کوئی کتاب نہیں ہے۔ علامہ حریری نے یہ کتاب سلطان محمد سلجوقی کے وزیر نوشیرواں بن خالد کی فرمائش سے تصنیف کی تھی۔ ایشیا اور یورپ کی اکثر زبانوں میں اس کا ترجمہ ہو چکا ہے۔ علامہ حریری کا

۵۱۶ھ میں انتقال ہوا۔ مزار مصر میں ہے۔

۶۱۱۲ھ



آئی کوئی دوست بہت دنوں کے بعد آتا تو آپ فرماتے، ایسا میں نے کیا کیا تھا جو تم نہیں آتے، کیا پھر ایسا ہی کروں۔ لیکن اگر حضرت محبوب الہیؑ مانعہ کر کے جاتے تو آپ کو دیکھتے ہی یہ شعر پڑھتے تھے۔  
 آخر کم ازاں کہ گاہ گاہ ہے  
 آئی و بہ ما کنی نگاہ ہے

خواجہ شمس الدینؒ بہت ہی خوش عقیدہ اور مردم شناس بزرگ تھے اور حضرت محبوب الہیؑ کی بہت ہی عزت کیا کرتے تھے۔ اور اس کے باوجود کہ آپ کی نشست گاہ پر کوئی قدم بھی نہیں رکھ سکتا تھا، لیکن حضرت محبوب الہیؑ کو اپنے پاس اپنی نشست گاہ ہی میں بٹھاتے تھے حالانکہ حضرت محبوب الہیؑ درویشانہ زندگی بسر کرتے تھے اور ادا با معذرت بھی کیا کرتے تھے لیکن وہ باصرار اپنے ہی پاس بٹھاتے تھے۔ حضرت محبوب الہیؑ فرماتے تھے۔ وہ جو میری عزت کرتے تھے۔ یہ ان کے خوش عقیدہ ہونے کی وجہ تھی۔

خواجہ شمس الدینؒ علم حساب میں بھی ماہر تھے۔ پینانچہ سلطان غیاث الدین بلہین نے آپ کو مستوفی ہندوستان (اڈیٹر جنرل) مقرر کیا اور شمس الملک خطاب دیا تھا۔ خواجہ تاج الدین ریزہ کا یہ شعر آپ ہی کی شان میں ہے۔

شمس کنوں بکام دل دوستاں شدی  
 مستوفی ممالک ہندوستان شدی

مولانا کمال الدین زاہدؒ

(۴)

آپ کا نام محمد بن احمد بن محمد بابیکلی ہے اور کمال زاہد اور کمال الدین زاہد کے نام سے یاد کیے جاتے ہیں۔ آپ تقویٰ و طہارت اور علم و فضل میں مشہور و معروف شخصیت کے

لے، سیرالویار صد ۱۰۵ اچ

مالک تھے۔ جب سلطان غیاث الدین بلبن کو آپ کی دیانت و امانت اور تقویٰ و طہارت اور علم و فضل کا حال معلوم ہوا تو سلطان نے آپ کو اپنا امام بنانا چاہا۔ اور اسی خیال سے آپ کو یاد کیا۔ جب آپ تشریف لائے تو سلطان نے کہا کہ مجھے آپ کے علم و فضل اور تقویٰ و طہارت پر پورا بھروسہ ہے اس لیے میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ میری نمازوں کی امامت قبول فرمائیں تاکہ مجھے اطمینان ہو جائے کہ میری نمازیں بھی بارگاہ الہی میں مقبول ہیں آپ نے فرمایا: ہمارے پاس نمازوں کے سوا اور کچھ نہیں رہا ہے کیا بادشاہ اب یہ چاہتا ہے کہ ہمارے پاس یہ بھی نہ رہے۔ بادشاہ یہ جواب سن کر چُپ کا چُپ رہ گیا۔ اور سمجھ گیا کہ یہ مانیں گے نہیں۔ لہذا بہت کچھ معذرت کی اور رخصت کر دیا۔

حضرت محبوب الہیؒ نے آپ سے حدیث کی مشہور و مستند کتاب مشارق الانوار پڑھی تھی اور نہایت تحقیق سے پڑھی تھی۔ چنانچہ اس سند میں اس کا ذکر ہے جو مولانا کمال الدین زاہدؒ نے مشارق الانوار کے اختتام پر تحریر فرمایا کہ حضرت محبوب الہیؒ کو عنایت فرمائی تھی جس کے بعض جملوں کا ترجمہ تبرا نقل کیا جاتا ہے اور وہ یہ ہے :

حمد و صلوة کے بعد واضح ہو کہ نظام الدین محمد بن احمد بن علی جو عالموں کے امام اور بزرگ ہیں۔ اور راہِ حق پر چلنے والے اور نہایت عابد و زاہد ہیں اور جو بہت زیادہ عالم و فاضل اور علم و بردباری میں بلند مرتبہ کے مالک ہیں، اور مشائخ کبار اور علماء اختیار کے منظور و مقبول ہیں۔ انھوں نے کتاب مشارق الانوار جو بخاری و مسلم کا بہترین انتخاب ہے، مجھ سے پڑھی اور نہایت محنت و کوشش سے اور مضبوطی و استقلال سے اور ہر ہر لفظ کے معنی و مطلب کو سلجھا کر اور سمجھ کر پڑھی اور نجم الدین ابوبکر التووسی کی مسجد میں پڑھی، جو دلی میں

لے: اب تو اس کا نام و نشان بھی نہیں۔ کون بتا سکتا ہے کہ یہ مسجد کہاں تھی افسوس کہ غفلت کے ہاتھوں

ہے۔ میں اجازت دیتا ہوں کہ وہ مجھ سے روایت کریں اور وصیت کرتا ہوں کہ وہ اپنی تنہائی کی دعاؤں میں مجھے اور میری اولاد کو نہ بھولیں۔

۲۲ ربیع الاول ۶۷۹ھ بمطابق

## سلطان جی

حضرت محبوب الہیؒ نوجوانی میں جب دلی میں تعلیم پڑھتے تھے اور حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کے چھوٹے بھائی شیخ نجیب الدین متوکلؒ کے پڑوس میں رہتے تھے اور اکثر حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے تو ایک دن آپ نے حضرت شیخ سے عرض کیا کہ آپ ایک بار سورہ فاتحہ اس نیت سے پڑھ دیجئے کہ میں کہیں کا قاضی ہو جاؤں۔

حضرت شیخ نجیب الدین متوکلؒ خاصانِ خدا میں سے تھے اور یہ جانتے تھے کہ انہیں تو سلطان الاولیاء ہونا ہے قاضی ہونے کے لیے دعا کیوں کی جائے لہذا آپ خاموش رہے اور جواب نہیں دیا۔ حضرت محبوب الہیؒ یہ سمجھے کہ شاید آپ نے سنا نہیں اس لیے دوبارہ اور پھر سہ بارہ عرض کیا تو آپ مسکرائے اور فرمایا:

”قاضی مشو۔ پیرے دیگر شو۔“

(قاضی نہ بنو کچھ اور ہی بنو)

خدا کی شان! آپ قاضی نہ ہوتے بلکہ محبوب الہی، سلطان الاولیاء اور سلطان المشائخ ہوتے۔ اسی لیے دلی والے آج تک سلطان جی ہی کہتے ہیں۔

۱۔ (بقیہ صفحہ گذشتہ) بزرگوں کی کیسی کیسی عظیم یادگاریں ضائع ہو گئیں۔

۲۔ یہ سند عربی زبان میں ہے اور سیر الاولیاء ص ۱۰۴، ۱۰۵ پر نقل ہے۔

۳۔ فوائد الفوائد جلد ۱ ص ۲۸ سیر الاولیاء ص ۱۶۸ پر۔

## غائبانہ محبت

ازل ہی سے حق تعالیٰ نے حضرت محبوب الہیؑ کے پاک دل کو حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کی ازلی محبت کا مخزن بنایا تھا اور یہ ازلی محبت حضرت محبوب الہیؑ کے ہوش سنبھالتے ہی اپنا کرشمہ دکھانے لگی تھی۔ یہ چنانچہ حضرت محبوب الہیؑ فرماتے ہیں:

میرمی عمر کوئی بارہ برس کی تھی۔ اور میں لغت کی کتاب پڑھتا تھا کہ میرے استاد کے پاس ایک شخص آیا۔ جس کا نام ابو بکر خراط تھا۔ اسے ابو بکر قوال بھی کہتے تھے، ملتان کی طرف سے آیا تھا۔ اس نے پہلے تو شیخ الاسلام شیخ بہاؤ الدین ذکر یا ملتانیؒ کی عبادت و ریاضت کا ذکر کیا اور یہ بھی کہا کہ ان کی کنیزیں تک چکی پیستے وقت ذکر کیا کرتی ہیں۔ پھر حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کا ذکر چھیڑا اور کچھ اس طرح بیان کیا کہ ہر ہر لفظ سے آپ کی عظمت و محبت میرے

۱۔ سیر الاولیاء ص ۱۰۷ اچ فوائد القواد جلد ۲ ص ۱۲۸، ۱۲۹۔

۲۔ خیراد کرنے والا۔ لکڑی کو سڈول کرنے والا۔

۳۔ ملتان عہد قدیم میں ہندوستان کا اہم سرحدی مقام اور مسلمانوں کا تعلیمی اور روحانی مرکز تھا اور اب پاکستان کا مشہور شہر اور ضلع ہے۔

۴۔ آپ کے والد بزرگوار کا نام وجیہ الدین اور دادا بزرگوار کا نام کمال الدین تھا جو مکہ معظمہ میں رہتے تھے۔ مکہ معظمہ سے خوارزم تشریف لے گئے اور وہاں سے ملتان چلے آئے۔ ملتان ہی میں شیخ بہاؤ الدین ذکر یا ملتانی پیدا ہوئے اور تعلیم و تربیت حاصل کی۔ آپ شیخ شہاب الدین عمر شہروردی کے بڑے خلفاء میں اور ہندوستان و پاکستان کے مشہور ترین اولیاء اللہ میں سے ہیں۔ ۶۶۶ھ میں وصال ہوا۔ مزار پر انوار ملتان (پاکستان) میں ہے۔

دل میں گھر کرتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ مجھے کچھ ایسی محبت ہو گئی کہ ہر نماز کے بعد میں دس بار شیخ فرید الدینؒ کہا کرتا تھا۔ رفتہ رفتہ محبت کا یہ جذبہ اتنا بڑھا کہ دوستوں کو بھی پتہ لگ گیا۔ لہذا جب وہ مجھے قسم دینا چاہتے تو کہتے کہ شیخ فرید (قدس اللہ سرہ) کی قسم کھاؤ۔

حضرت محبوب الہی یہ بھی فرماتے تھے :

جب بدایوں سے ہم دلی کے لیے چلے تو ہمارے ہم سفر ایک بوڑھے عزیز تھے جن کا نام عوض تھا۔ راستے میں جہاں کہیں لیٹروں یا درندوں کا ڈر ہوتا تو وہ کہتے : اے پیر! حاضر ہو جیے۔ اے پیر! ہم آپ کی پناہ میں ہیں۔ میں نے پوچھا : یہ تم پیر کے کہتے ہو۔ انہوں نے کہا : حضرت شیخ فرید الدین (نور اللہ مرقدہ) کو یہ سنا تو ذوق و شوق اور بھی بڑھ گیا۔

جب یہ قافلہ بدایوں سے دلی پہنچا تو اتفاق سے آپ اسی محلے میں اترے کہ جس

۱۲۹ : فوائد الفواد فارسی جلد ۲ ص ۱۹۲ میں یہ جملہ ہے کہ بعد از ہر نمازی وہ بار می گفتم کہ شیخ فرید الدین مگر فوائد الفواد کا جو ترجمہ بازار میں ملتا ہے۔ اس میں اس جملے کا یہ ترجمہ کیا ہے :

بعد ہر نماز کے جب تک دس بار یا شیخ فرید الدین اور مولانا فرید الدین نہ کہہ لیتا مجھے کل نہ پڑتی تھی۔ (ارشاد محبوب ص ۲۰۵۔)

۱۳۰ : سیرۃ المحبوب ص ۹ میں اس واقعہ کو مسج کر کے اس طرح لکھا ہے کہ جب کہیں راستے میں شیر اور ڈاکوؤں کا خطرہ ہوتا تو محبوب الہی فرماتے : اے میرے پیر میری مدد کیجئے میں آپ کی پناہ میں دہلی جا رہا ہوں۔ عیوض (عوض) نے آپ سے پوچھا کہ آپ کس کو پیر سمجھ کر پکار رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا : بابا فرید الدین گنج شکر کو کیونکہ میرا دل پیر کی وجہ سے بے حد مضطرب ہے۔

۱۳۱ : فوائد الفواد جلد ۳ ص ۱۲۹

میں حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کے چھوٹے بھائی حضرت شیخ نجیب الدین متوکلؒ رہتے تھے یہ  
پڑوسی ہونے کی وجہ سے ملاقات بھی ہو گئی اور حضرت محبوب الہیؒ اکثر آپ کی خدمت میں  
حاضر بھی ہوتے اور فیض بھی پاتے تھے۔

حضرت شیخ نجیب الدین متوکلؒ کی صحبت سے حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کی محبت  
کارنگ پوچھا اٹھا اور ایسے بچتے ہوئے کہ آخر دم تک قائم رہا بلکہ بڑھتا ہی گیا۔ چنانچہ حضرت  
محبوب الہیؒ نے ۱۰ سوال ۱۶ ص ۱۶ کی مجلس میں فرمایا:  
”تا امروز محبت ایشان برقرار است بلکہ مزید“

(آج تک آپ کی محبت اسی طرح ہے بلکہ کچھ اضافہ ہی ہے۔)

حضرت بابا فرید گنج شکرؒ بھی حضرت محبوب الہیؒ کی محبت کے استقلال کی قدر  
کرتے تھے۔ چنانچہ ایک دن مریدوں کی محبت کا ذکر فرما رہے تھے تو آپ کی طرف رخ  
کیا اور اشارہ کر کے فرمایا: جب سے یہ مجھ سے بیعت ہوئے ہیں جس طرح مجھے چاہتے تھے  
اس طرح چاہتے ہیں ذرا بھی فرق نہیں آیا ہے۔

۱: سیر الاولیاء ص ۲۱۷۔

۲: فوائد الفواد جلد ۲ ص ۱۴۲

۳: اُن گاہ روئے سوی دعا گو کرد اشارت سوئے من کرد گفت این مرد تا بن پیوستہ است ہیران  
مزابست و بیچ نگشتہ است (فوائد الفواد جلد ۲ ص ۱۴۲) سیر الاولیاء ص ۲۲۲۔ ۱۷۱۔ مگر ایک مترجم نے  
یہ ترجمہ کیا ہے اور خوب داد تحریف دی ہے:

ایک مرتبہ میری طرف مخاطب ہو کر فرمانے لگے کہ یہ شخص ایک عرصے سے میری

بیعت میں داخل ہے لیکن اپنے پہلے مزاج پر قائم ہے اور ذرہ کے برابر بھی اس کی

عبودیت اور حسن اعتماد میں فرق نہیں آیا ہے۔ (ارشاد محبوب ص ۳۳۹)

در اصل یہ حضرت بابا فرید گنج شکرؒ ہی کی محبت کا پھل ہے کہ آپ محبوب الہی ہوتے اور سات سو سال سے زیادہ زمانہ ہو چکا کہ ایک عالم آپ کو محبوب الہی مانتا ہے اور آپ کی محبت کا اسیر ہے۔

## حضرت بابا فرید گنج شکرؒ

مسعود آپ کا نام نامی ہے۔ فرید الدین اور گنج شکر آپ کے لقب ہیں اور شیخ کبیر اور شیخ شیوخ العالم کے لقب سے بھی یاد کیے جاتے ہیں۔ اور عام طور پر بابا صاحب اور بابا فرید زبان زدِ خلایق ہے۔ آپ کے والد بزرگوار کا نام شعیب تھا جو قاضی شعیب کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ کابل کے بادشاہ فرخ شاہ عادل کی اولاد سے تھے۔ جب چنگیز خاں نے حملہ کر کے کابل کو لوٹا اور قتل و خونریزی کا طوفان بپا کیا۔ تو قاضی شعیب اپنے بال بچوں کو لے کر ہندوستان چلے آئے پہلے کچھ دن قصور میں ٹھہرے پھر موضع کھتوال علاقہ ملتان میں قاضی مقرر ہوئے اور کھتوال ہی میں رہنے لگے۔

حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کھتوال ہی میں پیدا ہوئے اور وہیں ابتدائی تعلیم و تربیت حاصل کی۔ پھر ملتان تشریف لے گئے جو اس زمانے میں اسلامی تعلیم و تربیت کا مرکز تھا جہاں لائق و فائق عالم اور اسلامی مدرسے بکثرت تھے۔ چنانچہ آپ نے بھی ملتان میں تعلیم حاصل کی۔ اور تعلیمی ذوق کی وجہ سے آپ ابھی ملتان ہی میں تھے اور ایک مسجد میں قبلہ رو

۱۔ مغربی پنجاب پاکستان کا مشہور شہر ہے۔ یعنی یہاں کی مشہور ہے۔

۲۔ اب اس مقام کا نام کوٹ وال مشہور ہے۔

۳۔ حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کا سن پیدائش ۵۷۷ھ ہونا چاہیے۔

۴۔ چنگیز خاں ۵۶۹ھ میں تخت نشین ہوا اور ۶۶۲ھ میں مرا۔

بیٹھے کتاب نافع کے مطالعہ میں مشغول تھے کہ اچانک حضرت خواجہ قطب الدین بختیار  
کاکلی اوش سے دلی آتے ہوئے اس مسجد میں تشریف لے گئے جس میں حضرت بابا  
فرید گنج شکر مطالعہ میں مشغول تھے۔ حضرت بابا فرید گنج شکر آپ کو دیکھتے ہی بڑے ادب  
و تعظیم سے پیش آئے اور ادب سے بیٹھ گئے۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکلی  
نے پہلے دو رکعت نماز تحیت المسجد پڑھی پھر حضرت بابا فرید گنج شکر سے مخاطب  
ہوتے اور پوچھا کہ یہ تم کیا پڑھ رہے ہو۔ آپ نے عرض کیا کہ میں کتاب نافع پڑھ رہا  
ہوں۔ حضرت خواجہ نے فرمایا: کیا تم یہ جانتے ہو کہ تمہارا نفع اس نافع میں ہے آپ  
نے فرمایا: میرا فائدہ تو آپ کی کیمیا اثر نگاہ میں ہے۔ یہ کہا اور اٹھ کر قدم بوس ہوئے  
اور آپ کی خدمت میں رہنا اختیار کیا۔ اور آپ ہی کے ساتھ دلی چلے آئے اور آپ

۱۔ عربی علم صرف میں ایک مختصر رسالہ بھی ہے اور بقول ابوالقاسم فرشتہ فقہ کی ایک کتاب بھی  
اس نام کی ہے۔ تاریخ فرشتہ جلد ۲ ص ۲۸۳ شواہد نظامی ص ۱۴۳۔

۲۔ خواجہ قطب الدین بختیار کاکلی قدس اللہ سرہ العزیز بزرگ ترین اولیاء اللہ میں سے ہیں ماوراء  
النہر کے قصبہ اوش میں پیدا ہوئے اور مسجد امام ابولینت سمرقندی بغداد میں خواجہ معین الدین چشتی  
سنجری قدس اللہ سرہ العزیز سے بیعت ہوئے اور خرقہ خلافت پایا آپ نہایت عابد و زاہد  
اور شب بیدار تھے۔ رات کو حضرت نوافل میں ایک ٹانگ پر کھڑے ہو کر کئی کئی قرآن پاک ختم  
فرماتے تھے۔ آپ کی دعائیں بہت جلد قبول ہوتی تھیں۔ سماع سنا کرتے تھے۔ اس شعر کی کیفیت

میں آپ کا وصال ہوا تھا سے کشتگانِ شجرِ تسلیم را  
ہر زمان از غیب جانِ دیگر است

اپنے پیرو مرشد کے حکم سے دلی میں قیام فرمایا۔ ۱۲۴۲ھ میں وصال فرمایا۔ مزار پر انوار قصبہ  
مہولی دلی میں ہے اور زیارت گاہ خاص و عام ہے۔



کی خدمت میں رہ کر دینی اور روحانی تعلیم و تربیت حاصل کی۔ ان ہی دنوں میں جب ایک دن بہت سے کامل درویش اور علماء موجود تھے حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی نے آپ کو بیعت کیا۔

حضرت بابا فرید گنج شکرؒ پھر بھاڑ سے بہت گھبراتے تھے۔ اس لیے جنگلوں اور پہاڑوں میں تن تنہا یادِ الہی میں مشغول رہتے تھے۔ اور اکثر روزے سے رہا کرتے تھے اور کئی کئی دن کھانے پینے کے پاس بھی نہیں پھٹکتے تھے۔ ایک دفعہ جب کھاتے پیتے کئی دن ہو گئے تھے۔ اور کھیل کا دانہ بھی اڑ کر منہ میں نہیں گیا تھا۔ اور بھوک کا بے حد غلبہ ہوا۔ تو آپ نے افطار کے وقت کچھ کنکریاں منہ میں ڈال لیں۔ وہ شکر کی ڈلیاں بن گئیں۔ آپ نے انہیں تھوک دیا کہ مبادا یہ فریبِ نفس ہو۔ اور پھر عبادتِ الہی میں مشغول ہو گئے۔ جب آدھی رات ہوتی تو پھر بھوک کا غلبہ ہوا۔ اور آپ نے پھر کچھ کنکریاں منہ میں ڈالیں وہ بھی شکر کی ڈلیاں بن گئیں۔ آپ نے انہیں بھی تھوک دیا۔ اور یادِ الہی میں مشغول ہو گئے۔ آخری رات کو جب ضعف بہت ہی بڑھ گیا تو آپ نے پھر کنکریاں منہ میں ڈالیں وہ بھی شکر کی ڈلیاں بن گئیں۔ اب آپ کو اپنے پیر و مرشد حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کا یہ فرمان یاد آیا کہ جو کچھ غیب سے ملے اسی سے روزہ افطار کر لینا چاہیے۔ لہذا آپ نے انہیں کھالیا اور صبح کو حضرت خواجہؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر رات کا واقعہ بیان کیا حضرت خواجہؒ نے فرمایا کہ تم نے بہت اچھا کیا جو ان سے افطار کر لیا کیوں کہ جو غیب سے ملے وہ بہت ہی اچھا ہے۔ تم سدا شکر کی طرح شکر ہی رہو گے۔ جب ہی سے شکر گنج اور گنج شکر آپ کا لقب ہو گیا۔

حضرت بابا فرید گنج شکرؒ بہت سیدھے سادے اور معمولی لباس میں رہتے تھے یہاں تک کہ آپ پہچانے بھی نہیں جاتے تھے کہ آپ کوئی عالم یا درویش ہیں۔ البتہ خدا سیدہ بزرگ آپ کے چہرے کے جلال کو دیکھ کر پہچان لیتے تھے کہ آپ اللہ کے

دلی ہیں۔

الغرض جب حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کامل درویش ہو گئے۔ اور روحانیت کی منزلوں کو بخوبی طے فرما چکے تو ایک دن جب شیخ الاسلام حضرت خواجہ معین الدین سنجرى پشتمنى قدس اللہ سرہ العزیز بھی تشریف فرما تھے تو حضرت والاہی کے ایما سے بلکہ حضرت والا نے اور حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکى نے ایک ہی جگہ دونوں بزرگوں نے حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کو خلافت کی نعمت سے سرفراز فرمایا، اور جانشین قرار دیا۔ پنا نچہ جب حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکى نے وصال فرمایا تو حضرت بابا فرید گنج شکرؒ ہانسی میں تھے لہذا حضرت خواجہ نے حاضرین کو وصیت فرمائی کہ میرا مصلیٰ عصا اور چوہی نعلیں اور خرقة خاص مولانا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ کو دے دیا جائے الغرض جب آپ حضرت خواجہ کے وصال کے بعد چوتھے دن دلی پہنچے تو یہ سب تبرکات آپ کو دے دیئے گئے۔ اور آپ کو حضرت خواجہ کا جانشین بنا کر حضرت خواجہ کی جگہ بٹھا دیا گیا۔ آپ کوئی تین دن دلی میں رہے اور پھر ہانسی تشریف لے جانے لگے تو حاضرین نے عرض کیا کہ شیخ نے تو آپ کو یہ مقام تفویض کیا ہے آپ دوسری جگہ کیوں جاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: جو نعمت شیخ نے مجھے دی ہے وہ شہر و جنگل میں یکساں ہی ہے۔ اور پھر ہانسی تشریف لے گئے۔

سے: شیخ الاسلام حضرت خواجہ معین الدین سنجرى پشتمنى قدس اللہ سرہ العزیز مشائخ ہند کے امام طریقت ہیں۔ آپ کی برکت سے ہندوستان میں اسلام کی جڑ جی اور اسلام نے ترقی کی۔ آپ حضرت خواجہ عثمان ہارونی قدس اللہ سرہ العزیز کے بزرگ ترین خلیفہ تھے اور شیخ محترم کے ہمراہ متعدد بار پایادہ حج کو گئے۔ ہند الہی اور خواجہ فریب نواز کے لقب سے یاد کیے جاتے ہیں۔ ۶۰ رجب ۶۳۳ھ میں وصال ہوا۔ مزار پر انوار اجیر شریف میں ہے اور زیارت گاہ خاص و عام ہے۔

سے: فوائد الفوائد جلد ۲ ص ۱۸۸

آپ بہت مدت تک ہانسی میں رہے پھر کھتوال تشریف لے گئے۔ وہاں بھی زیادہ دن نہیں رہے اور وہاں سے اجودہن تشریف لے گئے جو ایک چھوٹا سا گاؤں تھا۔ لیکن آپ کے رہنے کی برکت سے مخلوق کی آمدورفت اتنی بڑھی کہ ادھی رات تک آپ کے گھر کا دروازہ کھلا رہتا اور ضرورت مند آتے جاتے رہتے تھے۔

حضرت بابا فرید گنج شکرہ علم و فضل میں بھی بلند مرتبہ بزرگ تھے۔ دینیات، اصول حدیث اور تصوف و روحانیت کی دقیق و مشکل کتابیں آپ اکثر پڑھایا کرتے تھے اور تصوف کے رموز و نکات کو اس خوبی سے سلجھا کر بیان کرتے تھے کہ سننے والوں پر کیفیت سی طاری ہو جاتی تھی اور ان کی روحیں عالم ملکوت کی سیر کے لیے تڑپ اٹھتی تھیں۔

آخر عمر میں حضرت بابا فرید گنج شکرہ کو خلفہ کی بیماری لاحق ہوئی اور اسی بیماری میں ۵۰۰ھ محرم کی رات کو ترانوں سے برس کی عمر میں آپ نے اس دار فانی سے رحلت فرمائی،

۱۔ خلفہ سنگرہنی کو کہتے ہیں یہ دستوں کی ایک بیماری ہے جس میں انترطیاں کمزور ہو جاتی ہیں اور معدہ کی وہ قوت جو کھانے کو معدے میں ٹھیراتی ہے ضعیف ہو جاتی ہے اور انترطیوں کے اندرونی حصے پر کہیں کہیں زخم اور دانے ہو جاتے ہیں (حاذق ص ۲۰۷) مگر ایک مترجم نے خلفہ کا ترجمہ یہ کیا ہے کہ مرض الموت آپ کا بیماری حلقوم تھی۔ (ارشاد محبوب ص ۱۲۴) سبحان اللہ۔

۲۔ مراد ماہ شوال بہ دہلی فرستادہ بود نقل ایساں در شب پنجم ماہ محرم بود (فوائد الفوائد جلد ۲ ص ۵۲۔ ابوالقاسم فرشتہ نے لکھا ہے کہ شب پنجشنبہ پنجم ماہ محرم سنہ سبعین دستہ و مائتہ (تاریخ فرشتہ جلد ۲ ص ۲۰۰) یا زہم قلمی (امیر خورڈ نے لکھا ہے کہ در ماہ شوال مراد بہلی رواں کہ نقل ایساں پنجم ماہ محرم بود (سیر الاولیاء ص ۸۹) مگر اسی کتاب میں حضرت بابا فرید گنج شکرہ کی وفات کے ذکر کے خاتمہ پر پوشیدہ نمائندگی کے تحت یہ بھی لکھا ہے: وفات حضرت ایساں در شش صد و ثلثت و چہار (۶۶۴ھ) بود (سیر الاولیاء ص ۹۰) لیکن قرآن سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ عبارت الحاقی ہے اور اسباب (یعنی حاشیہ ص پر)

اور واصل بحق ہوئے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ آپ کے صدقے میں ہمارا بھی خاتمہ بالخیر فرمائے۔ آمین۔

(بقیہ حاشہ ص ۱) اس کے یہ ہیں:

(۱) امیر خورڈ نے جس قدر سنیں لکھے ہیں عربی میں لکھے ہیں اور یہاں فارسی میں ہے اور جو الحاق کی غمازی کرتا ہے۔

(۲) اگر امیر خورڈ کو سن لکھنا ہوتا تو تاریخ وفات کے ضمن ہی میں لکھ دیتے الگ نہ لکھتے۔

(۳) امیر خورڈ نے ۱۳ رمضان ۶۶۹ھ حضرت محبوب الہی کی خلافت کی تاریخ لکھی ہے

اور یہ بیان حضرت محبوب الہی کی زبانی نقل فرمایا ہے:

سہ کرات از دہلی بخدمت شیخ شیوخ العالم رقم بعدہ یک روز

خواجہ طلبیدہ سیزدہم ماہ رمضان سنہ تسع و ستین و ستہ مائتہ بود فرمود نظام

یاد داری آن کہ گفتم بودم گفتم آرسے فرمود کہ کاغذ بیارید اجازت نامہ بنویسند

کاغذ آورند و اجازت نامہ بنویسند... الخ (سیر الاولیاء ص ۱۱۶ پ ۷)

جب ۶۶۹ھ میں حضرت بابا فرید گنج شکر یقید حیات تھے تو پھر ۶۶۲ھ سال وفات کیسے

ہو سکتا ہے۔ البتہ قرآن سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ سال وفات آپ کا ۶۶۰ھ ہے۔ اور بروئے تقویم

اسی سن میں شب پنجشنبہ ۵ محرم کو ہے (تقویم ہجری و عیسوی ابو النصر محمد خالدی ص ۳۴)

(۲) اس کے علاوہ اس میں حضرت اور حضرت ایشاں آتا ہے جو اپنے محل استعمال کے

اعتبار سے امیر خورڈ کی عادت کے خلاف ہے۔ دراصل بات یہ ہے کہ سیر الالیار

کا وہ نسخہ جو ۱۱۵ھ عہد محمد شاہ میں عبد اللہ جیو اور حبیب اللہ نامی اشخاص نے

مرتب کرایا تھا بہت ہی غیر معتبر اور الحاقات سے بھر پور ہے اور چرنجی لال ایڈیشن

اسی کی ایک نقل سے تیار ہوا ہے اس لیے یہ بھی غیر معتبر ہے (بقیہ صفحہ ۴۴ پر)

## بیعت کیا ہے؟

بیعت پچھلے گناہوں سے توبہ کرنے اور توبہ پر قائم رہنے اور خدا و رسول صلعم کے حکم کی تعمیل کرنے اور شریعت کے مطابق عمل کرنے کا ایک معاہدہ ہے۔ بیعت کسی ایسے شخص سے ہونا چاہیے جو شریعت و طہریت کا عالم اور باعمل ہو۔ بیعت کسی بزرگ کے مزار سے نہیں بلکہ کسی ایسے بزرگ سے کرنی چاہئے جو بقید حیات ہو۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۲) سیر الاولیاء کا ایک قدیم اور صحیح نسخہ ایشیا مینک سوسائٹی کلکتہ کے کتب خانے میں ہے جو ۱۰۲۰ھ کا مخطوطہ ہے (پبلا کیٹ لاگ نمبر ۲۲۳ ہے اور بعد کی فہرست کا نمبر ڈی ۲۱۸ ہے۔  
 ۳: مدت عمر شیخ پرسیدند۔ فرمود کہ نو دو سال بود۔ (قواعد القوادیلہ ص ۵۲) یعنی شیخ کی مدت عمر دریافت کی تو آپ (حضرت محبوب الہیؑ) نے فرمایا تو اسے ۹۳ سال تھی۔ مگر ایک مترجم نے ترجمہ یہ کیا ہے: کسی نے آپ سے شیخ شیوخ العالم قدس اللہ سرہ کی عمر کی بابت دریافت کیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ حضرت کی عمر نوٹے سال کی ہوئی۔ (ارشاد محبوب ص ۱۲۷) سیر الاولیاء کی مذکورہ الحاقی عبارت میں یہ تحریری عبارت بھی ہے:

از حضرت سلطان المشائخ پرسیدند کہ عمر شریف حضرت شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز چند سال بود۔ فرمودند کہ نو دو پنج سال (سیر الاولیاء ص ۹۱) سیرۃ المحبوب ص ۹۶ ۵ محرم ۶۷۰ھ بروز منگل لکھا ہے۔ بروئے تقویم منگل کا دن غلط ہے۔

ص: سیر الاولیاء ص ۲۳۳ چ -

ص: سیر الاولیاء ص ۳۲۶ چ -

## تجدید بیعت

اگر بیعت میں کوئی خلل واقع ہو جائے تو اپنے مرشد سے دوبارہ بیعت کر لینی چاہئے۔  
اگر شیخ موجود نہ ہو یا بقید حیات نہ ہو تو شیخ کے کپڑے ہی سے کر لینی چاہئے۔ حضرت  
محبوب الہی فرماتے تھے کہ میں اپنے خواجہ شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین قدس اللہ  
سرہ العزیز کے جامہ مبارک سے بیعت تجدید کر لیا کرتا ہوں۔ تجدید بیعت سے نسبت کو  
تقویت ہوتی ہے اور خامی رفع ہو جاتی ہے۔

## بیعت کا طریقہ

حضرت محبوب الہی فرماتے تھے کہ جب کوئی شخص شیخ شیوخ العالم فرید الحق  
قدس اللہ سرہ العزیز کی خدمت میں بیعت ہونے کے لیے آتا تو آپ پہلے اس سے  
سورۃ فاتحہ (الحمد) اور سورۃ اخلاص (قل ہو اللہ) ایک ایک بار پڑھواتے پھر سورۃ  
بقرہ کا آخری رکوع اَمَّنَ الذُّسُولُ سے آخر سورہ تک پڑھواتے اس کے بعد  
شَهِدَ اللهُ اَنْهُ لَا اِلَهَ اِلَّا هُوَ سے اِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللهِ الْاِسْلَامُ  
تک پڑھواتے۔ اس کے بعد کہلاتے کہ میں نے اس ضعیف کے ہاتھ پر بیعت کی اور  
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی اور اللہ تعالیٰ سے عہد کیا کہ میں  
اپنے ہاتھ، پاؤں اور آنکھوں کی حفاظت کروں گا اور شریعت کی پابندی کروں گا۔

۱۔ من بیش جامہ خواجہ خود شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز تجدید بیعت می کنم۔

(سیر الاولیا ص ۳۳ چ) فوائد الفوائد جلد ۲ ص ۵۸۔

۲۔ سورہ آل عمران۔ رکوع ۲ پارہ ۳۔ ۳۔ سیر الاولیا ص ۳۲۳ چ

## بیعت کی قسمیں

بیعت کی تین قسمیں ہیں:

(۱) بیعت توبہ

(۲) بیعت تبرک

(۳) بیعت تحکیم

۱۔ بیعت توبہ، گناہوں سے توبہ کرنے کے لیے ہے۔ یہ بیعت عام ہے۔ ہر مسلمان کے ہاتھ پر کی جاسکتی ہے اور ہر مسلمان یہ بیعت لے سکتا ہے۔

۲۔ بیعت تبرک، یہ بیعت صالحین اور اولیاء اللہ کے سلسلے میں داخل ہونے کے لیے کی جاتی ہے اور اس میں خرقہ تبرک دیا جاتا ہے۔ حضرت محبوب الہیؑ نے اکثر خرقہ تبرک ہی عنایت فرمائے تھے۔

۳۔ بیعت تحکیم، یہ بیعت خاص ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ راہ سلوک کے مجاہدات میں شیخ کو اپنا حاکم قرار دے۔ اور اس کے حکم کی تعمیل میں ذرا بھی دریغ نہ کرے۔ یہی وہ بیعت ہے جس سے روحانیت کے مدارج طے ہوتے ہیں اور سالک واصل الی اللہ ہوتا ہے۔ اس بیعت میں خرقہ ارادت دیا جاتا ہے اور حضرت محبوب الہیؑ نے صرف چار بزرگوں کو خرقہ ارادت عنایت فرمائے تھے۔

۱۔ انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ ص ۴

۲۔ چندیں خرقہ کہ اس ضعیف دادہ است ازیں میاں چہار کس را خرقہ ارادت دادہ است دیگر ہمہ را خرقہ تبرک۔

(سیر الاولیاء ص ۲۴۳ چ ۱)

## بیعت ہونا

حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کی محبت تو بچپن ہی میں حضرت محبوب الہیؒ کے پاک دل میں گہر کر چکی تھی اور ابھی آپ کی عمر کو فی بیس برس کی تھی اور آپ دلی میں تعلیم پا رہے تھے کہ قدم پوسی کی سعادت حاصل کرتے گا جذبراُ بھرا اور شوقِ ملاقات و امتگیر ہوا لہذا آپ دلی سے اجودہن (یا کپٹن) تشریف لے گئے جب آپ اجودہن پہنچے تو بدھ کا دن تھا اور حضرت بابا فرید گنج شکرؒ یہ شعر پڑھ رہے تھے۔

اے آتشِ فراق و لہا کباب کردہ  
سیلابِ اشتیاقِ حیاں ہا خراب کردہ

اسی دن حضرت بابا فرید گنج شکرؒ نے آپ کو بیعت فرمایا۔ حضرت محبوب الہیؒ

۱۔ پرسیدند کہ شام چاند سالہ بودید کہ بدولتِ ارادتِ شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین طیب اللہ .  
مرقدہ مشرف شدید فرمودہ کہ بیعت سالہ (سیر الاولیا صفحہ ۱۰۷ چ )

۲۔ روز چہار شنبہ بود کہ سعادتِ پاسے بوس شیخ شیوخ العالم شیخ کبیر حاصل کردم (سیر الاولیا صفحہ ۱۰۷ چ )

۳۔ حضرت محبوب الہیؒ کے بیان سے تو صرف اتنا ہی پتہ چلتا ہے کہ سبب حضرت بابا فرید گنج شکرؒ سے بیعت ہوتے تو بدھ کا دن تھا اور آپ میں سال کے تھے لیکن غالباً سب سے پہلے ۱۱۱۷ھ میں قاضی محمد بلاق مرحوم نے راحت القلوب کے حوالے سے بیعت ہونے کی تاریخ مہینہ اور سن لکھا ہے مگر تعجب یہ ہے کہ ایک ہی عنوان کے تحت دو تاریخیں لکھی ہیں : (۱) ۱۵ رجب ۶۵۵ھ بدھ اور (۲) ۱۱ رجب ۶۵۵ھ مطلوب الطالبین ص ۲۲-۲۳ مخطوطہ ۱۱۴۸ھ۔ اور قاضی محمد بلاق مرحوم نے نہ تو ان تاریخوں کے اختلاف کا کوئی سبب بتایا ہے اور نہ اختلاف کو رفع کرنے کی کوشش ہی کی ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بعد میں جو سوانح حیات لکھی گئیں (بقیہ صفحہ نمبر ۲۹ پر)



یہ بھی فرماتے تھے کہ میں نے یہ چاہا کہ میں اپنے اشتیاق کو عرض کروں لیکن کچھ ایسی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۲۸) ان کے لکھنے والوں نے عموماً بدھ، ۱۵ رجب ۶۵۵ھ کو بیعت کی تاریخ تسلیم کر لیا ہے۔ البتہ شمس العلماء خواجہ حسن نظامی مرحوم نے ۱۵ رجب ۶۵۶ھ بدھ کا دن لکھا ہے (نظامی تبصری ص ۳۳۶) اور کسی نے بھی تحقیق کی تکلیف گوارا نہیں کی۔

بلاشبہ موجودہ زمانے میں راحت القلوب کو حضرت محبوب الہیؑ کی تالیف سمجھا جاتا ہے اور اس میں جو ملفوظ ہیں انھیں حضرت بابا فرید گنج شکرؒ سے منسوب کیا جاتا ہے اور یہ بھی درست ہے کہ حضرت محبوب الہیؑ نے حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کے ملفوظات قلم بند فرماتے تھے چنانچہ حضرت محبوب الہیؑ کا ارشاد ہے :

کھاتی کہ از شیخ استماع و اشتم بنشتم تا این غایت آن مجموعہ بر من ہست ۔  
(جو کچھ میں شیخ سے سنا اُسے لکھ لیا کرتا) اور) اب تک وہ مجموعہ میرے

پاس ہے۔) (فوائد الفواد جلد ۱ ص ۳۱)

لیکن یہ بات وثوق سے نہیں کہی جاسکتی کہ راحت القلوب ان ہی ملفوظ کا صحیح مجموعہ ہے جو حضرت محبوب الہیؑ نے قلم بند فرمائے تھے کیونکہ جب تحقیق و تنقید کی نظر سے دیکھا جاتا ہے تو راحت القلوب کا وہ نسخہ جو عام طور سے دستیاب ہوتا ہے اور جس کے حوالے سے قاضی محمد بلاق مرحوم نے دو مختلف تاریخیں لکھی ہیں۔ کئی اعتبار سے ناقص و نامتام بلکہ خود ساختہ اور جعل ثابت ہوتا ہے اور کیفیت اس کی یہ ہے :

۱۔ حضرت محبوب الہیؑ فرماتے ہیں کہ ہمدراں ایام مردی مرا کاغذ ہا سپید و اذیک جا  
جلد کردہ من آن را بستدم۔ فوائد شیخ ہم در آن جا ثبت کردم۔ بالانہ ششم کہ سبحان اللہ  
والحمد للہ وللا الہ الا اللہ واللہ اکبر ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم (فوائد  
الفواد جلد ۱ ص ۳۱)

(بقیہ ص ۵ پر)

ہمیت طاری ہوئی کہ بس اتنا ہی عرض کر سکا کہ پائے بوسی کا شوق بہت زیادہ تھا۔ حضرت

(۱) (ترجمہ) حضرت محبوب الہی فرماتے ہیں کہ ان دنوں میں کہ میں مفلوظ مرتب کر رہا تھا،

ایک شخص نے مجھے سفید کاغذ دیئے جو جلد بستہ تھے میں نے وہ لے لیے اور شیخ کے

فوائد (مفلوظ) اس میں لکھ لیے اوپر یہ لکھا: سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ و

اللہ اکبر ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم

مگر راحت القلوب کے مروجہ نسخے کی ابتدا میں یہ عبارت نہیں ہے اس سے یقین ہوتا ہے

کہ دراصل یہ مجموعہ وہ نہیں ہے جو حضرت محبوب الہی نے مرتب فرمایا تھا۔

۲ - قاضی محمد بلاق مرحوم نے بھی ۱۵ اور ۱۱ دو تاریخیں نقل کی ہیں جو خود اس کی دلیل ہے

کہ یہ اصل سے منقول نہیں ہیں کیونکہ تاریخ تو ایک ہی ہوتی دو کیوں ہوتیں۔ دو تاریخیں لکھنے کا کیا

سبب ہو سکتا ہے؟

۳ - بدھ ۱۵ رجب ۶۵۵ھ جس کی عموماً پیروی کی گئی ہے۔ بروئے تقویم اس تاریخ کو بدھ

نہیں آوار ہے البتہ ۱۱ کو بدھ ہے۔

۴ - راحت القلوب میں ۲۲ مجلسیں ہیں جن میں سے صرف پانچ میں تاریخ کے ساتھ

دن بھی ہیں، لیکن بروئے تقویم ایک کے سوا سب غلط ہیں۔ (تقویم ہجری و عیسوی ابو النصر محمد خالدی)

۵ - ۲۹ شعبان ۶۵۵ھ (پانچویں مجلس) کے بعد ۱۱، ۱۳ اور ۲۵ کی تین مجلسیں ہیں جن کے

ساتھ صرف ماہ مذکورہ لکھا ہے۔ اگر یہ تاریخیں شعبان ہی کی ہیں تو ۲۹ کے بعد کیوں ہیں۔ یہ بھی

اس کتاب کے غیر اصلی ہونے کی دلیل ہے۔

۶ - ۲۵ شوال ۶۵۵ھ (دسویں مجلس) کے بعد ۱۵، ۲۰ اور ۲۱ کی تین مجلسیں ہیں جن کے

ساتھ بھی صرف ماہ مذکورہ ہے اگر یہ تاریخیں ماہ شوال کی ہیں تو ۲۵ کے بعد کیوں ہیں۔ بھلا کہیں ایسا

(بقیہ صفحہ ۵۱ پر)

مجموعہ حضرت محبوب الہی کا مرتب کیا ہوا ہو سکتا ہے۔

بیا فرید گنج شکر نے جب یہ دیکھا کہ فحجہ پر ہیبت سی طاری ہے تو آپ نے فرمایا:

(یقیہ حاشیہ صفحہ نمبر ۵)

۷ - ۲ ربیع الاول ۱۲۵۷ھ کی مجلس چودھویں اور آخری مجلس ہے۔ اس میں حضرت محبوب الہیؒ کو خلافت عطا فرمانے کا ذکر ہے۔ حالانکہ امیر خورڈ نے حضرت محبوب الہیؒ کی زبانی یہ نقل فرمایا ہے کہ آپ کو ۱۳ رمضان ۱۲۶۹ھ کو خلافت ملی ہے:

شیخ شیوخ العالم فرمود کہ نظام الدین  
 امی دعا یاد داری.... گفتم خیر شیخ شیوخ  
 العالم فرمود ایں دعا را یاد گیر و مواظبت  
 نمائی تا ترا خلیفہ خود گردانم و بموجب فرمودہ  
 دعا گو در شہر آمدہ سہ کسرت از دہلی بخدمت  
 شیخ شیوخ العالم رفتم بعدہ ایک روز  
 خواجہ طلبید سیزدہم ماہ رمضان سنہ تسع  
 و ستین و شبہ ماتہ بود۔ فرمود کہ نظام یاد  
 داری اکل کہ گفتم بودم۔ گفتم آرسے فرمود  
 کاغذ بیارید۔ اجازت نامہ بنویسند کاغذ  
 آوردند۔ اجازت نامہ نوشتند۔ الخ۔  
 شیخ شیوخ العالم نے فرمایا کہ نظام الدین  
 تمہیں یہ دعا یاد ہے.... میں نے عرض کیا  
 کہ نہیں شیخ شیوخ العالم نے فرمایا، اس  
 دعا کو یاد کرو اور ہمیشہ پڑھا کرو تاکہ میں تمہیں  
 اپنا خلیفہ بنا دوں ارشاد کے مطابق دعا گو  
 شہر میں آگیا اور تین بار دلی سے شیخ شیوخ  
 العالم کی خدمت میں گیا۔ اس کے بعد  
 ایک دفعہ خواجہ نے طلب کیا۔ ۱۳ رمضان  
 ۶۶۹ھ تھی۔ فرمایا کہ نظام یاد ہے جو  
 میں نے کہا تھا۔ میں نے عرض کیا، جی ہاں  
 آپ نے فرمایا، کاغذ لاؤ۔ اجازت نامہ  
 لکھیں۔ کاغذ لاتے اور اجازت نامہ لکھا۔

(سیر الاولیاء ص ۱۱۶ چ)

یہ واقعہ بھی اس حقیقت کی تصدیق کرتا ہے کہ راحت القلوب ملفوظات کا دراصل وہ مجموعہ نہیں ہے جو حضرت محبوب الہیؒ نے مرتب فرمایا تھا۔

۸ - پھر آخری مجلس میں خلافت کا ذکر بھی تشنہ اور نام تمام ہے۔ اس بیان کا (یقیہ صفحہ نمبر ۵۲ پر)

لکل داخل دہشتہ یعنی ہر راتے، آنے والے کے لیے دہشت ہوتی ہے۔ اس کے

(بقیہ صفحہ ۵۱) آخری جلد یہ ہے کہ فرمود شیخ جمال الدین رانہ بیہی۔ یہ جملہ بذات خود بے ربط اور بے محل بلکہ بے معنی ہے۔

۹۔ حضرت محبوب الہی کی حیات ہی میں کسی نے جعلی کتاب بنا کر حضرت سے منسوب کر دی تھی۔ چنانچہ ۱۵ محرم ۱۱۰۰ھ کی مجلس میں اس کا ذکر آیا تھا۔ حضرت علامہ سبزی لکھتے ہیں:

عزیز سے حاضر بود عرض داشت کرد کہ  
مراد را اودھ مرد سے کتابے نمود و گفت کہ  
ایک عزیز حاضر تھے انھوں نے عرض کیا  
کہ اودھ میں مجھے ایک شخص نے ایک  
کتاب دکھائی اور کہا کہ یہ حضرت مخدوم  
(آپ) کی لکھی ہوئی ہے۔ آپ نے  
فرمایا کہ فرق سے بات کہی ہے میں نے  
کوئی کتاب تصنیف نہیں کی ہے۔

ذکرہ اللہ بالآخر گفت کہ تفاوت گفت  
است من هیچ کتابے نہ نوشته ام۔  
(فوائد الفواد جلد ۲ ص ۲۵)

چنانچہ جو ملفوظات آپ نے مرتب کئے تھے ان کے متعلق ۱۸ سوال ۷۰۸ھ کی مجلس میں آپ نے فرمایا:

تا این غایت آل مجموعہ بر من هست۔  
ابھی تک (ملفوظات کا) وہ مجموعہ میرے پاس ہے۔  
(فوائد الفواد جلد ۱ ص ۳۱)

ایسے ہی ایک سوال کے جواب میں مخدوم نصیر الدین محمود چراغ دلی نے فرمایا:

این سخن ہا بر من رسیدہ است حاشا کہ  
ایشان باشند۔ در آن جا بسیار کلمات  
یہ باتیں مجھے پہنچی ہیں۔ ہرگز ان کی نہیں  
ہیں بلکہ ان میں مجاوروں اور معتقدان  
نے جان بوجھ کر بہت سی باتیں لکھ دی  
جواران و معتقدان باوقوف نوشتہ اند

(بقیہ صفحہ ۵۳ پر)

بعد آپ نے اپنے خدام سے فرمایا کہ اس غریب متعلم کے لیے جماعت خانہ میں پننگ بچھا دو۔  
پننگ بچھا دیا گیا۔ مگر میں نے یہ کہا کہ جب بہت سے اللہ کے نیک بندے زمین پر سوتے  
ہیں۔ جن میں حافظ قرآن اور عابد و زاہد بھی ہیں لہذا میں بھی زمین ہی پر سوؤں گا۔ جب خدام  
نے یہ بات مولانا بدرالدین اسحاقؒ سے کہی۔ تو انھوں نے کہلا کر بھیجا کہ تم من مانی کرو گے  
یا شیخ کے حکم کو مانو گے۔ میں نے کہا کہ شیخ کے حکم کو مانوں گا۔ اور پھر میں پننگ ہی پر سو گیا۔

## خلق

خلق سر کے بال مونڈنے کو بھی کہتے ہیں۔ اور جس کے بال مونڈ دیتے جاتے ہیں اسے  
مخلوق کہتے ہیں اور جب سر کے بال زیادہ لمبے اور بڑے ہوتے ہیں تو کبھی کبھی بے احتیاطی  
سے نہاتے وقت بالوں کی جڑیں سوکھی رہ جاتی ہیں اور پتہ نہیں چلتا مگر گندگی رہ جاتی ہے اور  
غسل پورا نہیں ہوتا۔ لہذا اہل طریقت کا یہ بھی دستور ہے کہ بیعت کے لیے سر کے بال منڈواتے  
اور غسل کراتے ہیں۔ تاکہ ہر طرح کی پاکی حاصل ہو جائے۔

حضرت محبوبؒ فرماتے تھے کہ میں بال رکھتا تھا۔ حضرت بابا فرید گنج شکرؒ نے

(بقیہ حاشیہ ۵۲) کہ ہرگز موافق احوال ایساں نیست۔ ہیں جو ہرگز ان کے حالات کے مطابق

(سیر العارفین ص ۹۵) نہیں ہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ یا تو راحت القلوب جعلی کتاب ہے۔ ورنہ کسی کو بعض اوراق فرسودہ و  
پراگندہ اور ناقابل خواندگی ہاتھ لگ گئے ہیں اور اس نے بے احتیاطی سے مرتب کر لیا ہے لہذا اس  
میں درج شدہ سنین اور ماہ و تاریخ اور دن ناقابل اعتماد ہیں۔ پھر اگر ماہ رجب ہی کو تسلیم کر لیا جاتے  
تو پھر ۱۱ رجب ۶۶۵ھ بدھ کا دن بیعت کے لیے قیاس کیا جاسکتا ہے۔

مجھے بیعت فرمایا مگر بال منڈوانے کے لیے حکم نہیں دیا اور میرا بھی ارادہ نہیں تھا کیونکہ سر منڈوا کر طلبہ کے ساتھ بیٹھنے میں مجھے شرم آتی تھی۔ لیکن دوسرے دن جب ایک شخص کے بال منڈے گئے تو میں نے اس میں نور جگمگاتے دیکھا پھر دوسرے اور تیسرے کو بھی دیکھا یہی کیفیت ان میں بھی نظر آئی۔ لہذا میں نے بھی ارادہ کر لیا اور مولانا بدرالدین اسحاقؒ سے ذکر کیا۔ انھوں نے حضرت کی خدمت میں عرض کیا۔ ارشاد ہوا کہ خلق کرا لو۔ لہذا میں نے بھی بال منڈوا لیے اور مخلوق ہو گیا۔

## بیعت کے بعد

بیعت ہونے کے بعد حضرت محبوب الہیؒ نے حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ کا کیا حکم ہے تعلیم کو جاری رکھوں یا ترک کر کے ورد و وظائف میں مشغول ہو جاؤں۔ آپ نے فرمایا کہ میں کسی کو تعلیم سے منع نہیں کرتا۔ درویش کے لیے علم بھی ضروری ہے۔ لہذا یہ بھی کرو اور وہ بھی۔ یہاں تک کہ ان دونوں میں سے کوئی ایک غالب آجائے۔

## حضرت بابا فریدؒ سے اکتساب علم

حضرت محبوب الہیؒ کا ارشاد ہے کہ میں نے شیخ کبیرؒ سے عرض کیا کہ میں آپ کی خدمت میں قرآن پاک پڑھنا چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: پڑھا کرو۔ لہذا جمعہ کی نماز کے بعد عصر کے وقت تک کہ وہ فرصت کا وقت ہوتا تھا۔ تھوڑا سا پڑھا کرتا تھا۔ چنانچہ میں نے چھ سیپارے آپ سے پڑھے۔ پہلے ہی دن جب میں نے پڑھنا شروع کیا تو آپ نے

فرمایا: الحمد پڑھو۔ میں نے الحمد پڑھی۔ جب میں ولا المضالین پر پہنچا تو آپ نے خود پڑھ کر بتایا کہ ضاد کو اس طرح پڑھو۔ میں نے بہت چاہا کہ اسی طرح ادا کروں لیکن قاصر رہا اور اس طرح ادا نہ کر سکا۔ پھر فرمایا: سبحان اللہ! شیخ کبیر کی فصاحت و بلاغت۔ اس خوبی سے ادا فرماتے تھے کہ اور کوئی ادا کر ہی نہیں سکتا یہ

حضرت محبوب الہیؒ یہ بھی فرماتے تھے کہ میں نے عوارف کے پانچ باب بھی شیخ کبیر فرید الدین قدس سرہ العزیز سے پڑھے ہیں۔ آپ تصوف کے رموز و نکات کا بیان اس خوبی سے فرماتے تھے کہ ایسا بیان آج تک سنتے ہی میں نہیں آیا۔ ذوق بیان سے سننے والے عالم کیف و سرور میں کھو سے جاتے تھے۔ اور ان کی رو میں عالم قدس کی سیر کے لیے تڑپ اٹھتی تھیں بلکہ

حضرت محبوب الہیؒ نے ابو شکور سالمیؒ کی تمہید المہمدی بھی حضرت بابا فرید گنجشکرؒ سے پڑھی تھی۔ اور اس کا ذکر آپ کے خلافت نامہ میں ہے۔ حضرت محبوب الہیؒ یہ بھی

۱: فوائد العواد جلد ۲ ص ۱۶۳

۲: عوارف کا پورا نام عوارف المعارف ہے اور یہ کتاب شیخ شہاب الدین عمر سہروردیؒ کی تصنیف ہے۔ اور تصوف کے رموز و نکات کے بیان میں بے مثل سمجھی جاتی ہے۔ شیخ کے والد بزرگوار کا نام شیخ محمد تقی اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اولاد پاک نہاد سے تھے۔ شیخ شہاب الدین عمرؒ حضرت شیخ ضیا الدین ابوالنجیب سہروردیؒ کے تربیت یافتہ خلیفہ اور جانشین تھے۔ اور حضرت محبوب سبحانی پیران پیر دستگیر قدس اللہ سرہ العزیز کی صحبت سے فیض یاب تھے۔ اور آپ قطب الاقطاب اور شیخ الشیوخ بغداد تھے۔ آپ ۱۱۲۷ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۲۳۶ھ میں وصال ہوا۔ مزار پر انوار بغداد میں ہے اور زیارت گاہ خلائق ہے (مختصر نثر الاصفیاء جلد ۲ ص ۱۷۱)

۳: فوائد العواد جلد ۲ ص ۱۷۱

۴: سیر الاولیاء ص ۱۱۷ (بقیہ ص ۱۵۶ پر)

فرماتے تھے کہ میں نے شیخ کبیر قدس اللہ سرہ العزیز سے تین کتابیں پڑھی ہیں۔ دو کی قرأت کی ہے اور ایک سننی ہے۔

## دعا

حضرت محبوب الہی فرماتے تھے کہ میں جب شروع میں تعلیم حاصل کرنے میں بہت مشغول تھا اور پڑھنے ہی میں لگا رہتا تھا۔ تو ایک دن شیخ شیوخ العالم نے مجھ سے پوچھا کہ نظام الدین! یہ دعا تمہیں یاد ہے؟

يَا ذَا اِيْمَ الْفَضْلِ عَلَى الْبَيْتِيَّةِ يَا بَاسِطَ الْيَدَيْنِ  
بِالْعَطِيَّةِ يَا صَاحِبَ الْمَوَهِبِ السَّنِيَّةِ يَا دَاقِعَ  
الْبَلَاءِ وَالْبَلِيَّةِ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ الْبُرَّةِ

۱۔ حضرت محبوب الہی کا ارشاد ہے کہ شمس (دبیر) لوائح قاضی حمید الدین بخدمت شیخ کبیر قدس اللہ سرہ العزیز خواندہ بود (فوائد الفواد جلد ۲ ص ۱۲۸) لیکن ایک مترجم نے ترجمہ یہ کیا ہے:

شمس دبیر نے لوائح حمید الدین ناگوری میرے ساتھ شیخ کبیر سے پڑھی تھی (ارشاد محبوب ص ۲۶۹)

اس میں میرے ساتھ الحاق محض ہے اور گمراہ کن ہے حضرت محبوب الہی نے ہرگز یہ نہیں فرمایا، جب بزرگوں کے کلام میں اضافہ کرنے میں اتنے جرمی ہیں تو کب یقین کیا جاسکتا ہے کہ یہ کسی کا صحیح شجرہ نسب نقل کریں گے۔ سیرۃ المحبوب میں ہے کہ تین کتابیں علم تجوید کی پڑھی تھیں۔ مگر یہ بیان بھی بے سرو پا ہے۔

۲۔ سیر الاولیا ص ۱۰۶ چ میں اس طرح ہے: دریکے قاری بودم در سماح و اشتہار۔ یہ بھی ص ۱۱۵  
۳۔ فوائد الفواد جلد ۳ ص ۱۶۳ کی الحاقی سیر الاولیا کا کرشمہ ہے۔



النَّقِيَّةِ وَاعْفِرْ لَنَا بِالْعِشَاءِ وَالْعَشِيَّةِ رَبَّنَا تَوَفَّنَا  
 مُسْلِمِينَ ط وَالْحَقُّنَا بِالصَّالِحِينَ ط وَصَلِّ عَلَى جَمِيعِ  
 الْأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِينَ ط وَ عَلَى مَلَائِكَتِهِ الْمُقَرَّبِينَ ط  
 وَسَلِّمْ ط تَسْلِيمًا كَثِيرًا كَثِيرًا ط بِرَحْمَتِكَ يَا أَرْحَمَ  
 الرَّاحِمِينَ ط

اے ہمیشہ مخلوق پر فضل کرنے والے! اے پھیلے ہوئے ہاتھوں کو بھر لو پر  
 کرنے والے۔ اور اے بزرگ عطیات کے مالک! اے بلا اور مصیبت کو مٹانے  
 والے! محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اور آپ کی نیک اولاد پر رحمت نازل فرما  
 اور ہمیں صبح و شام بخش اور مغفرت عطا فرما۔ اے ہمارے رب! ہمیں مسلمان ہونے  
 کی حالت میں موت عنایت فرما اور ہمیں نیکیوں میں شامل فرما۔ اور تمام انبیاء و  
 مرسلین پر اور مقرب فرشتوں پر رحمت نازل فرما۔ اور اے ارحم الراحمین!  
 اپنی مہربانی سے ان سب کو بکثرت سلامتی عنایت فرما۔  
 میں نے عرض کیا کہ نہیں۔ آپ نے فرمایا: اچھا تو اس دعا کو یاد کر لو اور ہمیشہ پڑھا  
 کرو تاکہ میں تمہیں اپنا خلیفہ و جانشین بنا دوں اپنے

روزہ

حضرت محبوب الہی فرماتے تھے کہ میں شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین قدس  
 اللہ سرہ الغریز کے ہمراہ کشتی میں بیٹھا ہوا تھا اور بھی سب دوست تھے۔ برسات کا  
 موسم تھا۔ دوست ہر دم اٹھتے تھے اور سایہ کرتے تھے۔ یہاں تک کہ

۱۔ سیرت نظامی، ص ۵۵ میں یہ روایت راحت القلوب سے منسوب کر دی ہے۔

قیلو لے کا وقت ہو گیا اور سب دوست سو گئے۔ یہ دعا گو بیٹھا پنکھا جھل رہا تھا شیخ  
شیوخ العالم بیدار ہوئے اور فرمایا: دوست کہاں ہیں؟ میں نے عرض کیا: کہ قیلو لے  
میں ہیں۔ آپ نے فرمایا: اچھا، تو اؤ تم سے کچھ کہوں۔ پھر فرمایا:

”جب تم دلی جاؤ تو مجاہدے میں مشغول رہنا۔ بے کار رہنا بے سود  
ہے، روزہ رکھنا ادھا راستہ ہے اور دوسرے اعمال مثلاً نماز و حج

ادھا راستہ ہے“

حضرت محبوب الہی فرماتے ہیں کہ میں اس کلام کی کیفیت میں ایسا مجو  
ہوا کہ یہ دریافت کرنے کا بھی ہوش نہیں رہا کہ میں کون سا راستہ اختیار کروں۔ بعد میں  
دوستوں سے مشورہ کیا اور ان کے مشورے سے ہمیشہ روزے رکھنے لگا۔ تو چوں کہ شیخ کبیر سے  
دریافت نہیں کیا تھا۔ لہذا کبھی کبھی خلل بھی واقع ہو جاتا ہے یہ

## نانی وجانی

حضرت محبوب الہی فرماتے تھے کہ ایک دن میں اور شیخ شیوخ العالم کے  
چھوٹے صاحبزادے جن کا نام نظام الدین ہی تھا۔ شیخ شیوخ العالم کی خدمت میں حاضر  
تھے۔ آپ نے فرمایا: تم دونوں ہی میرے فرزند ہو۔ پھر ان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: تم تو

۱۔ دوپہر کو سونا، جو رات کو جاگتے اور یاد الہی میں لگے رہتے ہیں۔ وہ گھڑی بھر دوپہر کو آرام کر لیا  
کرتے ہیں تاکہ تازہ دم ہو جائیں۔

۲۔ حضرت محبوب الہی کے اکثر خلفاء دائم الصوم کے پابند تھے بلکہ بعض بتذنی بھی اس کے عامل تھے  
۳۔ سیر الادیان ص ۱۱۲

نانی ہو یعنی روٹی کے یار ہو۔ اور میری طرف اشارہ کر کے فرمایا، تم جانی ہو۔ یعنی تم سے دلی تعلق ہے۔ گویا کہ اولادِ ضلیٰ روٹی ٹکڑے کی یار ہوتی ہے اور معنوی اولاد سے دلی تعلق ہوتا ہے اور وہ ایسی خدمت انجام دیتی ہے کہ جس سے جی خوش ہوتا ہے۔ روح کو مسرت ہوتی ہے اور خدائے تعالیٰ کی خوشنودی نصیب ہوتی ہے اور وہی حقیقی جانشین ہوتی ہے۔

## خلعت و ملبوس خاص

حضرت محبوب الہیؑ فرماتے تھے کہ شیخ کبیرؒ نے مجھے بلایا۔ میں حاضر ہو کر قدم بوس ہوا آپ خوش ہوئے اور دوسرے دن پھر مجھے بلایا اور بہت ہی شفقت فرمائی اور بڑی ہی مہربانی سے پیش آئے اور فرمایا کہ پیر مرید کے لیے مشاطہ کی مثل ہوتا ہے یعنی وہ مرید کو اعمالِ صالح کے زیور سے آراستہ کرتا ہے اس کے بعد آپ نے مجھے خلعت اور ملبوس خاص سے سرفراز فرمایا۔ الحمد للہ رب العلمینؑ

## تعویذ

حضرت محبوب الہیؑ فرماتے تھے کہ ایک دن مولانا بدر الدین اسحاقؒ موجود نہیں تھے جو شیخ کبیرؒ کی طرف سے تعویذ لکھا کرتے تھے۔ مخلوق تعویذ لینے کے لیے آئی ہوتی تھی۔ آپ نے مجھے اشارہ فرمایا کہ تم لکھو۔ میں لکھنے لگا۔ خلعت کا ہجوم ہو گیا۔ مجھے لکھنا بھی بہت پڑا اور ہجوم کی وجہ سے کام میں رکاوٹ بھی ہوئی اسی اثنا میں شیخ شیوح العالمؒ نے میری طرف

۱۔ سیر الاولیاء ص ۱۲۴ پج۔

۲۔ فوائد الفواد جلد ۱ ص ۲۹۔

رُخ کیا اور فرمایا کہ تھک گئے؛ میں نے عرض کیا کہ آپ کو سب روشن ہے۔ یہ سنتے ہی فرمایا: میں نے تمہیں تعویذ لکھنے کی اجازت دی۔ تم مخلوق کو تعویذ لکھ کر دیا کرو یہ

## عصا

حضرت محبوب الہیؒ نے فرمایا کہ جب شیخ کبیرؒ بیمار تھے تو مجھے دوستوں کے ساتھ شہیدوں کے مزارات کی زیارت کے لیے بھیجا۔ جب ہم سب زیارت کے بعد حاضر خدمت ہوئے تو فرمایا کہ تمہاری دعا نے ذرا بھی اثر نہیں کیا۔ مجھ سے جواب بن نہیں پڑا۔ علی بہاریؒ ایک دوست تھے اور وہ بہت دور کھڑے تھے انہوں نے عرض کیا کہ ہم ناقص ہیں اور شیخ کی مبارک ذات کامل ہے۔ ناقصوں کی دعا کالوں کے حق میں کیسے موثر ہو سکتی ہے۔ یہ بات آپ کے گوش مبارک میں نہیں پہنچی لہذا میں نے اسے دہرایا تو آپ نے سنا اور فرمایا: میں نے تمہارے لیے خدا سے چاہا ہے کہ تم جو کچھ خدا سے طلب کرو گے۔ وہ تمہیں ملے گا۔ اس کے بعد اسی دن آپ نے مجھے عصا عنایت فرمایا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ تم اور مولانا بدر الدین اسحاقؒ فلاں خطیرے میں جاؤ اور یاد الہی میں مشغول رہو۔ ہم دونوں وہاں گئے اور رات بھر مشغول رہے۔ جب صبح کو حاضر خدمت ہوتے تو آپ نے فرمایا: خوب تھا یہ

## مناقبین

حضرت محبوب الہیؒ فرماتے تھے کہ جب میں شیخ شیوخ العالمؒ شیخ کبیرؒ کے نیاز مندوں

۱۔ سیر الاولیاء ص ۳۲۵ پرچہ و فوائد الفواد جلد ۴ ص ۲۰۔

۲۔ احاطہ قبرستان

۳۔ فوائد الفواد جلد ۲ ص ۵۹۔ سیر الاولیاء ص ۱۲۳ پرچہ۔

میں داخل ہو گیا۔ تو آپ نے بار بار مجھ سے فرمایا کہ دشمنوں کو راضی رکھنا چاہیے۔ اور اس باب میں بہت اسرار فرمایا یہاں تک کہ میں نے تہیہ کر لیا کہ وہی جا کر مخالفین کو منالوں گا۔

## دل کا رنگ

حضرت محبوب الہی کا ارشاد ہے کہ میں نے شیخ شیوخ العالم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ لوہے کی طرح دل کو بھی رنگ لگ جاتا ہے اور دل کا رنگ موت کی یاد سے اور قرآن پاک کی تلاوت سے چھوٹ جاتا ہے۔

## عمل حل مشکلات

حضرت محبوب الہی کا ارشاد ہے کہ حضرت خواجہ قدس اللہ سرہ العزیز فرماتے تھے کہ جب کسی کو کوئی سخت مشکل درپیش ہو تو اسے چاہیے کہ چاند کی پندرھویں رات کو قبلہ رخ بیٹھ کر انیس ہزار مرتبہ و اللہ المستعان پڑھے اور ہر دفعہ جب ہزار پورے ہو جائیں تو سجدہ کرے اور تین بار آمین کہے پھر اٹھ بیٹھے اور پڑھنے لگے۔ جب انیس ہزار بار پڑھ چکے تو سجدے اور آمین کے بعد خدائے پاک سے اپنی مراد مانگے۔ بلاشک و شبہ اللہ پاک اس کی مشکل کو آسان فرمائے گا اور مراد کو بر لائے گا۔

۱۔ سیر الاولیاء ص ۳۳ -

۲۔ سیر الاولیاء ص ۲۲۳ ج ۲ -

۳۔ سیر الاولیاء ص ۲۲۲ ج ۲ -

## نماز اشراق

حضرت محبوب الہی نے فرمایا ہے کہ شیخ شیوخ العالم فرید الحق والذین قدس القدر سرہ  
العزیز نے مجھے اشراق کی نماز کی چھ رکعتیں اس طرح پڑھنی بتائی ہیں:

(۱) پہلے دو رکعات شکرًا لله یعنی اللہ کا شکر ادا کرنے کے لیے

اس طرح پڑھنی چاہئیں کہ پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ (الحمد) کے بعد اللہ لا

الہ سے خلدون تک اور دوسری رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد امن

الرَسُول سے آخر سورہ تک اور اللہ نور السموات والارض

و اللہ بكل شیء علیم تک پڑھے۔

(۲) پھر دو رکعت نماز استعاذہ (پناہ مانگنا) اس طرح پڑھنی چاہئیں کہ

پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد قل اعوذ برب الفلق اور دوسری رکعت

میں سورہ فاتحہ کے بعد قل اعوذ برب الناس پڑھے۔

(۳) پھر دو رکعات نماز استنثارہ (طلب نیر) اس طرح پڑھنی چاہئیں کہ

پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد قل یا ایہا الکفرون اور دوسری رکعت میں

سورہ فاتحہ کے بعد قل هو اللہ احد پڑھے اور جو دعائیں ان

۱۔ سیر الاولیاء ص ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹

۲۔ دعاء اللہم اعیننی علی ذکرک و شکرک و حسن عبادتک - الحمد

للہ رب العالمین سبحان اللہ و بحمدہ۔

۳۔ اللہم انی اسئلك العفو العافیة والمعافیات فی الدنیا و

الآخرۃ اللہم انما جعلک فی نحورہم و نعوذ بک من شرورہم۔

(بقیہ ص ۹۲ پر)

دوگانوں کے ساتھ پڑھنی چاہئیں وہ پڑھے یہ

## نماز تہجد

حضرت محبوب الہیؑ کا ارشاد ہے کہ شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز نے مجھے تہجد کی نماز کی بارہ رکعتیں بتائی ہیں۔ اور یہ بھی فرمایا کہ دو دو رکعات کر کے پڑھنی چاہئیں۔ اور ہر پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد ایک بار آیتہ کرسی اور تین بار سورہ اخلاص رقل ہو اللہ احد اور دوسری رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد ایک بار اٰمن الرسول اٰخر سورہ تک اور تین بار سورہ اخلاص پڑھنی چاہئے یہ

## شبِ برات

ایک دفعہ شبِ برات کو شیخ شیوخ العالم قدس اللہ سرہ العزیز نے مجھ سے فرمایا کہ

دقیقہ ۶۲) ۵۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْتَخِيْرُكَ بِعَمَلِكَ وَاَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ  
وَاَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ الْعَظِيْمِ فَاِنَّكَ تَقْدِرُ وَلَا اَقْدِرُ وَتَعْلَمُ وَلَا اَعْلَمُ وَاَنْتَ عَلَّامُ  
الْغُيُوْبِ اَللّٰهُمَّ اِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هَذَا لِاَمْرٍ خَيْرٍ لِّيْ فِيْ دِيْنِيْ وَدُنْيَايَ وَ  
عَاقِبَةِ اَمْرِيْ فَاقْدِرْهُ لِيْ وَيَسِّرْهُ لِيْ ثُمَّ بَارِكْ لِيْ فِيْهِ وَاِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ  
اَنَّ هَذَا لِاَمْرٍ شَرٍّ لِّيْ فِيْ دِيْنِيْ وَدُنْيَايَ وَعَاقِبَةِ اَمْرِيْ فَاصْرِفْهُ عَنِّيْ  
وَاصْرِفْنِيْ عِنْدَ اَقْدِرْ لِيْ الْخَيْرَ حَيْثُ كَانَ ثُمَّ اَرْضِنِيْ بِهٖ۔

۱۔ سیر الاولیاء ص ۳۴۸ چ ہر نماز کی دعائیں ہر نماز کے حاشیہ میں لکھ دی ہیں۔

۲۔ سیر الاولیاء ص ۳۸۲ چ۔ نماز تہجد کا افضل وقت رات کا آخری تہائی حصہ ہے۔

آج رات تم ہمیں نماز پڑھنا۔ میں حکم کے مطابق حاضر خدمت ہوا تو فرمایا: تم ہی امامت کرو۔  
لہذا میں نے حکم کی تعمیل کی ہے اور امامت کی۔

## سورۃ فاتحہ

حضرت محبوب الہی فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ شیخ کبیر نے مجھ سے فرمایا کہ تم سب  
دوستوں کے ساتھ مل کر ایک لاکھ بار سورۃ فاتحہ (الحمد) پڑھو۔ میں نے یہ ذکر دوستوں  
سے کیا۔ کسی نے پانچ ہزار کسی نے چار ہزار اور کسی نے کم و بیش پڑھنا اپنے ذمہ لے لیا۔  
میں نے دس ہزار بار پڑھا۔ اور اس طرح ایک ہفتہ یا کم و بیش میں یہ کام ہو گیا معلوم نہیں  
کہ خدا سے تعالیٰ سے کیا درخواست تھی ہے۔

## استقامت

حضرت محبوب الہی فرماتے ہیں کہ ایک دن میں نے دیکھا کہ شیخ نیشوخ العالم  
اپنے حجرے میں چو طرفہ پھر رہے ہیں۔ عمامہ سر سے اتار رکھا ہے۔ اور چہرے کا رنگ بھی  
کبھی کبھی ہے اور کبھی کچھ اور یہ قطعہ بار بار پڑھ رہے ہیں ہے  
خواہم ہمیشہ در وفا سے تو زیم  
خاکے شوم و بزیریا سے تو زیم  
مقصود من خستہ ز کونین توئی  
از بہر تو میرم از براسے تو زیم

۱: فوائد الفواد جلد ۲ ص ۸۸۔ سیر الاولیاء ص ۳۹۵ ج۔

۲: فوائد الفواد جلد ۲ ص ۵۹۔



جب قطعہ پورا ہو جاتا تو آپ سجدہ کرتے اور پھر اسی طرح چو طرفہ پھرتے اور قطعہ پڑھتے اور سجدہ کرتے۔ جب میں نے کئی بار یہی دیکھا تو میں سمجھا کہ یہ خاص کیفیت کا وقت ہے۔ لہذا میں حجرے کے اندر گیا اور شیخ شیوخ العالم کے قدموں میں سر رکھ دیا۔ آپ نے فرمایا: مانگو کیا مانگتے ہو۔ میں نے استقامت طلب کی اور شیخ کبیر نے وہ مجھے عنایت فرمائی۔ اب پشیمان ہوتا ہوں کہ یہ کیوں نہیں چاہا کہ سماع کی حالت میں واصل بحق ہوں۔

## قاش خربوزہ

حضرت محبوب الہی نے فرمایا کہ شیخ شیوخ العالم بیمار تھے اور رمضان المبارک کا مہینہ تھا۔ آپ روزے سے نہیں تھے۔ آپ کی خدمت میں خربوزہ کی پھانکیں پیش کی گئیں۔ میں بھی حاضر خدمت تھا اور اٹھا اٹھا کر آپ کی خدمت میں پیش کر رہا تھا۔ اور آپ تناول فرما رہے تھے۔ آپ نے ایک قاش مجھے بھی عنایت فرمائی۔ میں نے سوچا پھر نبوت کہاں نصیب ہوگی۔ اسے فوراً ہی کھالوں کفارے میں دو مہینے کے روزے رکھ لوں گا۔ جیسے ہی اس نیت سے میں نے شیخ کبیر کے دست مبارک سے قاش لی۔ آپ نے فوراً ہی فرمایا: نہیں، ایسا نہ کرو۔ مجھے تو شرعی رخصت ہے تمہیں ایسا نہیں چاہیے۔

یہ بیماری دراصل مرض الموت کی بیماری تھی۔ اسی بیماری میں حضرت بابا فرید گنج شکر کا وصال ہوا۔ حضرت امیر حسن علاء سنجر نے فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت محبوب الہی سے دریافت کیا کہ آپ شیخ شیوخ العالم کے وصال کے وقت موجود تھے یا نہیں؟ آپ نے چشم پر نم ہو کر فرمایا: نہیں، مجھے شوال ہی کے مہینے میں دلی بھیج دیا تھا۔

۱۔ سیر الاولیاء ص ۱۲۳ چ

۲۔ سیر الاولیاء ص ۳۳۷ چ

۳۔ فوائد الفواد جلد ۲ ص ۵۲

## لعابِ دہن

حضرت محبوب الہیؑ نے فرمایا کہ جمعہ ۲۵ جمادی الآخر ۱۲۷۹ھ بعد نماز جمعہ شیخ شیوخ العالمؒ نے مجھے بلایا۔ اور اپنے دہن مبارک کا لعاب میرے موتھ میں ڈالا۔ اور قرآن مجید حفظ کرنے کی وصیت فرمائی۔ اور فرمایا: نظامِ امیں نے عرض کیا: حاضر ہوں۔ آپ نے فرمایا: تمہیں دین بھی دیا اور دنیا بھی۔ جاؤ! ملک ہند کو سنبھالو۔ نَظْرَةٌ مِنْكَ يَكْفِيَنِي، تمہیں ایک ہی دفعہ کا دیکھنا کافی ہے۔ ۲

## سورۃ یوسف

حضرت محبوب الہیؑ نے فرمایا کہ قرآن پاک کو یاد کرنے کے لیے شیخ شیوخ العالمؒ پہلے سورۃ یوسف کو یاد کرنے کے لیے فرمایا کرتے تھے۔ تاکہ اس کی برکت سے حق تعالیٰ پورے قرآن پاک کو یاد کرنے کی توفیق عنایت فرمائے۔ ۳

## استعا

حضرت محبوب الہیؑ کا ارشاد ہے کہ میں نے پہلی شعبان ۱۲۷۹ھ کو شیخ شیوخ العالمؒ کی خدمت میں استعا کی کہ میں در بدر مارا مارا نہ پھروں۔ آپ نے استعا کو

۱۔ یہ تاریخ اور سن اور یہ دن تقویم کے اعتبار سے بالکل درست ہے (تقویم ہجری و عیسوی ص ۲۲)  
لیکن غلام احمد بریاں نے ترجمہ سیر الاولیاء ص ۱۳۰ میں ۲۵ رمضان المبارک ۱۲۷۹ھ لکھا ہے جو برسر غلط ہے  
۲۔ سیر الاولیاء ص ۱۲۳ چ۔

۳۔ فائدہ القواد جلد ۲ ص ۶۵۔ سیر الاولیاء ص ۲۳۸ چ۔

قبول فرمایا اور فاتحہ خیر سے مدد فرمائی یہ

## خلافت کیا ہے؟

تصوف کی اصطلاح میں شیخ طریقت کی جانشینی کو خلافت کہتے ہیں۔ حضرت محبوب الہیؒ کا ارشاد ہے کہ خلافت کے منصب کا مستحق وہ شخص ہے جس کے دل میں خلافت کی تمنا نہ ہو۔<sup>۱</sup>

## خلافت کی قسمیں

حضرت محبوب الہیؒ نے فرمایا ہے کہ میں نے اپنے خواجہ شیخ شیوخ العالم سے سنا ہے کہ خلافت کی تین قسمیں ہیں اور وہ یہ ہیں:<sup>۲</sup>

① شیخ کو کسی مرید کے لیے خدا کی طرف سے الہام ہو یعنی خدا سے تعالیٰ بلا واسطہ شیخ کے دل میں یہ ڈال دے کہ فلاں شخص کو خلافت دے دی جائے۔ اسے رجحانی خلافت کہتے ہیں۔ اور یہ محکم اور سب سے بہتر ہوتی ہے اور اس میں بہت ہی خیر و برکت ہے۔

② مرید کے متعلق شیخ خوب سوچ بچار سے کام لے اور اپنے صواب دید سے خلافت عنایت فرمائے لیکن چونکہ ذاتی غور و فکر میں لغزش ہو سکتی ہے۔ اس لیے یہ خلافت دوسرے درجے کی ہے۔

۱: سیر الاولیاء ص ۱۲۳ چ۔

۲: سیر الاولیاء ص ۳۲۵ چ۔

۳: سیر الاولیاء ص ۳۲۵ چ۔

۳) کسی کی کوشش اور سفارش سے شیخ کسی مُرید کو خلافت عنایت فرمائے  
مگر اس صورت میں وہ شیخ کے منصب کا جائز سہی دار نہیں ہوگا۔

## خلافت ملنا

حضرت محبوب الہیؒ نے فرمایا: جن ایام میں میرے خواجہؒ نے مجھے خلافت کی عزت  
بخشتی۔ ایک دن مجھ سے فرمایا کہ خداوند عالم نے تمہیں علم و عقل اور عشق کی دولت سے  
مالا مال فرمایا ہے اور جس میں یہ تینوں خوبیاں ہوں اس کے لیے مشائخ (رحمہم اللہ تعالیٰ)  
کی خلافت نہایت موزوں بلکہ افضل ہے۔ پھر جب میں دلی سے تیسری دفعہ شیخ شیوخ العالم  
کی خدمت میں حاضر ہوا تو رمضان المبارک ۱۲۷۹ھ کی تیرہ تاریخ تھی۔ شیخ شیوخ العالم

۱۔ سیر الاولیاء ص ۳۲۵ ج ۱۔

۲۔ حضرت محبوب الہیؒ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ سہ کثرت بخدمت شیخ الاسلام فرید الحق والشرع و  
والدین قدس اللہ سرہ العزیز رفتہ ام ہر سال ایک بار بعد ازاں کہ نقل فرمود ہفت بار دیگر رفتہ شدہ  
است یاشش بار (فوائد الفواد جلد ۲ ص ۴۲) لہذا جب حضرت محبوب الہیؒ حضرت بابا فرید گنج شکر  
کی حیات میں صرف تین بار حاضر خدمت ہوئے۔ اور تیسری بار کی حاضر میں خلافت ملی اور جمعہ ۲۵  
ربیع الآخر ۱۲۷۹ھ کو آپ حاضر خدمت تھے۔ اور ان ہی ایام میں حضرت بابا فرید مرض الموت میں  
بتلا تھے تو یہی تیسری بار کی حاضر ہے۔ اسی میں خلافت ملنا قرین قیاس ہے۔ اور اسی اعتبار سے  
۶۶۵ھ کو بیعت ہونے کا سن قرار دیا جائے گا۔ مگر بعض نے ۶۵۶ھ بعض نے ۶۵۹ھ بعض نے ۶۷۱ھ اور بعض نے  
۶۷۳ھ اور بعض نے سن لکھا ہی نہیں بلکہ صرف ۱۳ رمضان لکھ دیا ہے ظاہر ہے کہ یہ جو کچھ لکھا ہے  
تحقیق سے نہیں لکھا بلکہ اختلاف سنین کی بنا پر جو کچھ مناسب سمجھا لکھ دیا ہے۔

۳۔ ۱۳ رمضان ۶۶۹ھ کو بروئے تقویم ہفتہ ہے اور خلافت نامہ میں بدھ (بقیہ ص ۶۹ پر)

نے مجھے بلایا اور فرمایا: نظام آباد ہے جو میں نے کہا تھا۔ عرض کیا: جی ہاں، آپ نے فرمایا کاغذ لاؤ۔ اجازت نامہ لکھا جاتے۔ کاغذ لایا گیا اور حضرت مولانا بدر الدین اسحاق نے آپ کے حکم سے خلافت نامہ لکھ کر تیار کیا اور مجھے عنایت فرمایا۔

حضرت محبوب الہیؒ یہ بھی فرماتے ہیں کہ شیخ شیلوخ العالم شیخ بکیر نے جس دن مجھے اپنی خلافت سے سرفراز فرمایا۔ تو میری طرف رخ کیا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں دونوں جہاں کی نیکیوں سے مالا مال فرماتے اور نفع دینے والا علم اور پسندیدہ عمل عنایت فرمائے۔ اور یہ بھی فرمایا: خدا کرے کہ تم سایہ دار درخت بنو اور تمہارے سائے میں مخلوق آرام پائے۔ آمین)

## خلافت نامہ

حضرت محبوب الہیؒ کو حضرت بابا فرید گنج شکرؒ نے جو خلافت نامہ عنایت فرمایا تھا۔ وہ عربی زبان میں ہے۔ اس کے بعض اجزا کا ترجمہ تبرکاً شامل کیا جاتا ہے اور وہ یہ ہے:

(بقیہ صفحہ ۶۸) کا دن لکھا ہے لہذا یہ خلافت نامہ کئی دن بعد تیار ہوا ہے یا کاتب نے سہواً تاریخ غلط لکھ دی ہے اور یہ قرین قیاس ہے ممکن ہے کہ وہم ہو۔  
صفحہ ۵۶، ۵۷ پر ذکر آپ کا ہے کہ حضرت بابا فرید گنج شکرؒ نے یہ دعا کہ یاد اللہ الفضل الخ یاد کرنے اور پڑھتے رہنے کے لیے فرمایا تھا اور یہ بھی فرمایا تھا کہ اگر ایسا کرو گے تو میں تمہیں اپنا خلیفہ اور جانشین بنا دوں گا۔ یہ سوال اسی دعا کے متعلق تھا۔

۵۲: سیر الاولیاء ص ۱۱۶

۵۳: سیر الاولیاء ص ۱۱۶

## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حمد و ثنا اللہ ہی کی ذات کو زیبا ہے۔ وہی اول ہے۔ وہی آخر ہے۔ وہی ظاہر ہے، وہی پوشیدہ ہے۔ جسے اللہ پاک عزت دیتا ہے اسے کوئی ذلت نہیں دے سکتا۔ اور جسے وہ ذلت دیتا ہے اسے کوئی عزت نہیں دے سکتا۔ اور اللہ پاک کے برگزیدہ رسول صلعم پر اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہو۔ جن کا برگزیدہ نام محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ اور ان کی اولاد پر اور ان کے دوستوں پر بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہو۔ بلاشبہ علم اصول میں سب کتابوں سے بہتر ابوشکور سالمی کی کتاب تمہید المہتدی ہے۔ اور یقیناً علم اصول کے آغاز سے حاضرین کی دعائیں قبول ہوتی ہیں اور پڑھنے والے کو قلبی روشنی نصیب ہوتی ہے۔ اور تحقیق فرزند رشید برگزیدہ امام و عالم اور ائمہ و اتقیا اور بزرگ ترین علماء کے فخر نظام الملۃ والدین محمد بن احمد اللہ پاک اپنی رضا سے انھیں مالا مال فرماتے اور بلند ترین مدارج پر سرفراز فرماتے۔ بڑی تحقیق و تفحص سے یہ کتاب انھوں نے مجھ سے پڑھی اور میں نے انھیں تحریف و تصحیف کی غلطیوں سے محتاط رہ کر اس کے پڑھانے کی اجازت دی ہے۔ بلکہ ان تمام چیزوں کی روایت کرنے کی اجازت دی ہے۔ جو انھوں نے مجھ سے حاصل کی ہیں۔ اور میں نے انھیں اس حدیث شریف کے مطابق کہ دنیا میں مسافر اور راہ گیر کی طرح رہو۔ اور اپنے کو اہل قبور سے شمار کرو۔ ایسی مسجد میں گوشہ نشینی اور خلوت گزینی کی ہدایت کی ہے جس میں جماعت ہوتی ہو۔ اور جب نظام الملۃ والدین خلوت کی نعمت سے بہرہ ور ہوں گے تو حکمت و دانائی کے سرچشمے پھوٹ نکلیں گے لہذا جو شخص ان کی خدمت میں پہنچے گا۔ وہ کامل نعمت سے بہرہ ور ہوگا۔ اور اس عزیز کا

ہاتھ ہمارے ہاتھ کا نائب ہے اور وہ ہمارے خلفا میں سے ایک ہیں۔ اور  
دینی و دنیوی کاموں میں ان کا حکم ماننا ہماری تعظیم کے مصداق ہے۔ اور جو ان  
کی تعظیم کرے اللہ پاک اس پر رحم فرماتے۔

یہ اجازت نامہ رمضان المبارک کے مہینے میں بدھ کے دن لکھا گیا اور  
شیخ شیوخ العالم کے حضور میں اسحاق بن علی بن اسحاق دہلوی نے لکھا۔ اور  
اللہ کی مدد و توفیق سے یہ اجازت نامہ فقیر مسعود کی طرف سے مکمل ہوا۔ اور  
اللہ بہتر جانتا ہے۔

## اجودہن سے دلی آنا

حضرت بابا فرید گنج شکر نے رمضان المبارک میں حضرت محبوب الہیؒ کو خلافت  
عطا فرمائی اور شوال کے مہینے میں آپ کو دلی بھیج دیا۔ اور آپ شیخ کبیر کے حکم سے دلی چلے  
آئے۔ حضرت بابا فرید گنج شکر ان ایام میں سخت علیل تھے۔ یہاں تک کہ اسی بیماری میں  
آپ نے وصال فرمایا لیکن اس بیماری میں بھی آپ حضرت محبوب الہیؒ کو یاد فرماتے رہتے  
تھے۔ چنانچہ حضرت محبوب الہیؒ کا ارشاد ہے کہ وصال کے وقت بھی شیخ شیوخ العالم نے  
مجھے یاد فرمایا۔ اور فرمایا کہ فلان تو دلی میں ہے۔ ہاں میں بھی شیخ قطب الدین بختیار کاکی  
قدس اللہ سرہ العزیز کے وصال کے وقت موجود نہ تھا۔ بلکہ ہانسی میں تھا۔

۱۔ سیر اللادبیار ص ۱۱ تا ۱۹ اچ

۲۔ مراد ماہ شوال بدلی فرستادہ بود فوائد الفواد جلد ۲ ص ۵۳۔

۳۔ فوائد الفواد جلد ۲ ص ۵۳۔

## خواجہ سید محمد کرمانی

آپ بھی حضرت بابا فرید گنج شکر کے مرید و خلیفہ تھے اور شیخ کبیر کی خدمت میں رہتے تھے۔ جب حضرت محبوب الہی اجوہن (پاک پٹن) میں حضرت بابا فرید کی خدمت میں تھے تو ان دونوں بزرگوں میں بہم دوستی اور محبت ہو گئی تھی اور جب حضرت بابا فرید گنج شکر کو ان دونوں بزرگوں کی دوستی اور محبت کا علم ہوا۔ تو آپ نے فرمایا، تم دونوں ساتھ ہی رہا کرو۔ تم دونوں مونہ بولے بھاتی ہو گئے ہو۔ چنانچہ حضرت خواجہ سید محمد کرمانی اپنے پیر و مرشد کے ارشاد کی تعمیل میں دلی چلے آئے۔ اور حضرت محبوب الہی کے ساتھ رہنے سہنے لگے۔ لہذا جب خلافت منے کے بعد حضرت محبوب الہی دلی تشریف لائے اور سید محترم کو حضرت بابا فرید گنج شکر کی علالت کا علم ہوا تو وہ دلی سے حضرت بابا فرید گنج شکر کی خدمت میں اجوہن (پاک پٹن) چلے گئے۔ تاکہ پیر و مرشد کی خدمت سے سعادت حاصل کریں۔

## سید محترم کا اجوہن پہنچنا

جب سید محترم اجوہن پہنچے اور حضرت بابا فرید گنج شکر کے در و دولت پر حاضر

۱۔ مونہ بولنا یا مونہ بولنا بھاتی کہنے سے باہمی ازداد محبت کا اظہار مقصود ہوتا ہے۔ وہ تعلق مراد نہیں ہوتا جس میں ورثے کا حق قائم ہو کر رہتا ہے جس کی شریعت میں ممانعت ہے لہذا جو زبان اور شریعت کی اصطلاح میں امتیاز نہیں کرتا وہ زبان دانی کے فن سے نا آشنا اور جہل میں مبتلا ہے۔

۲۔ سیر الاولیاء ص ۲۰۹ چ۔

۳۔ سیر الاولیاء ص ۲۱۰ چ سید محمد کرمانی نے ۱۱۷۰ھ میں وصال پایا۔ بیوٹہ یاران پر مزار پر آباد ہے۔



ہوئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ فرزندِ نانی حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کے حجرے کے دروازے کے پاس بیٹھے ہیں اور جانشینی و سجادگی کے بارے میں مشورے کر رہے ہیں۔ اور حضرت بابا فرید گنج شکرؒ حجرے میں پلنگ پر لیٹے ہوئے ہیں۔ سید محترم نے حاضرین سے سلام و کلام کے بعد جب شیخ کبیرؒ کی پائے بوسی کے لیے حجرے میں جانا چاہا تو فرزندِ نانی نے روکا، اور کہا کہ ملاقات کا موقع نہیں ہے۔ لیکن سید محترم کو پائے بوسی کا بے حد اشتیاق تھا۔ اس لیے آپ نے کسی کی نہ مانی اور حجرے کا دروازہ کھول کر اندر چلے گئے اور شیخ شیوخ العالمؒ کے قدموں میں سر رکھ دیا۔ شیخ کبیرؒ نے آنکھیں کھولیں اور دریافت کیا سید کیسے ہو اور کب آتے ہو؟ سید محترم نے عرض کیا کہ ابھی حاضر ہوا ہوں، پھر دلی کے مشائخ و علماء کے سلام و پیام عرض کیے اور حضرت بابا فرید گنج شکرؒ بھی خوشی خوشی یہ سب باتیں سنتے رہے۔ اس گفتگو کے بعد جب حضرت محبوب الہی کا ذکر چھیڑا تو حضرت بابا فرید گنج شکرؒ نے خود ہی دریافت فرمایا کہ مولانا نظام الدین کیسے ہیں، اچھے ہیں خوش ہیں؟ سید محترم نے عرض کیا کہ وہ شب و روز مخدوم کے لیے دعائے خیر میں مشغول ہیں۔ اور مخدوم کی محبت سے ان کا دل معمور ہے۔ اور سلام و نیاز عرض کرتے ہیں اور پائے بوسی کے متمنی ہیں۔

## تبرکات

حضرت بابا فرید گنج شکرؒ نے سید محترم سے گفتگو کے دوران میں حضرت محبوب الہیؒ کے متعلق بڑی شفقت و محبت کا اظہار فرمایا اور جامہ و مصلیٰ اور عصا عنایت کر کے یہ فرمایا کہ یہ انھیں دے دینا۔ لیکن جیسے ہی یہ بات شیخ کبیرؒ کے صاحبزادوں نے سنی تو بہت برہم ہوئے اور سید محترم سے لڑنے مرنے کو تیار ہو گئے اور کہا کہ تم نے یہ کیا غضب کیا، ہمارا

حق دوسرے کو دلا دیا۔ سید محترم نے بڑے تحمل سے کام لیا اور بڑی نرمی سے سمجھایا اور فرمایا: میری اس میں کیا خطا ہے۔ میں نے تو کچھ خصوصیت سے ذکر بھی نہیں کیا تھا۔ دلی کے مشائخ و علما کے سلام و پیام عرض کیے تھے دوران گفتگو میں مولانا نظام الدین کا ذکر بھی آیا۔ اور شیخ کبیر نے ان کے باب میں جو کچھ فرمایا خود ہی فرمایا اس میں میری سعی و کوشش کو دخل نہیں اور حق یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے کسی کو کچھ دلانا چاہتا ہے تو میری یا کسی کی کیا مجال ہے کہ مزاحم ہو یا روک سکے۔ اس کے بعد سید محترم نے وہ جامہ وصلی اور عصار مولانا بدر الدین اسحاق کے سپرد فرمادیا تاکہ بطور امانت محفوظ رہے۔

## زیارت و حصول تبرکات

جب حضرت محبوب الہی کو حضرت بابا فرید گنج شکر کے وصال کی افسوسناک خبر پہنچی تو آپ کو بہت صدمہ ہوا۔ اور آپ بطور تعزیت و زیارت فوراً ہی اہودہن (پاکپٹن) تشریف لے گئے۔ تعزیت فرمائی اور حضرت بابا فرید گنج شکر کے مزار پراٹوار کی زیارت کی سعادت حاصل کی بعد ازاں حضرت مولانا بدر الدین اسحاق نے وہ امانتیں

۱۔ سیر الاولیاء ص ۱۲۴ چ

۲۔ مولانا بدر الدین اسحاق بن علی بن اسحاق دلی کے رہنے والے تھے اور دلی ہی میں آپ نے تعلیم و تربیت حاصل کی تھی۔ علمی تبحر میں کمال حاصل تھا اور بلند پایہ علما میں شمار کیے جاتے تھے۔ علم و فضل کے علاوہ نہایت درجہ عابد و زاہد بھی تھے۔ ان کمالات کے باوجود کچھ علمی اشکال ایسے درپیش تھے کہ علماء دلی سے بھی حل نہ ہو سکے لہذا علماء بنجارا سے حل کرانے کی نیت سے بنجارا کو روانہ ہوئے۔ دوران سفر اہودہن پہنچے تو حضرت بابا فرید گنج شکر سے بھی نیاز حاصل کیا۔ اور یہ دیکھا کہ (بقیہ ص ۱۵ پر)

یعنی حضرت بابا فرید گنج شکر کے عنایت کیے ہوئے برکات، جامہ و مصلیٰ اور عصا حضرت محبوب الہیؒ کو سونپ دیئے اور یہ بھی فرمایا کہ تمھاری عدم موجودگی میں سید محترم نے محبت کا حق واجبی طور پر ادا کیا۔ حضرت محبوب الہیؒ نے یہ سنتے ہی اظہار شکر فرمایا، اور سید محترم سے گلے ملے اور ان دونوں بزرگوں میں محبت کا رشتہ اور بھی مضبوط تر ہو گیا۔

## سفر اجودہن

حضرت محبوب الہیؒ شیخ شیوخ العالم کی حیات طیبہ میں تین بار اجودہن (پاکپٹن) گئے۔ پہلی بار آپ بیعت ہوئے پھر ہر سال میں ایک بار گئے گویا کہ پورا سال دلی میں نہیں گزارا اور اجودہن (پاکپٹن) چلے گئے۔ اور کئی کئی مہینے شیخ شیوخ العالم کی خدمت میں رہے اور مدارج روحانیت طے فرماتے یہاں تک کہ تیسری بار آپ کو خلعت خلافت سے سرفراز فرما دیا گیا۔ عطاء خلافت کے بعد شیخ کبیرؒ نے آپ کو سوال کے مہینے میں

(بقیہ صفحہ ۷۲) حضرت نے دوران گفتگو میں ان اشکال کو بھی حل فرما دیا ہے۔ مولانا بدر الدین اسحاق حیران رہ گئے اور بخارا جانے کا ارادہ ترک کر دیا۔ اور حضرت بابا فرید گنج شکرؒ ہی کی خدمت میں رہنے لگے۔ آپ ہی سے بیعت ہو گئے۔ اور منصب خلافت کی عزت حاصل کی۔ حضرت بابا فرید گنج شکر نے بھی آپ کی قدر دانی فرمائی۔ اور اپنی چھوٹی صاحبزادی بی بی فاطمہ کانسکاج آپ سے کر دیا مدت العمر حضرت بابا فرید گنج شکرؒ ہی کی خدمت میں رہے۔ اجودہن (پاکپٹن) کی جامع مسجد میں مزار پر انوار ہے ۶۹۰ھ  
۶۱۲۹۱

سال وفات بتایا جاتا ہے جو مشکوک ہے۔

۱۔ سیر الاولیاء ص ۱۲۲ چ

۲۔ سیر الاولیاء ص ۱۱۶ چ

۳۔ فوائد الفواد جلد ۲ ص ۲۲۰

دلی بھیج دیا۔ اور کوئی دوسرا دو مہینے کے بعد شیخ شیوخ العالم نے وصال فرمایا۔ وصال کے بعد بھی حضرت محبوب الہیؒ کئی بار ابو دہن تشریف لے گئے۔ چنانچہ حضرت محبوب الہیؒ کا ارشاد ہے :

وصال کے بعد سات بار یا پچھ بار اور جانا ہوا لیکن زیادہ تر گمان یہی ہے کہ سات ہی بار جانا ہوا ہے۔ میرے دل میں یہی ہے کہ حیات و ممات میں کل دس بار جانا ہوا ہے۔

حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کے وصال کے بعد آپ جو ابو دہن (پاکپٹن) تشریف لے گئے۔ اس کے متعلق ہمارے علم میں صرف اس قدر ہے :

① حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کے وصال کے بعد تعزیت اور زیارت مزار پڑ الوار کی غرض سے تشریف لے گئے اور شیخ شیوخ العالم شیخ کبیرؒ کے عطا کردہ برکات کی نعمت سے سرفراز ہوئے۔

② مولانا بدر الدین اسحاق کے وصال کے بعد آپ نے ان کے صاحبزادوں کو اور اہلیہ کو جو شیخ شیوخ العالم کی چھوٹی صاحبزادی تھیں دلی بلا لیا تھا۔ لیکن بعض خولیش و بیگانہ نے یہ ارٹائی کہ آپ محترمہ سے نکاح کرنا چاہتے ہیں، حالانکہ یہ بات آپ کے شایان شان بھی نہیں تھی۔ لہذا جب آپ کو اس کا علم ہوا تو آپ اسی دن دلی سے ابو دہن تشریف لے گئے۔ اور محترمہ کے انتقال کے تیسرے دن دلی تشریف لائے۔

۱۔ فوائد الفواد جلد ۲ ص ۲۲

۲۔ سیر الاولیا ص ۱۲۲

۳۔ سیر الاولیا ص ۱۹۲

③ سلطان جلال الدین خلجی (۶۸۹ھ تا ۶۹۵ھ) نے آپ سے ملاقات کی اجازت چاہی تھی۔ مگر آپ نے منظور نہیں فرمایا تھا۔ پھر اس نے تھنہ طور سے حاضر ہونا چاہا۔ اور یہ راز آپ کو معلوم ہو گیا۔ لہذا اس راز سے آگاہ ہوتے ہی آپ ابودہن (پاکپٹن) تشریف لے گئے۔ اور ملاقات کا موقع نہیں دیا۔

④ حضرت محبوب الہیؒ کا ارشاد ہے کہ شیخ شیوخ العالم قدس اللہ سرہ العزیز کے وصال کے بعد حج بیت اللہ کے شوق کا جذبہ بے حد غالب ہوا۔ میں نے کہا کہ پہلے شیخ کبیرؒ کی زیارت کے لیے ابودہن (پاکپٹن) جاؤں پھر بیت اللہ کی زیارت کو جاؤں گا۔ لہذا میں ابودہن (پاکپٹن) گیا۔ جب میں وہاں گیا تو میرا مقصد حاصل ہو گیا۔ بلکہ کچھ زیادہ ہی حاصل ہو گیا۔

⑤ دوبارہ پھر ایسا ہی ہوا کہ حج بیت اللہ کے شوق کا جذبہ بے حد غالب ہوا تو میں پھر شیخ کبیرؒ کی زیارت کر گیا۔ پھر بھی وہیں میرا مقصد پورا ہو گیا۔ یہ تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ کیا ہر تھا اور کیا مقصد تھا، جو حضرت محبوب الہیؒ کو کرامت ہوا البتہ دو روایتیں ہمارے علم میں ہیں۔ جن سے گمان ہوتا ہے کہ شاید آپ کا مدعا یہی ہو جس کا ذکر امیر خورڈ نے کیا ہے اور وہ یہ ہے:

① امیر خورڈ کرمانیؒ لکھتے ہیں:

”ایک عزیز بیان کرتے تھے کہ ایک دفعہ میں اپنے وطن سے حضرت

۱: شیرالاولیا ص ۱۳۵ چ

۲: فوائد الفواد جلد ۲ ص ۱۵۵

۳: فوائد الفواد جلد ۲ ص ۱۵۵

محبوب الہی کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے چلا۔ قصبہ بوندی میں پہنچا تو خیال آیا کہ یہاں بھی ایک کامل درویش شیخ موہن رہتے ہیں۔ ان سے بھی نیاز حاصل کرنا چلوں۔ لہذا ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انھوں نے دریافت کیا کہ کہاں کا ارادہ ہے۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت محبوب الہی کی خدمت میں حاضری کا ارادہ ہے۔ انھوں نے کہا: اچھا، تو میرا سلام بھی کہنا کہ میں وہی شیخ موہن ہوں جو ہر شب جمعہ کو بیت اللہ میں آپ سے نیاز حاصل کرتا ہوں۔ وہ فرماتے ہیں کہ جب میں نے حضرت محبوب الہی کو یہ پیام پہنچایا تو آپ مکر سے ہوئے اور فرمایا کہ بے شک درویش تو اچھا ہے۔ مگر زبان کو قابو میں نہیں رکھتا۔

امیر خوردرمانیؒ یہ بھی لکھتے ہیں:

شیخ نجم الدین اصفہانیؒ کامل درویشوں میں تھے۔ ایک دن مکہ معظمہ

۱: سیر الاولیاء ۱۲۶-۱۲۵-

۲: آپ کا نام عبد اللہ تھا اور نجم الدین اصفہانی کے لقب سے یاد کیے جاتے تھے اور اصفہان کے رہنے والے تھے۔ والد بزرگوار کا نام احمد اور دادا بزرگوار کا نام محمد تھا۔ ابو العباس مرہی کے مرید و شاگرد تھے۔ نو عمری ہی میں مکہ معظمہ آ گئے تھے۔ ساٹھ سال تک خانہ کعبہ کے پڑوس میں رہے ایک بلند مکان پر بیٹھے خانہ کعبہ کو دیکھتے رہتے تھے۔ سوک و روحانیت میں مقامات بلند اور مدارج ارجحند رکھتے تھے۔ اور صاحب کشف و کرامات بزرگ تھے۔ شادی بھی نہیں کی تھی۔ اور عورتوں کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا بھی نہیں کھاتے تھے ایک شخص نے جس کا نام محمد تھا مدینہ منورہ جاتے ہوئے یہ خیال کیا کہ اتنی مدت سے یہ مکہ معظمہ میں رہتے ہیں ایک بار بھی مدینہ منورہ نہیں گئے۔ اس خیال کے آتے ہی جو سراپر اٹھایا تو کیا دیکھتا ہے کہ مولانا نجم الدینؒ ہوا میں اڑے چلے جا رہے ہیں اور انھوں نے یہ بھی کہا کہ محمد تم (بقیہ ص ۷۹ پر)

کے مجاروں نے اُن سے دریافت کیا کہ اس میں کیا حکمت ہے کہ حضرت  
محبوب الہیؑ ایک عالم کے مقتدا ہیں۔ لیکن بیت اللہ کی زیارت کو نہیں آتے۔  
شیخ نجم الدین اصفہانیؒ نے جواب دیا کہ وہ تو اکثر فجر کی نماز ہمارے ہی ساتھ  
بیت اللہ میں پڑھتے ہیں یہ

لہذا یہ سمجھنا بے جا نہ ہوگا کہ گویا حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کی زیارت کی برکت سے  
مادیت کا پر وہ اُٹھ گیا تھا۔ اور آپ کو شب جمعہ اور اکثر نماز فجر بیت اللہ میں ادا کرنے کی  
سعادت نصیب ہونے لگی تھی۔ اور جب یہ ہے تو حج بیت اللہ کی سعادت سے محروم  
رہنے کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی بلکہ یقیناً ہر سال آپ کو یہ سعادت نصیب ہوتی ہوگی۔ و  
اللہ اعلم۔

## قیام گاہیں

حضرت محبوب الہیؑ سولہ سال کی عمر میں بدایوں سے دلی تشریف لے آئے تھے اور  
آنہر دم تک آپ دلی ہی میں رہے۔ مگر شہر کی گنجان آبادی میں نہیں بلکہ شہر کے نزدیکی محلوں  
میں رہے۔ وہاں بھی آپ کا دل نہیں لگتا تھا۔ اور آپ کسی گم نام جگہ رہنا چاہتے تھے۔  
بہر حال آپ عرصے تک قدیم دلی کے نزدیکی محلوں میں رہے۔ اور سات مختلف  
مکانات میں رہے۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ جب بدایوں سے دلی آئے تو سرائے میاں بازار<sup>۲</sup>

۱: بقیہ صفحہ ۷۸، کیا سوچتے ہو۔ میں تو ہر روز مدینہ منورہ کی زیارت کیا کرتا ہوں۔ ۱۳۲۰ھ میں وصال ہوا۔

۲: سیر الاولیاء ص ۱۲۳ پج

۳: سرائے میاں بازار اور سرائے نمک کا نام ہی نام رہ گیا ہے۔ مقام کا کسی کو بھی پتہ نہیں۔  
بارگاہ تو اس کا تو کہنا ہی کیا۔

میں آئے۔ جسے سرائے نمک بھی کہتے تھے۔ والدہ محترمہ اور ہمیشہ عزیزہ کو تو سرائے ہی کے ایک مکان میں ٹھہرایا اور خود بارگاہِ قواس میں ٹھہرنے۔ اسی محلے میں امیر خسرو بھی رہا کرتے تھے۔ اور یہ مکان شیخ نجیب الدین متوکل کے پڑوس میں تھا۔ آپ خاصے دنوں اس مکان میں رہتے تھے۔

پھر جب رات عرض گئے کے لڑکے اپنی جاگیروں پر چلے گئے۔ اور ان کی حویلی خالی ہوئی، تو حضرت امیر خسرو کی کوشش سے یہ حویلی آپ کو مل گئی۔ اور آپ کوئی دو سال اس حویلی میں رہے۔ یہ تین منزلہ عمارت تھی پہلی منزل میں حضرت سید محمد کرمانی بان پوں سمیت رہتے تھے۔ درمیانی منزل میں حضرت محبوب الہی رہتے تھے اور بالائی منزل میں دوست و احباب قیام فرماتے تھے۔ یہ حویلی مندرہ پل دروازے کے نزدیک تھی۔ اور

۱۰۵: سیر الاولیا ص ۱۰۵: امیر خسرو جیسے نامی گرامی شخص کی حویلی کا بھی کچھ پتہ نشان نہیں قدیم دہلی کی آبادی کی جگہ سنان ہو گا مکان ہے کہیں کہیں جو چھوٹے چھوٹے دیہات تھے وہ اب نوآبادیات کی بمینٹ ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ ۱۰۶

مٹے نامیوں کے نشان کیسے کیسے

۱۰۷: سیر الاولیا ص ۱۰۷: ۱۰۸

۱۰۸: غالباً اسی مکان میں حضرت محبوب الہی کی والدہ محترمہ کا انتقال ہوا تھا۔

۱۰۹: سیر الاولیا ص ۱۰۹: ایک صاحب نے امیر خسرو کے بیان کو بدل کر اس طرح لکھا ہے:

”اوپر کے درجے میں سید محمد کرمانی ٹھہرے درمیانی میں حضرت سلطان

المشاخ اور دوسرے کمرے میں۔ جو لوگ اجود من سے آتے تھے۔ وہ لوگ اس

بند عمارت کی چھت پر ٹھہرے۔ (تاریخ نظامی ص ۱۵۰۔ پہلا ایڈیشن)

۱۱۰: مندرہ پل دروازے کا اب نشان بھی نہیں۔ البتہ شیخ نجیب الدین متوکل کا اور (بقیہ ص ۱۱۰ پر)



قدیم دہلی جو موجودہ قصبہ مہرولی سے شمال مشرق میں آباد تھی اس کے قلعہ کا ایک گنبد بھی اس حویلی کی عمارت میں شامل تھا۔ جو بے رات عرض کے لڑکے اپنی جاگیروں سے واپس آ گئے۔ تو انھوں نے آتے ہی مکان خالی کر لیا اور اتنی بھی مہلت نہ دی کہ کوئی دوسرا مکان تلاش کر لیا جاتا۔ لہذا وقتی طور پر آپ چھپرہ دار کی مسجد میں چلے گئے جو سراج بقال کی دکان کے سامنے تھی۔ ایک رات آپ نے اس مسجد میں قیام فرمایا اور سید محمد کرمانیؒ نے بال بچوں سمیت چھپرہ دار کی دہلیز میں رات بسر کی لیکن اسی رات عرض کی حویلی کو آگ لگ گئی اور وہ جل کر خاک ہو گئی۔

دوسرے دن شیخ صدر الدینؒ کے مرید سعد کاغذیؒ کو خیر ملی۔ وہ بہت خوش عقیدہ آدمی تھے، آتے اور حضرت کو اپنے ہاں لے گئے۔ اور اپنے بالا خانے میں ٹھہرایا اور حضرت سید محمد کرمانیؒ کے لیے الگ مکان کا انتظام کر دیا۔ غرض کہ آپ ایک مہینے تک سعد کاغذی کے ہاں رہے۔

اس کے بعد حضرت محبوب الہیؒ سرائے رکاب دار کے ایک مکان میں چلے گئے جو پل قیصر کے پاس تھی، اسی سرائے کے ایک حجرے میں حضرت سید محمد کرمانیؒ بال بچوں سمیت مقیم ہوئے اور خاصے دنوں یہاں رہے۔

(بقیہ صفحہ ۸۰) خواجہ محمد امامؒ کی والدہ بی بی فاطمہ کا مزار بیرونی مندرہ پل دروازہ بتایا ہے (سیرالاولیاء ص ۱۹۲) اور وہ موجود ہیں۔ اب اس جگہ کا نام موضع اڑپنی مشہور ہے اور مہرولی سے جانب جنوب مہرولی روڈ پر ہے۔

۲۔ کچھ چھپرہ دار کا نام ہی نام رہ گیا ہے۔ نشان کچھ بھی نہیں۔

۳۔ حضرت محبوب الہیؒ کی رکت سے سعد کاغذی کا نام بھی زندہ ہے ورنہ

کڑھتیش بروئے زمین ایک نشان نماںد (بقیہ صفحہ ۸۱ پر)

اس کے بعد حضرت محبوب الہیؑ شادی گلابی گٹے کے مکان میں چلے گئے جو محمد میوہ فروش کی دکانوں کے پاس تھا۔ ان ہی دنوں میں شمس الدین شرب دار کے لڑکے اور رشتہ دار آپ کے معتقد ہو گئے۔ اور شرب دار کے لڑکے بڑی عزت کے ساتھ شرب دار کے مکان میں لے گئے۔ اور آپ اس مکان میں بڑے اطمینان سے رہے اور کئی برس رہے۔ لیکن اس کے باوجود آپ گوشہ تنہائی کے متلاشی اور خواہشمند تھے اور یہ چاہتے تھے کہ آبادی سے الگ کسی گمنام جگہ رہیں اور خاموشی سے اللہ کی یاد میں زندگی بسر کریں۔

## قلع خاں کا حوض

حضرت محبوب الہیؑ فرماتے ہیں کہ ایک دن قلع خاں کے حوض کے کنارے بیٹھا قرآن پاک یاد کر رہا تھا۔ اتفاقاً ایک درویش دکھائی دیتے ہوئے شول بچے تھے۔ میں ان کے پاس گیا۔ اور ان سے پوچھا: کیا آپ اسی شہر میں رہتے ہیں؟ انھوں نے کہا: ہاں، رہتا تو اسی شہر میں ہوں۔ میں نے ان سے دریافت کیا کہ آپ کیا یہاں اطمینان سے رہتے ہیں۔ انھوں نے کہا: نہیں،

(بقیہ صفحہ ۸۱)

۳۰۲: سرائے رکاب دار کا کچھ پتہ ہے اور نپل قیصر کالس نام ہی نام رہ گئے ہیں۔ نشان کچھ بھی نہیں۔ کتابیں تک خاموش ہیں۔

۶۰۵: شادی گلابی، محمد میوہ فروش اور شمس الدین شرب دار۔ اب کون جانتا ہے کہ کون تھے کیسے تھے اور کن اخلاق و عادات کے مالک تھے۔

۱: شرب دار بادشاہ کے پینے کا پانی اور دوسری پینے کی چیزوں کے منتظم کے عہدے کا نام شرب دار تھا۔  
(حاشیہ ترجمہ سفر نامہ ابن بطوطہ ص ۱۲۹)

۲: قلع خاں کون تھے۔ ان کا یہ حوض کہاں تھا۔ کسی کو کچھ پتہ نہیں۔ ممکن ہے کہ یہی وہ (بقیہ ص ۸۳ پر)

اطمینان قلب تو کہاں! پھر انھوں نے یہ بیان کیا کہ ایک دفعہ دروازہ کمال اللہ کے باہر خندق کے کنارے جو بلند زمین ہے اور جہاں شہیدوں کے مزارات ہیں۔ وہاں ایک درویش سے ملاقات ہوئی تھی اور انھوں نے مجھ سے کہا تھا کہ اگر ایمان کی سلامتی چاہتا ہے۔ تو یہاں سے نکل جا سبکپس برس ہو چکے ہیں اور میں چاہتا ہوں کہ یہاں سے نکل جاؤں لیکن نکلنا نہیں ہوتا۔

حضرت محبوب الہی فرماتے ہیں کہ ان کی یہ باتیں سن کر میں نے بھی تہیہ کر لیا کہ یہاں سے کہیں اور چلا جاؤں گا۔ یہاں رہنا مناسب نہیں ہے۔ کبھی سوچتا کہ امیر خسروؒ کے پاس پٹیا لے چلا جاؤ کبھی سوچتا کہ پاس کے پاس بسنا کہ ہی چلا جاؤں جو گننام سا گاؤں ہے۔ بلکہ وہاں گیا بھی اور تین دن تک وہاں قیام بھی کیا لیکن رہنے کے لیے کوئی مکان نہ ملا۔ ناچار واپس چلا آیا۔ مگر یہ کریدل کو لگی رہی۔

(بقیہ صفحہ ۸۲) مقام ہو جسے اب تالاب پیراں کہتے ہیں۔ جو ایک چھوٹا سا تالاب ہے جس کے گرد چہار دیواری ہے۔ اور قلعہ پتھورا کے مغرب میں ہے۔

۱۰: دروازہ کمال کا تو نشان بھی نہیں مغرب میں شمسی عید گاہ کے اُس پاس کہیں تھا۔ اس دروازے کا ذکر ابن بطوطہ نے بھی کیا ہے۔ اور فوائد الفوائد جلد ۲ صفحہ ۶۷ میں عید گاہ کے ساتھ اس کا ذکر ملتا ہے۔

۱۱: بسنا کہاں ہے یہ ابھی تک مجھے تحقیق نہیں ہو سکا البتہ میں اس کا متلاشی ہوں۔ امیر خسروؒ نے اس کا ذکر کیا ہے۔ یہ قدیم دلی سے نزدیک پہاڑ میں کوئی مقام تھا اور کسی بند کے سرے پر تھا۔ یہاں ایک چھوٹی

سی قدیم مسجد بھی تھی۔ یہ جگہ درندوں اور وحشی جانوروں کا مسکن تھی بشیر، بھیرٹیے، سانپ اور اترد ہے بکثرت تھے۔ جگہ جگہ سانپوں کی چلیاں لگتی نظر آتی تھیں۔ حضرت محبوب الہیؒ کے ایک معزز خلیفہ علامہ

زرادیؒ نے یہاں سخت سخت مجاہدے کیے تھے اور دائم الصوم رہے تھے کچھ اور بھی مجاہد اور دائم الصوم ان کے ساتھ گئے تھے مگر گھبرا کر واپس چلے آئے تھے۔ (سیر الاولیاء صفحہ ۲۶۵ ج ۲)

## غیاث پور

آپ فرماتے ہیں ایک دن طبیعت بھی حاضر تھی۔ اور وقت بھی خوش گوار تھا میں حوض رانی کی طرف باغ جسز تھہ میں تھا۔ میں نے بارگاہ الہی میں التجا کی، خداوند! میں اس شہر میں تو رہنا چاہتا نہیں لیکن اپنی مرضی سے کہیں جانا بھی نہیں چاہتا۔ بلکہ جہاں تیری رضا ہو، وہیں رہنا چاہتا ہوں۔ اسی اثنا میں آواز آئی غیاث پور سے میں نے نہ کبھی سنا تھا اور نہ کبھی دیکھا تھا نہ یہ جانتا ہی تھا کہ غیاث پور ہے کہاں۔ بہر حال میں اپنے ایک دوست کے پاس گیا۔ جو نیشاپوری نقیب تھا۔ وہاں پہنچا تو معلوم ہوا کہ وہ غیاث پور گیا ہوا ہے۔ میں نے سوچا کہ یہ وہی غیاث پور ہے۔ لہذا جب وہ آگیا تو میں اس کے ہمراہ غیاث پور گیا۔ یہ

۱۔ حوض رانی تو اب کہاں لیکن اس نام کا ایک گاؤں اس سرزمین پر آباد ہے۔ یہ قطعہ زمین عہد ماضی میں قدیم دہلی کے مشرق میں تھا۔ اسی پر قدیم دہلی کا بدایوں دروازہ کھلتا تھا جو نہایت مشہور اور عالی شان تھا۔ اسی دروازے پر علاء الدین خلجی نے شراب سے توبہ کی تھی۔ اور شراب لٹھو آتی تھی جس سے اس سرزمین پر برسات جیسی کچھ ہو گئی تھی۔ یہ سرزمین راہواڑوں اور شاہان دہلی کی رزم گاہ بھی رہی ہے۔ باغی مغلوں کا اور بلوآئی ملحدوں کا قتل عام بھی اسی سرزمین پر ہوا ہے۔ غیر محاکک کے ایلچی بھی اسی سرزمین سے گزر کر بدایوں دروازے میں داخل ہوتے تھے۔ اور ان کے تانباک جلوس بھی یہیں سے گزرتے تھے۔ غرض کہ یہ سرزمین عظیم تاریخی حیثیت کی مالک ہے۔ اب نوآبادیات نے اسے گھیر لیا ہے۔ (طبقات ناصر)۔

۲۔ باغ جسز تھہ کا تو اب نشان بھی... نہیں۔

۳۔ غیاث پور بہت قدیم نام ہے۔ تاریخ فیروز شاہی برفی میں بھی اس کا ذکر ہے کہتے ہیں کہ سلطان غیاث الدین بلبن نے عہد وزارت میں یہاں سرزغن نامی ایک قلعہ بنوایا تھا۔ جو مکمل (بقیہ ص ۸۵ پر)

ایک چھوٹا سا اور گننام سا گاؤں تھا۔ پھر میں وہیں رہنے سہنے لگا۔

## ابتدائی مجاہدے

حضرت محبوب الہیؒ کا رجحان بچپن ہی سے مجاہدات کی طرف تھا۔ اور آپ رضائے الہی میں خوشی خوشی ان سختیوں کو برداشت کر لیا کرتے تھے جن سے شب و روز دوچار ہوتا پڑتا تھا۔ ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات۔ یَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ ط بلاشبہ سلطان الاولیا اور محبوب الہی ہونے کے لیے ان ہی اوصاف کی ضرورت تھی جو اللہ پاک نے آپ کو کرامت فرمائے تھے۔ الغرض خیر و برکت کی نیت سے بعض ابتدائی مجاہدوں کے ذکر کو دہرایا جاتا ہے۔ اللہ پاک ان کے ذکر کی برکت سے ہمیں بھی اپنی رضا حاصل کرنے کی توفیق عنایت فرمائے۔ آمین!

## اللہ کے مہمان

حضرت محبوب الہیؒ فرماتے تھے کہ میری والدہ محترمہؒ کی عادت تھی کہ جب گھر میں کھانے کو کچھ نہ ہوتا۔ تو مجھ سے فرماتیں کہ آج ہم اللہ کے مہمان ہیں۔ میں یہ سنتا تو مجھے

(بقیہ صفحہ ۸۴) نہیں ہوا تھا۔ اسی کی آبادی کا نام غیاث پور ہے۔ اس قلعہ کا باقی ماندہ حصہ لال محل کے نام سے مشہور ہے۔ راقم اسی محل میں مسکن گزیں ہے۔

اس زمانے میں یہ مقام دریائے جمنہ کے کنارے تھا۔ اب جمنہ دور چلی گئی ہے۔ حضرت محبوب الہیؒ کے ایک مرید عماد الملک ضیا الدینؒ وکیل نے آپ کے لیے ایک عالی شان عمارت بنوا دی تھی جو اب تک موجود ہے اور بہت خیر و برکت کا مقام ہے۔ سترھویں شریف کے موقع پر خواجہ حسن ثانی صاحب عرس کی تقریب منایا کرتے ہیں۔ ضیا الدین وکیل کا مزار بھی اسی عمارت کے صحن میں ہے۔

بڑی لذت و کیفیت حاصل ہوتی۔ میں دن بھر مگن رہتا۔ ایک دن ایک شخص اتنا غلہ دے گیا کہ کئی دن لگا تا روٹی پکتی رہی۔ میں دل ہی دل میں یہ کہتا کہ کب یہ ختم ہو۔ اور کب والدہ محترمہ یہ فرمائیں کہ ہم اللہ کے مہمان ہیں۔ تاکہ پھر وہی لذت نصیب ہو۔

## خرپوزے کی فصل

حضرت محبوب الہیؒ فرماتے تھے سلطان غیاث الدین بلبنؒ کے عہد میں دو جیل کے من بھر خرپوزے آتے تھے۔ لیکن فصل کا بڑا حصہ گزر چکا تھا اور میں نے خرپوزہ چکھا تک نہیں تھا۔ اور جی ہی چاہتا تھا کہ ساری فصل یوں ہی گزر جائے لیکن فصل کے آخر میں ایک شخص کئی روٹیاں اور کئی خرپوزے مجھے دے گیا۔ چونکہ یہ غیب سے انتظام ہوا تھا اس لیے میں نے قبول کر لیا۔ اور ساری فصل میں اسی دن خرپوزے کھاتے۔

## کھچڑی

حضرت محبوب الہیؒ فرماتے تھے کہ جب میں اس برج میں رہتا تھا جو مندرہ پل دروازے

۱۔ سلطان غیاث الدین بلبن کا نام الخ خان تھا اور سلطان شمس الدین التمش کے غلاموں میں سے تھا اور نہایت لائق اور ہونہار تھا، التمش کے بیٹے ناصر الدین محمود کے بعد ۶۶۲ھ میں تخت نشین ہوا یا تیس برس نو مہینے بڑے عدل و انصاف سے حکومت کی ۶۸۶ھ میں بیمار ہو کر وفات پائی۔ قطب مینار (دلی) کے جانب جنوب پہاڑی پر ایک شکستہ و بوسیدہ مقبرے میں قبر ہے۔ اور ساتھ ہی ایک مقبرے میں اس کے چہیتے بیٹے خان شہید کی قبر ہے عہد ماضی میں اس سرزمین کو دارالاماں کہتے تھے۔

۲۔ جیل تانبے کا ایک سکہ تھا جسے ایک پیسے کے برابر سمجھا جاتا ہے۔ اور من موجود (بقیہ ص ۸ پر)

کے پاس تھا۔ تو تین دن گزر گئے تھے اور کھانے کو کچھ میسر نہیں آیا تھا۔ ایک شخص نے آکر دروازہ کھٹکھٹایا تو میں نے کسی سے کہا: دیکھو، کون ہے۔ وہ گیا اور دروازہ کھولا تو ایک شخص نے اسے کھچڑی کا ایک پیالہ دیا اور چلا گیا۔ جب وہ لے کر اندر آیا۔ تو میں نے دریافت کیا کہ تم اس کو پہچانتے بھی تھے کہ وہ کون تھا۔ جو یہ دے کر گیا ہے۔ اس نے کہا: نہیں بہر حال ہم سب نے اس کھچڑی کو کھا لیا۔ وہ خشک کھچڑی اتنی مزے کی تھی کہ آج تک کسی کھانے میں وہ مزہ نہیں آیا۔ اس کا ذائقہ آج تک یاد ہے۔ پھر فرمایا: اب بھی جو لعنت ملتی ہے اُنے والے ہی کے نصیب سے ملتی ہے۔

## روٹی

آپ یہ بھی فرماتے تھے: ایک دفعہ ایک رات اور ایک دن بن کھاتے پتے گزر چکا تھا۔ بلکہ ادھی رات اور بھی گزر گئی تھی۔ اور اتنا بھی میسر نہ ہوا کہ ایک دانگ<sup>۱</sup> کی روٹی خرید کر کھا لیتے۔ حالانکہ اس زمانے میں ایک جیل کی دو سیر میدے کی روٹی آتی تھی۔ میری والدہ محترمہ اور ہمشیرہ عزیزہ اور جو بھی میرے ساتھ تھے سب کا یہی حال تھا۔ اور ان حالات میں اگر کوئی مصری یا شکر یا مہین کپڑا لاکر دیتا تو اگرچہ میں اسے فروخت کر کے اپنی ضرورت کو پورا کر سکتا تھا۔ لیکن میں نے کبھی ایسا نہیں کیا۔ بلکہ غیب سے جس طرح پہنچا اسی طرح رہنے دیا کیونکہ اس رد و بدل سے گرسنگی اور بھوک رفع نہیں ہو سکتی تھی۔

۱۔ (بقیہ صفحہ ۸۹) زمانے کے بارہ سیر وزن کے برابر تھا۔ (حاشیہ ترجمہ سفرنامہ ابن بطوطہ جلد ۲ ص ۱۲۲)

۲۔ غالباً رات عرض والا مکان مراد ہے۔

۳۔ دانگ کو لعنت میں ۹ رتی کا وزن لکھا ہے لیکن یہ نہیں تحقیق ہوا کہ یہ سکہ کتنے میں چلتا تھا۔ البتہ

دام ایک سکہ تھا جو روپے میں چالیس آتے تھے۔ (ترجمہ سفرنامہ ابن بطوطہ ص ۱۲۳۔ حاشیہ)

در اصل یہ اعلیٰ ہستی اور بلند کردار کی خوبی تھی کہ ایسے شدید حالات میں بھی بدسنے نہ پائے۔

## زنہیل گردانی

امیر خوردمانیؒ لکھتے ہیں کہ جب حضرت محبوب الہیؒ غیاث پور میں آکر آباد ہوئے تھے۔ تو زنہیل لٹکا دی جاتی تھی۔ اور روٹی کے جو ٹکڑے اس میں ہوتے تھے وہ افطار کے وقت نکال لیے جاتے تھے۔ اور ان ہی سے روزہ افطار کر لیتے تھے۔ ایک دن افطار کا وقت تھا اور زنہیل سے ٹکڑے الٹ کر دسترخوان پر رکھے ہی تھے کہ ایک فقیر آیا۔ اور سب سمیٹ کر لے گیا۔ اس نے شاید یہ سمجھا کہ یہ سب کھانا کھا چکے ہیں اور یہ پس خوردہ ہے۔ آپ یہ دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا کہ ہمارے کام میں بڑی خیر و برکت ہے کہ ہمیں بھوکا رکھا جا رہا ہے (سبحان اللہ) یہ واقعہ دو فاقوں کے بعد پیش آیا تھا۔

## ہدیہ جلالی

امیر خوردمانیؒ لکھتے ہیں کہ تنگ دستی اور عسرت پوری بہار پر تھی۔ اور کئی کئی دن بن کھاتے پینے گزر جاتے تھے۔ ان ہی دنوں میں سلطان جلال الدینؒ خلجی (۶۸۹ھ تا ۶۹۵ھ) نے (۱۲۹۰ء تا ۱۲۹۵ء)

(بقیہ ص ۸۶)

۱: سیر الاولیاء ص ۱۱۳ چ

۲: سیر الاولیاء ص ۱۳ چ

۳: کیتباد کے قتل کے بعد جلال الدینؒ خلجی (۶۸۹ھ تا ۶۹۵ھ) تخت نشین ہوا۔ یہ بہت بہادر اور مشہور سپہ سالار تھا عمر رسیدہ بھی تھا۔ مزاج میں ملنساری اور مروت بہت زیادہ تھی۔ اور اگرچہ یہ بھی ترک نسل سے تھا لیکن ترک اس کے قبیلے کے نژاد کے آثار سے نہیں دیکھتے تھے اس لیے (بقیہ ص ۸۹ پر)



کچھ تحفے آپ کو بھیجے اور یہ بھی درخواست کی کہ اگر اجازت ہو تو خدام کے لیے کچھ دیہات وقف کر دیتے جائیں تاکہ وہ فراغت اور دل جمعی سے مشغول بحق رہیں۔ آپ نے انکار فرما دیا لیکن جب یہ بات آپ کے بعض خادموں نے سنی تو انھوں نے اپنی حالت راز بیان کی اور یہ چاہا کہ آپ دیہاتوں کا یہ ہدیہ قبول فرمائیں، لیکن آپ رضامند نہ تھے۔ لہذا آپ نے اپنے ہم خرقہ اور دوسرے دوستوں کو بلا کر مشورہ کیا۔ چنانچہ ان سب نے ایک زبان ہو کر عرض کیا کہ مولانا نظام الدین اب تو ہم وقت بوقت آپ کے ہاں کھانا بھی کھا لیتے ہیں، لیکن اگر آپ نے دیہات قبول کر لیے تو ہم پانی بھی نہ پیتے گے۔ آپ ان کے جواب سے بہت خوش ہوئے اور فرمایا: مجھے تو آپ ہی کی خوشنودی مطلوب تھی اب آپ نے مجھے مطمئن کر دیا۔ یہ خدا کا انعام ہے۔ الحمد للہ علی ذاک۔

الغرض حضرت محبوب الہیؒ نے جوانی کے زمانے میں کامل تیس سال تک نہایت سخت دشواریوں میں زندگی بسر کی۔ اور سخت سخت مجاہدے کیے۔ یہ ان میں سے شتمہ برابر بھی نہیں ہیں جنہیں یہاں نقل کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے صدقہ میں ہمیں بھی صراط مستقیم

(بقیہ ص ۸۸) انہیں اس کا بادشاہ ہونا بھی گوارا نہ تھا۔ مگر جب وہ بادشاہ ہو گیا۔ اور مروت و شرافت کا سلوک کیا تو سب اس کے گرویدہ ہو گئے۔ دشمنوں کے ساتھ بھی اس کا سلوک بہت اچھا تھا۔ اس کے عہد میں تاتاریوں نے سخت حملہ کیا اور موٹھ کی کھائی۔ لیکن ان سے بھی ایسا سلوک کیا کہ چنگیز خاں کا نواسہ الغو خان چار ہزار مغلوں سمیت مسلمان ہو گیا۔ اور بادشاہ نے اس سے اپنی لڑکی کی شادی کر دی اور غیاث پور کے آس پاس ہی انہیں رہنے کو جگہ دی جہاں انھوں نے عمارتیں بنائیں اور اس کا نام منغل پورہ رکھا۔ یہ جگہ بارہ پلہ اور غیاث پور کے درمیان تھی محلات کے کچھ کھنڈر اب بھی باقی ہیں۔ اس بادشاہ کو اس کے بھتیجے اور داماد غلام الدین خلجی نے قتل کر دیا تھا۔

لہ: سیرالاولیاء ص ۱۱۴ پج -

پر چلنے کی توفیق عنایت فرمائے، آمین ثمہ آمین۔

## مردانِ غیب

حضرت محبوب الہی فرماتے تھے کہ نو عمری میں کبھی کبھی مجھے یہ خیال آتا تھا کہ اگر مردانِ غیب کی صحبت نصیب ہو جائے تو سبحان اللہ کیا ہی خوب ہے لیکن پھر میں نے سوچا کہ یہ کیا ہے۔ اس سے بہتر کوئی راستہ اختیار کرنا چاہیے۔ اور میں اس خیال سے دست بردار ہو گیا۔

آپ یہ بھی فرماتے تھے کہ مردانِ غیب پہلے آواز دیتے ہیں۔ پھر آواز سناتے ہیں پھر ملاقات کرتے ہیں اور پھر اپنے ساتھ لے جاتے ہیں۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ سبحان اللہ وہ کیا خوب جگہ ہے۔ جہاں وہ لے جاتے ہیں۔ گویا کہ آپ اس جگہ سے بھی خوب واقف تھے۔

آپ یہ بھی فرماتے تھے کہ جب میں بدایوں سے دلی آ رہا تھا۔ تو راستے میں ایک شخص ملا۔ جو گڈری پہنے ہوا تھا۔ کبل بغل میں تھا۔ اور سر پر میلا سر بند تھا۔ دیوانوں کی طرح میرے سامنے آیا۔ سلام کیا پھر گلے ملا۔ اور میرے سینے کو سونگھا۔ پھر گلے ملا۔ اور مجھے غور سے دیکھا اور کہا، یہاں سے تو مسلمانی کی خوشبو آتی ہے، وہ چلا گیا۔ اور میں ذرا بھی نہ سمجھا کہ کون تھا اور کون نہیں۔

آپ یہ بھی فرماتے تھے کہ جب میں مندرہ پل دروازے رہا کرتا تھا۔ تو میں نے شیخ رسال کے روضے میں چلے کیا۔ ان کے روضے میں ایک سوکھا سا درخت تھا۔ میں نے دیکھا کہ

۱: سیر الاولیاء ص ۱۱۲ چ فائدہ الفوائد جلد ۱ ص ۱۶

۲: سیر الاولیاء ص ۱۱۵ چ۔

۳: غالباً راوت عرض والا مکان مراد ہے۔

۴: شیخ رسال کون بزرگ تھے ان کا روضہ قدیم دلی میں کہاں تھا۔ اب یہ کون بتا سکتا ہے۔ کیا وہ صاحب اس عقدے کو حل کر سکتے ہیں جنہیں حضرت کی جانشینی و سجادہ نشینی کا دعویٰ ہے۔ ص: سیر الاولیاء ص ۱۱۳ چ

وہ چلنے کے اندر ہی اندر ہرا بھرا ہو گیا ہے۔ لہذا میں شیخ رساں کے روضے کے سامنے کھڑا ہوا۔ اور عرض کیا:

شیخ ایک ہی چلنے میں اس سوکھے سے درخت کی کایا پلٹ گئی اور یہ

ہرا بھرا ہو گیا۔ مگر میری حالت ذرا بھی نہیں بدلی۔

یہ عرض کیا اور چلا آیا۔ ابھی راستے ہی میں تھا دیکھتا کیا ہوں کہ ایک شخص گویا نشے میں

چوردیوانہ وار میری طرف چلا آ رہا ہے۔ میں یہ سمجھا کہ یہ کوئی خماری یا نشہ باز ہے لہذا میں نے

پہنچ کر نکلنے کی کوشش کی لیکن جس طرف میں رخ کرتا۔ ادھر ہی وہ آتا۔ آخر تنگ آ کر میں نے

خدا پر بھروسہ کیا۔ دونوں ہاتھ اوپر اٹھائے اس کی طرف چلا۔ اور اس سے گلے ملا۔ اس کا مونہ اور

سینہ تو گویا عطر سے مہک رہا تھا۔ گلے ملتے ہی اس نے مجھ سے کہا کہ اے صوفی! تیرے سینے

سے تو محبتِ حق کی خوشبو آ رہی ہے۔ یہ کہا اور غائب ہو گیا۔

آپ یہ بھی فرماتے تھے کہ جماعت خانے میں دسترخوان بچھا ہی تھا کہ وہی درویش

پھر آیا جو بدایوں سے دلی آتے ہوئے راستے میں ملا تھا۔ سلام کیا اور دسترخوان پر بیٹھ گیا۔

اور کچھ اس طرح اٹھ کر چلا گیا کہ مجھے خبر بھی نہیں ہوتی۔ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد میں

نے دریافت کیا کہ وہ درویش کہاں چلا گیا۔ کھانا کھایا یا نہیں۔ تو حاضرین نے بتایا کہ اس نے

چار روٹیاں لیں اور کاٹ کے پیالے میں شور بالیا اور یہاں سے چلا گیا۔ مگر خانقاہ کے سامنے

جو ٹیلہ ہے اس پر بیٹھ کر اس نے کھایا اور غائب ہو گیا۔

آپ یہ بھی فرماتے تھے کہ کلاکھر سے کچھ دوست ملاقات کے لیے آ رہے تھے ان ہی

۱: سیر الاولیاء ص ۲۹ چ

۲: سیر الاولیاء ص ۱۱۶ چ

۳: کلاکھر سے مراد چندیری ہے کیونکہ مولانا وجیہ الدین یوسف کلاکھری عرف چندیری (بقیہ ص ۹۲ پر)

میں ایک مولانا عمرؒ بھی تھے راستے میں وہی درویش انھیں ملا اور کہا: کہاں جاتے ہو، مولانا عمرؒ! انھوں نے کہا: ہم فلاں شخص کی خدمت میں جا رہے ہیں۔ اس نے کہا: بھلا اس مسکین کے پاس کیا دھرا ہے۔ اچھا لو۔ یہ بارہ جیل لیتے جاؤ۔ اسے دے دینا۔ انھوں نے وہ بارہ جیل مجھے لا کر دے دیتے۔ وہ دن اور آج کا دن پھر وہ درویش نظر نہیں آیا۔ مگر اسی دن سے فتوحات کی راہیں کھل گئیں اور تحفہ و تحائف آنے لگے یہ

ع مودے از غیب بروں آید و کارے بکند

## رجوعِ خلاق

حضرت محبوب الہیؒ کے مزاج میں کم امیزی اور بے تعلقی بہت ہی زیادہ تھی اور بچپن ہی سے تھی چنانچہ آپ طالب علمی کے زمانے میں بھی اپنے ساتھیوں سے یہی فرماتے تھے کہ میں تو تھوڑے دنوں کے لیے تمہارا مہمان ہوں ہے پھر تم کہاں اور میں کہاں۔

امیر خور و کرمانیؒ یہ بھی لکھتے ہیں کہ قدیم دہلی میں رہنے کے زمانے میں آپ نے جو کئی مکان بدلے اس کا سبب بھی یہی تھا کہ آپ اپنے کو مخلوق کی نظروں سے پوشیدہ رکھنا

(بقیہ ص ۹۱) لکھا ہے۔ (سیر الاولیاء ص ۲۸۲) اور مقبرہ ہمایوں سے جانب جنوب جو موضع ہے اس کا نام اس زمانے میں کیلوکری تھا (سیر الاولیاء ص ۱۱۱) جسے اب تلوکری کہتے ہیں۔

۱۰: مولانا عمرؒ کا مزار تو حضرت امیر خسروؒ کے احاطے میں ہے۔ اب لوح بھی لگا دی گئی ہے۔ مزید حالات کا علم نہیں۔ انھیں حضرت محبوب الہیؒ کے اقربا میں بتاتے ہیں۔ لیکن کتب قدیر سے اس کی تصدیق نہیں ہوتی البتہ یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ چنیری کے رہنے والے تھے۔

۱۱: سیر الاولیاء ص ۱۱۶ چ

۱۲: فوائد الفواد جلد ۲ ص ۲۲۔

چاہتے تھے اور یہ چاہتے تھے کہ آپ پورے اطمینان کے ساتھ یاد الہی میں مشغول رہیں۔  
 آخر کار آپ اشارہ غیبی سے غیث پور میں رہنے لگے۔ اور یاد الہی بلکہ مشاہدہ حق میں  
 مشغول رہنے کے لیے آپ کو پورا اطمینان حاصل ہو گیا۔ لیکن زیادہ دن نہیں گزرے تھے کہ سلطان  
 کیتباد <sup>۶۸۶ھ تا ۶۸۹ھ</sup> نے کیلو کھری کو پارہ تخت بنایا اور بڑی خوبصورتی سے آباد کرایا۔  
 امر اور وسائے باغ لگوائے اور محلات تعمیر کرائے اور کیلو کھری کی سرزمین بہشت برین کا  
 نمونہ بن گئی۔ آبادی کی کثرت ہوئی تو حضرت محبوب الہی کی خدمت میں بھی مخلوق بکثرت  
 آنے جانے لگی۔ جس سے آپ کے اطمینان میں خلل پڑنے لگا۔ لہذا ایک دن آپ نے اپنے  
 دل میں یہ ٹھکان لی کہ اب یہاں رہنا بھی ٹھیک نہیں کہیں اور یہی رہنا چاہیے۔ آپ فرماتے

سے: سیر الاولیاء ص ۱۱۱ ج

۲۷: کیتباد سلطان غیث الدین بلبن کا پوتا تھا <sup>۶۸۶ھ</sup> میں تخت نشین ہوا۔ دادا کی سرپرستی میں تعلیم و  
 تربیت حاصل کی تھی لیکن بہت ہی نالائق نکلا۔ نو عمر و نوجوان تھا۔ بادشاہ بنتے ہی عیش و عشرت میں پڑ گیا۔  
 باپ سے مقابلہ کرنے کے لیے بھی آمادہ ہو گیا اور لشکر کشی کی لیکن جنگ نہیں ہوئی بلکہ تصفیہ کرادیا گیا۔ عیش و  
 عشرت کی بدولت نوجوانی ہی میں مغلوب ہو گیا تھا اور قریب المرگ تھا کہ بعض امرائے اس کے چھوٹے  
 بچے کو بادشاہ بنانا چاہا۔ اس پر اختلاف ہوا۔ اور اس اختلاف سے غلجی امیروں نے فائدہ اٹھایا۔ اور  
 ایک شخص کو کیتباد کے قتل کرنے کے لیے آمادہ کیا۔ جس کے باپ کو کیتباد نے قتل کرادیا تھا۔ وہ جیلے  
 بہانے سے محل میں گھا اور مغلوب بادشاہ کو اسی کے بستر میں لپیٹ کر لاتوں اور گھونسوں سے اس قدر  
 مارا کہ وہ مر گیا۔ اور اس کی لاش کو دریائے جمنہ میں بہا دیا۔ یہ واقعہ <sup>۶۸۹ھ</sup> میں پیش آیا اور بلبنی سلطنت  
 کا خاتمہ ہو گیا۔ اس کے چھوٹے بچے کو جسے بادشاہ بنانا چاہتے تھے سلطان جلال الدین غلجی کے لڑکے  
 اٹھا کر لے گئے۔ جب اس طرح میدان صاف ہو گیا تو غلجیوں نے جلال الدین غلجی کو بادشاہ مان لیا اور  
 بعد میں سب اس سے متفق ہو گئے۔

میں کہ میں اسی سوچ تھا کہ اسی دن عصر کے وقت ایک نوجوان آیا جو نہایت حسین و جمیل تھا  
لیکن لاغر اور کمزور بھی بہت ہی تھا۔ خدا ہی جانے کہ وہ مردانِ غیب میں سے تھا یا کوئی اور  
تھا۔ خیر! اس نے اُتے ہی یہ کہا سے

اں روز کہ مرشدی نمی دانستی  
کاشگشت نمائے عالمے خواہی شد  
امروز کہ زلفت دلِ خلقے بہ در بود  
در گوشہ نشینت نہ می دارد سود

پھر یہ کہا کہ اول تو مشہور ہونا ہی نہیں چاہیے۔ لیکن جب مشہور ہی ہو گئے تو پھر اتنا مشہور  
ہونا چاہیے کہ کل قیامت کے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے شرمندہ نہ ہونا پڑے  
پھر اس نے یہ بھی کہا کہ سبحان اللہ! یہ بھی کوئی حوصلہ ہے مخلوق سے مونہ چھپانا اور یادِ حق  
میں مشغول رہنا۔ حوصلہ تو یہ ہے کہ آدمی مشغول بحق بھی رہے اور مخلوق سے بھی مونہ نہ چھپائے۔

جب وہ اپنی تقریر ختم کر چکا تو میں نے کچھ کھانا پیش کیا لیکن اس نے چھوا تک نہیں  
کھانا تو کیا جب میں نے یہ کیفیت دیکھی تو میں نے بھی یہ تہیہ کر لیا کہ اب کہیں نہیں جاؤں گا،  
بلکہ یہیں رہوں گا یعنی مشغول بحق بھی رہوں گا اور مخلوق کی حاجت روائی سے بھی مُنہ نہ موڑوں گا۔  
میرے یہ سوچتے ہی اس نے تھوڑا سا کھانا کھایا اور چلا گیا۔

میں یہ لکھ ہی رہا تھا کہ میرے دل نے مجھ سے یہ کہا کہ میں یہ لکھ ہی دوں کہ حضرت محبوب الہیؑ  
نے جو کچھ فرمایا وہ رمز و کنایہ ہے۔ ورنہ حقیقتِ حال پوشیدہ نہیں کہ وہ انسانی پیکر میں خود  
دینِ اسلام تھا کہ دینِ حق کی تبلیغ و اشاعت کے لیے جو اوصاف درکار ہیں۔ آپ ان سب سے  
مالا مال ہیں۔ لہذا آپ کیلئے یہ زیبا نہیں کہ آپ مخلوق سے چھپے رہیں بلکہ ضرورت اس

لے، سیر الاولیاء ص ۱۱۱ ج

بات کی ہے کہ آپ مشغول بحق بھی رہیں۔ اور مخلوق کی حاجت روائی کے ساتھ ہی ساتھ احکام الہی کی تبلیغ بھی فرمائیں۔ اور بھولی بھٹکی مخلوق کو ہدایت کی راہ دکھائیں۔ تاکہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے روبرو سرخ روئی حاصل ہو۔ پینا نچہ آپ نے وہی کیا جو کرنا چاہیے تھا سچی کہ آپ سراپا ہدایت بن کر مخلوق کے دل میں سما گئے اور آپ کی برکت سے ہدایت کے سرچشمے چھوٹ نکلے اور خدائی نور سے سر زمین جگمگا اٹھی۔

اس کے بعد آپ نے مخلوق کے لیے دروازہ کھول دیا۔ امیر غریب چھوٹے بڑے سب ہی آنے جانے اور آپ کی خدمت سے سعادت حاصل کرنے لگے۔ امیروں اور شہزادوں کا تو ذکر ہی کیا۔ بادشاہ تک حاضر باشی کے متمنی ہوئے۔ پینا نچہ سلطان جلال الدین خلجی نے کئی بار حاضر ہونا چاہا۔ مگر آپ نے منظور نہیں فرمایا اور اجازت نہیں دی۔ ناچار اس نے خفیہ طور سے حاضری کا ارادہ کیا لیکن آپ اشارہ پاتے ہی اجودہن (پاکپٹن) تشریف لے گئے۔ اور ملاقات کا موقع نہیں دیا۔

سلطان علاء الدین خلجی (۶۹۵ھ تا ۷۱۵ھ) نہایت جابر اور اولوالعزم بادشاہ تھا لیکن آستانہ بوسی کا آرزو مند رہتا تھا اس نے بھی حاضر خدمت ہونے کے لیے اجازت چاہی لیکن آپ رضامند نہیں ہوئے اور کہلا بھیجا کہ بادشاہ کو تکلیف کرنے کی ضرورت نہیں۔ فقیر فانیانہ دعائیں مشغول ہے اور فانیانہ دعا قبولیت کے لیے اکسیر کا حکم رکھتی ہے۔ اس نے دوبارہ درخواست کی تو آپ نے جواب دیا کہ فقیر کے مکان کے دو دروازے ہیں۔ اگر ایک سے بادشاہ آئے گا تو دوسرے سے فقیر نکل جائے گا۔ یہ ایک جابر بادشاہ کو یہ جواب دینا کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ یہ اسی کا کام ہو سکتا ہے جو اللہ پر کامل بھروسہ رکھتا ہو اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتا ہو۔

## تبلیغ

تبلیغ ہے خدا سے تعالیٰ کا پیغام بندوں کو پہنچانا اور بھولے بھٹکوں کو راہِ راست پر لگانا۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو اسی کام کے لیے بھیجا گیا تھا۔ اور یہی ان کی مبارک زندگی کا اصل مقصد و مدعا تھا اور یہی ان کا مقدم اور اولین کام تھا۔ پناہیچہ منصبِ نبوت پر فائز ہوتے ہی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے تبلیغ کے کام کا آغاز فرما دیا تھا۔ اور کئی زندگی ہی میں واقعہ معراج کے بعد آپ نے ان قبائل میں تبلیغ شروع کر دی تھی جو حج کے زمانے میں مکہ معظمہ آیا کرتے تھے۔

سب سے پہلے ایک بزرگ نے اسلام قبول فرمایا۔ جن کا نام معاذ تھا اور جو یثرب (مدینہ منورہ) کے رہنے والے تھے۔ دوسرے سال پھر کوئی بارہ بزرگ حج کے زمانے میں یثرب سے آئے۔ آپ ان سے ملے تو انھوں نے بھی اسلام قبول کیا۔ اور آپ سے بیعت ہوئے اور آپ نے مصعب بن عمیرؓ کو امیر جماعت بنا کر ان کے ساتھ کیا۔ اور انھوں نے یثرب میں تبلیغ کا کام خوب کیا۔ پناہیچہ اس کام کی برکت سے تیسری دفعہ قبیلہ اوس اور قبیلہ خزرج کے سردار آدمی حج کے زمانے میں مکہ معظمہ آئے۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حضرت عباس بن عبدالمطلب کو ساتھ لے کر ان کے پاس تشریف لے گئے۔ ان کو بھی پیامِ حق سنایا اور یہ سب بھی مسلمان ہو گئے اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوئے۔

۱۔ قرۃ العین جلد ۲ ص ۴

۲۔ مدینہ منورہ کو پہلے یثرب ہی کہتے تھے۔ مدینہ کے معنی ہیں، شہر۔ جب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم وہاں تشریف لے گئے تو مدینۃ الرسول کے نام سے شہر پائی۔ اور پھر مدینہ منورہ کہنے لگے۔



مدنی زندگی میں جماعتوں کی آمد و رفت بہت بڑھ گئی۔ اور تبلیغ کا مبارک کام سرگرمی سے انجام پانے لگا۔ اسی زمانے میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے باؤٹا ہوں کے نام تبلیغی فرامین بھی جاری کئے اور تبلیغ کے لیے جماعتیں بھی بھیجیں۔ جماعتیں دراصل سپیکر عمل ہوتی ہیں اپنے پیغام کے لیے جو پیغام دیتی ہیں۔ اس پر عمل کر کے بھی دکھاتی ہیں۔ جس سے پیغام کا مقصد کھل جاتا ہے اور دیکھنے والوں کی سمجھ میں آسانی سے آجاتا ہے اور لمبی بوٹری تقریروں کی ضرورت نہیں رہتی۔ لہذا جنھیں ازلی توفیق نصیب ہوتی ہے۔ وہ اس پیغام کو آسانی سے سمجھ لیتے اور قبول کر لیتے ہیں۔

تبلیغ کا منشا صرف یہی نہیں ہے کہ ان کو پیغام حق پہنچا دیا جائے جو وحدانیت کے قائل نہیں ہیں بلکہ مدعا یہ ہے کہ ہر شخص کی زندگی سیرت پاک محمد الرسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے سانچے میں ڈھل جائے اور ایسی بختگی آجائے کہ ایک قدم بھی اس کے خلاف نہ اٹھ سکے۔ لہذا تبلیغ ان کے لیے بھی ہے جو توحید سے آگاہ نہیں اور ان کے لیے بھی ہے جو توحید سے آگاہ ہیں اور کلمہ پڑھتے ہیں لیکن خدائی احکام سے پوری طرح واقف نہیں یا واقف تو ہیں مگر توفیق عمل نصیب نہیں ان ہی میں تبلیغ مقدم بھی ہے اور سہل بھی ہے کیونکہ قربت اور انسیت کی بنا پر یہ جلد تر سیرت پاک محمد الرسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا نمونہ بن سکتے ہیں۔ اور پھر ایک چراغ سے کئی کئی چراغ روشن ہو سکتے ہیں۔ اور تبلیغ کا اصل منشا پورا ہو سکتا ہے اور سارے بھولے بھٹکے راہ راست پر آسکتے ہیں۔

اولیاء اللہ (رحمہم اللہ تعالیٰ) عالم باعمل اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اصلی جانشین ہوتے ہیں۔  
فَإِنَّ الشَّيْخَ فِي قَوْمِهِ كَالشَّيْبِ فِي أَهْلِهِ۔ ان کی مبارک زندگی کا اصل مقصد بھی یہی ہوتا ہے کہ اپنی زندگی کو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کے سانچے

سہ: شیخ اپنی قوم میں ایسا ہی ہے جیسا نبی اپنی امت میں۔

میں پوری پوری طرح ڈھالیں اور سیرت پاک محمد الرسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی پوری پوری اتباع کریں۔ اسی لیے وہ اپنے کو اصلاح نفس، گوشہ نشینی اور مجاہدات کی بھیجی میں تپاتے اور نکھارتے ہیں۔ اسی سے انھیں وہی نفع حاصل ہوتا ہے۔ باطنی نسبت پر وان پڑھتی ہے اور توجہ لہ کو تقویت نصیب ہوتی ہے۔ اور یہی وہ اوصاف ہیں جن سے تبلیغ

لہ : توجہ کی دو اصطلاحیں ہیں :

(۱) توجہ ڈالنا

(۲) توجہ لینا

(۱) توجہ ڈالنا : شیخ دل و دماغ کی یکسوئی کے ساتھ کسی کی طرف متوجہ ہو اور یہ تصور کرے کہ جس کی طرف وہ متوجہ ہے۔ اس کے دل پر ضرب لگا رہا ہے اور اس کے دل کی سیاہی کو صاف کر رہا ہے یا باطنی کمالات سے نواز رہا ہے یا عبادت میں لذت و کیف کا وصف پیدا کر رہا ہے اور یہ اوصاف نورانی صورت میں کسی کو پہنچ رہے ہیں۔ اور وہ قبول کر رہا ہے۔

توجہ ڈالنے کے لیے دوزانوں قبلہ رو بیٹھا مفید ہے۔ اور جب غائبانہ توجہ ڈالی جاتی ہے۔ تو جس پر توجہ ڈالی جاتی ہے۔ اس کے سامنے اور پاس ہونے کی بھی کچھ قید نہیں ہے اور غائبانہ توجہ ڈالنا توجہ کا کمال ہے اور توجہ ہیبت کی قید کے بغیر بھی ڈالی جاسکتی ہے لیکن مشق کا کمال درکار ہوتا ہے۔

(۲) توجہ لینا : توجہ لینے والا دوزان بیٹھے۔ اور اسم ذات یعنی لفظ اللہ کا تصور کرے گویا کہ

یہ لفظ نورانی صورت میں اس کے دل میں ہے اور اپنی نورانیت سے دل کو منور کر رہا ہے۔ اور یہ بھی سمجھے کہ اس کا دل شیخ سے فیض حاصل کر رہا ہے۔ اور یہ اس کی نورانیت اور لذت عبادت و محبت سے مالا مال ہو گیا ہے اور محبوب رفع ہو گئے ہیں سیاہی دھل گئی ہے اور نورانیت و کیف کا عالم اس پر طاری ہو گیا ہے۔ اگر شیخ موجود ہو تو اس کے سامنے بیٹھے کہ اس سے توجہ لینا چاہیے۔

(اصول درویشی ص ۱۲۲)

کامل کارگر ہوتا ہے۔ اور اولیاء اللہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے زیادہ تر ان ہی اوصاف سے کام لیا ہے اور کامیابی نے ان کے قدم چومے ہیں۔

حضرت محبوب الہیؒ کی مبارک زندگی کا اگر غور سے مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت چھپی نہیں رہتی کہ آپ کی مبارک زندگی سرایا تبلیغ و ہدایت تھی۔ قول سے بھی اور عمل سے بھی۔ اور یہ ایک مستقل موضوع ہے جس پر ایک اچھی خاصی کتاب لکھی جاسکتی ہے۔ لیکن اس مختصر کتاب میں تفصیل کی گنجائش نہیں اس لیے اشارۃً دو چار واقعات کی صرف نشان دہی کی جاتی ہے اور وہ یہ ہیں :

راجہ ہر دیو جو احمد ایاز کے نام سے یاد کیے جاتے ہیں اور عہد تعلق میں امیر تعمیرات اور وزیر اعظم ہند تھے، آپ ہی کی برکت سے انھوں نے اسلام قبول کیا تھا۔ اور دین سے بہرہ ور ہوئے تھے۔ یہی نہیں بلکہ آپ کا یہ عمل متعدی تھا۔ چنانچہ امیر حسن علا سنجریؒ لکھتے ہیں کہ آپ کا ایک نو مسلم عقیدت منداپتے بھائی کو ساتھ لایا۔ آپ نے دریافت فرمایا: اسے بھی اسلام سے کچھ رغبت ہے یا نہیں۔ اس نے عرض کیا: میں اسی لیے ساتھ لے کر حاضر ہوا ہوں کہ آپ کی برکت سے یہ بھی اسلام کی دولت سے مالا مال ہو جائے۔ آپ نے چشم پڑا کہ فرمایا کہ یہ قوم نہایت ہی سخت دل ہے کہنے کا تو اس پر بہت ہی کم اثر ہوتا ہے البتہ اگر نیک صحبت نصیب ہو جائے تو پھر کام بن جاتا ہے۔

غیر مسلموں کے مسلمان ہونے کے علاوہ فسق و فجور میں مبتلا مسلمان تو بکثرت آپ کی برکت سے بلکہ آپ کی کیمیا اثر نگاہ کی برکت سے تائب ہوتے اور خاصانِ خدا میں شمار ہونے لگے۔ چنانچہ امیر حسن علا سنجریؒ کا واقعہ ہے کہ وہ فسق و فجور میں مبتلا اور رنگین مزاج آدمی تھے۔ اور نشے میں پور رہتے تھے۔ ایک دن حضرت محبوب الہیؒ خواجہ قطب الدین

بخیار کاکی کے مزار پر انوار پر حاضری دینے کے بعد شمسی تالاب کی طرف تشریف لے گئے وہاں کیا دیکھتے ہیں کہ امیر حسن علاء سنجرئی تالاب کے کنارے یارانِ طریقت کے ساتھ رنگ رلیاں منارہے ہیں اور شراب کے نشے میں دھت ہیں اور آپ کو دیکھتے ہی انھوں نے یہ دو شعر پڑھے۔

ساہا با شد کہ ما ہم صحبتم  
گر ز صحبتہا اثر بودے کچا ست  
زہد تو فسق از دل ما کم نہ کرد  
فسق مایاں بہتر از زہد شماسٹ

آپ نے فوراً ہی فرمایا: صحبت میں تو اثر بہت ہے۔ یہ سنتے ہی امیر حسن علاء سنجرئی کے دل پر اثر ہوا۔ وہ ننگے ہی سر دوڑے آئے اور سر آپ کے قدموں میں رکھ دیا۔ توبہ کی اور مرید ہو گئے۔ جب ان کے ساتھیوں نے یہ دیکھا تو وہ بھی متاثر ہوئے۔ اور توبہ کر کے آپ کے مرید ہو گئے۔

بہت سے بندگانِ خدا ایسے بھی تھے جو عالم و فاضل ہونے کے باوجود آپ کے مخالف تھے اور آپ کے مریدوں اور معتقدوں کے سامنے تمسخر آمیز کلمات کہا کرتے تھے۔

۱۰: شمسی تالاب قطب مینار دلی سے جنوب مغرب میں کوئی ایک میل کے فاصلے پر ہے یہ تالاب شمس الدین التمش (۶۰۷ھ تا ۶۳۳ھ) نے ۶۲۶ھ میں بنوایا تھا۔ اس کا رقبہ کوئی تین سو بیگھے تھا اور چاروں طرف سرخ پتھر کی سیڑھیاں تھیں اب ٹوٹ پھوٹ کر تھوڑا سا رہ گیا ہے۔ اس کے ارد گرد مشہور مشہور اولیا اللہ کے مزارات اور اس کے مشرق میں اولیا مسجد ہے۔

۱۱: تاریخ نظامی ص ۸۲، ۸۳۔ پہلے شعر میں تخریف ہے۔ اور دوسرا ناموزوں ہے۔

۱۲: سیر العارفين ص ۸۷۔

لیکن جب انھیں آپ کے ارادت مندوں کی کوشش سے آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کی سعادت نصیب ہوئی۔ تو آپ کی مختصر سی تقریر سنتے ہی بندہ بے دام بن گئے۔ اور ایسے معتقد ہوئے کہ پھر ساری عمر آپ ہی کی خدمت میں گزار دی۔ مولانا فخر الدین زرادئی، مولانا شمس الدین کھچی اور مولانا صدر الدین نادوی ایسے ہی بزرگوں میں سے ہیں جنھیں آپ سے اختلاف تھا لیکن انجام کار مرید و معتقد ہوتے اور منصبِ خلافت کو پہنچے اور خاصانِ خدا میں شمار ہوئے۔

یہ تو عملی زندگی کا ایک ہلکا سا خاکہ ہے اس کے علاوہ آپ کی تقریروں میں بھی وہ سب کچھ ہے جو تبلیغ کے لیے درکار ہے۔ تبلیغ میں بھی بات چیت اور گفتگو سے کام لیا جاتا ہے لیکن تبلیغی گفتگو میں اور عام بات چیت میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ تبلیغی گفتگو میں اگر توجہ سنی اور نسبت کا غلبہ نہ ہو اور عمل کی خرابی پر سٹول ہونے کے بعد دل سے بات نہ نکلے۔ تو وہ کارگر نہیں ہوتی۔ اور خاک میں بھی اس کا اثر نہیں ہوتا۔ چنانچہ آپ نے بارہا اس حقیقت کی طرف راہ نمائی فرمائی ہے اور نئے نئے اسلوب میں اس گرسے آگاہ فرمایا ہے چنانچہ آپ نے فرمایا:

”نصیحت زبانِ قال سے نہیں زبانِ حال سے مؤثر ہوتی ہے۔“

اور زبانِ حال سے مراد وہ گفتگو ہے جس میں حسنِ عمل کی تاثیر اور نسبت و توجہ کا غلبہ پوری

شدت سے شامل ہو۔

آپ نے فرمایا:

۱۔ سیر الاولیاء ص ۲۶۲ ص ۲۲۳ چ

۲۔ ایضاً

۳۔ فوائد الفوائد جلد ۴ ص ۱۹

جو بات کوئی صاحبِ نفوذ تلقین کرتا ہے تو اس پر عمل کرنے سے عجب

لذت نصیب ہوتی ہے یہ

بلکہ توفیق عمل بھی نصیب ہوتی ہے۔

آپ نے یہ بھی فرمایا ہے :

جس کا معاملہ درست نہیں اس کے کلام میں اثر نہیں ہوتا یہ

آپ نے یہ بھی فرمایا ہے :

جو بھی مقاماتِ اعلیٰ پر پہنچا ہے حسنِ عمل ہی کی برکت سے پہنچا ہے

اور اگرچہ فیضِ ایزدی شامل حال رہتا ہے لیکن خود بھی کوشش و اجتہاد سے

کام لینا چاہیے یہ

آپ نے یہ بھی فرمایا ہے :

جس لباس میں بھی ہو سکے راہِ حق میں آجانا چاہیے آخر کار کام بن ہی

جاتا ہے یہ

آپ نے یہ بھی فرماتے تھے :

صحابہ کرامؓ علم حاصل کرنے اور شریعت کے احکام سیکھنے کے لیے نبی کریم

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے اور جب سیکھ کر

۱۔ فوائد الفواد جلد ۱ ص ۱۳

۲۔ فوائد الفواد جلد ۲ ص ۷۹

۳۔ فوائد الفواد جلد ۱ ص ۷

۴۔ فوائد الفواد جلد ۲ ص ۱۳۳

۵۔ فوائد الفواد جلد ۲ ص ۲

واپس جاتے تو جو کچھ وہ سیکھتے اس سے دوسروں کی راہ نمائی کرتے یعنی انھیں بھی سکھاتے تھے یہ

آپ یہ بھی فرماتے تھے :

عبادت کی دو قسمیں ہیں، ایک لازم دوسری متعدی۔

لازم یہ ہے کہ اس کا فائدہ کرنے والے ہی کے لیے ہو جیسے نماز ہے،

روزہ ہے حج ہے۔ درود و وظائف ہیں، تسبیحات ہیں۔

اور متعدی یہ ہے کہ اس سے دوسروں کو فائدہ پہنچے۔ بندگانِ خدا کے

ساتھ انسانی ہمدردی کا سلوک روا رکھا جائے۔ اڑے وقت میں مدد کی جائے

اور مہربانی سے پیش آیا جائے۔ اس کا ثواب بے حد اور بے انتہا ہے۔

لازمی عبادت کے لیے خلوص بھی درکار ہے۔ جب ہی وہ مقبول ہوتی

ہے لیکن متعدی عبادت ہر طرح مقبول ہوتی ہے اور کرنے والے کو ثواب

ملا ہے یہ

آپ نے یہ بھی فرمایا ہے :

علماء جو دعوت (تبلیغ و عمل) زبان سے دیتے ہیں مشائخ و ہی دعوت عمل

سے دیتے ہیں یہ

اور عمل سے دعوت دینے کا مدعا یہ ہے کہ وہ مخاطب کو توجہ اور نسبت کے غلبے کے اثر سے

متاثر کرتے ہیں اور توجہ و نسبت کو مجاہد سے اور ریاضت سے تقویت بخشتے ہیں۔ اور اس عمل

کی ہدایت آپ نے وصال کے بعد بھی عالم رویا میں فرمائی ہے۔ پناہ پھر شیخ عزیز الدین نامی

۱: فوائد الفوائد جلد ۲ ص ۲۰۰

۲: فوائد الفوائد جلد ۱ ص ۱۲

۳: سیر الاولیاء ص ۳۲ چ

ایک بزرگ آپ کے اراتمدول میں تھے جو عزیز الملتہ والدین کے معزز لقب سے یاد کیے جاتے تھے۔ اور حضرت محبوب الہی کے وصال کے بعد آپ کے جماعت خانے میں امامت فرمایا کرتے تھے اور حاضرین سے بیعت تو یہ لیا کرتے تھے۔ ایک رات آپ نے حضرت محبوب الہی کو خواب میں دیکھا کہ آپ دریافت فرماتے ہیں: تم روزہ رکھتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا کہ حکم ہو تو رکھا کروں۔ آپ نے فرمایا: روزہ دل بدار (دل کا روزہ رکھا کرو) یہ خواب انہوں نے مخدوم نصیر الدین چراغ دلی کو سنایا اور دریافت فرمایا کہ روزہ دل سے کیا مراد ہے مخدوم نے فرمایا کہ تمہیں مراقبے کا حکم دیا ہے یہ اور یہ ظاہر ہے کہ مراقبے سے توجہ اور نسبت کو تقویت حاصل ہوتی ہے۔ اور بندگان خدا کو توبہ کے لیے آمادہ کرنے اور اس پر قائم رکھنے

۱۷: سیر الاولیاء ص ۴۰۱ چ

۱۸: امیر خورون نے ان کا ذکر حضرت محبوب الہی کے اقربا میں کیا ہے مگر یہ نہیں لکھا کہ رشتہ داری کیا تھی پھر اقربا میں خواجہ رفیع الدین ہارون کا ذکر سب سے پہلے ہے اور رشتہ بھی بتایا ہے کہ وہ پسر خواہر زادہ حقیقی تھے۔ مگر ان کا ذکر آخر میں بھی ہے اور رشتہ بھی نہیں بتایا ہے۔ اس سے یہ گمان ہوتا ہے کہ کچھ ایسی دور دراز کی رشتہ داری تھی جیسے سمدھیانے کی ہوتی ہے کہ اس میں دور کے تعلق کی بنا پر کوئی رشتہ قائم نہیں کیا جاتا ورنہ اگر کوئی حقیقی رشتہ ہوتا تو جس طرح خواجہ ہارون کے رشتے کا ذکر کیا ہے ان کے رشتے کا بھی ذکر کر دیتے۔ اس سے ظاہر ہے کہ کوئی جدی یا قریب کا رشتہ نہیں تھا۔

۱۹: سیر الاولیاء ص ۴۰۱ چ۔ ذکر نخی مراقبے سے متر متر بلند ہے۔ (سیر الاولیاء ص ۴۰۱ چ) دل کے اوپر کے دروازے تو ذکر بہر سے کھلتے ہیں اور دل کے نیچے کے دروازے ذکر نخی سے کھلتے ہیں۔ (القول الجلیل ص ۵۲)

۲۰: تنہائی میں یکسوئی کے ساتھ خدا سے تعالیٰ کی ذات یا صفات یا اسم اعظم (اللہ) کے تصور میں محو رہنے کو مراقبہ کہتے ہیں۔



کے لیے اس قوت کا ہونا ضروری ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ کے پوتے حضرت عبدالاحد و حدیث فرماتے ہیں کہ میں اوائل حال میں بندگانِ خدا اور طالبانِ حق کو توبۃ النصوح کی تلقین کیا کرتا تھا۔ اس میں مجھے بہت ہی شغف تھا۔ ایک رات خواب میں میرے شیخ محترم نے فرمایا کہ توبہ کرانے کا طریقہ یہ ہے کہ طالب کو اس طرح متاثر کیا جائے کہ باطنی نسبت کا پورا پورا غلبہ ہو جائے۔ جب یہ کیفیت ہوگی تو وہ خود بخود تائب ہو جائے گا۔ اس دن سے میں نے توبۃ النصوح کی تاکید کرنے سے پرہیز کر لیا اور نسبت و توجہ سے کام لینے لگا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ یہ مختصر سی معلومات جو یہاں فراہم کی گئی ہیں، عشرِ عشیر بھی نہیں ہے لیکن اسی سے یہ بخوبی ظاہر ہے کہ تبلیغ کی جانب آپ کی خاص توجہ تھی۔ آپ اس کو متعدی عبادت تصور کرتے تھے جس میں ہر طرح ثواب ملتا ہے چاہے اخلاص ہو یا نہ ہو۔ آپ اس کی عظمت و اہمیت سے خوب آشنا تھے۔ اور اس کام کے نشیب و فراز سے اچھی طرح واقف تھے۔ اور اس میں آپ کو خصوصی تجربہ بھی تھا۔

غیر مسلموں پر بھی نظر رہتی تھی۔ اور ان کے مزاج و طبیعت سے بھی آپ آگاہ تھے اور اس سے بھی واقف تھے کہ کس طرح کس کی اصلاح ہو سکتی ہے۔ مسلمانوں کے حال پر بھی نظر تھی اور توجہ اور نسبت کے غلبے سے کام لینے میں کمال حاصل تھا۔ ذرا سی توجہ سے کٹر سے کٹر کو اپنا بنا لیتے اور رام کر لیا کرتے تھے۔ اور مریدین و معتقدین کو تبلیغ کے گڑ بھی تلقین فرماتے تھے اور وہ سب ان پر عمل کرتے تھے۔ اور اس کا خاطر خواہ نتیجہ یہ ہوا کہ رحمت کی ایک فضا بن گئی۔ اور ہر سمت سے اللہ کے نام کی آوازیں بلند ہونے لگیں۔

## تبلیغی سرگرمیاں

حضرت محبوب الہیؒ کے عہد کی تبلیغی سرگرمیوں کا ذکر ملتا تو ہے لیکن جیسے جیسے اور متفرق بہر حال مشہور مورخ ضیاء برنیؒ نے جو کچھ چشم دید حالات لکھے ہیں۔ تبرکاً ان ہی کو یہاں پیش کیا جاتا ہے اور وہ یہ ہیں :

حضرت محبوب الہیؒ نے اپنی بیعت و ارادت کا دروازہ سب ہی کے لیے کھول رکھا تھا اور آپ خود اپنے ارادے سے انھیں قبول فرماتے تھے اور خاص و عام، امیر و غریب، بادشاہ و فقیر، پڑھے لکھے اور ان پڑھ، شہری و دیہاتی، عالم و جاہل، شریف اور بازاری، غازی و مجاہد، آزاد و غلام سب ہی کو توبہ کراتے، مسواک و کلاہ دیتے اور خرقہ عطا فرماتے تھے لہذا گروہ کے گروہ جو اپنے کو حضرت کا مرید سمجھتے تھے۔ برایتوں سے پوری پوری طرح پرہیز کرتے تھے اور شیخ کے مرید ہونے کی شرم سے کھلم کھلا برایتوں سے باز رہتے تھے۔ اور اگر کسی سے غلطی ہو جاتی تو وہ تجدید بیعت کرتا۔ اور خرقہ توبہ سے سرفراز ہوتا تھا۔

عام آدمی تقلیداً اور اعتقاداً اطاعت و عبادت کی طرف مائل ہوتے

۱۔ حضرت محبوب الہیؒ نے ضیاء برنی کے دریافت کرنے پر فرمایا چونکہ بندگان خدا مجھ سے بیعت ہونے کے بعد صوم و صلوٰۃ کے پابند ہو جاتے ہیں اور نیک کاموں میں مشغول رہنے لگتے ہیں۔ اس لیے میں بیعت کرنے میں تکلف نہیں کرتا۔ (سیر الاولیاء ص ۲۳۶ چ)

۲۔ تجدید بیعت سے خلل بھی رفع ہو جاتا ہے۔ اور جس مقام پر ہوتا ہے۔ اس میں سبکی بھی پیدا ہو جاتی ہے بلکہ عروج کرنے کی استعداد نصیب ہوتی ہے۔

رہتے تھے۔ عورت، مرد، بڑھے، جوان، بچے بالے اور نوکر چاکر سب ہی نماز روزے کے عادی ہو جاتے تھے۔ اور بیعت ہونے والے تو اکثر چاشت اور اشراق کی نماز کی پابندی کیا کرتے تھے۔ ہزار ہزار دو دو ہزار کوس سے چھوٹے بڑے بڑھے جوان، عالم اور جاہل سب ہی ملاقات کی آرزو میں حضرت کی خدمت میں حاضر ہوتے اور فیض پاتے تھے۔

اکثر نیک بختوں نے غیاث پور تک جا بجا چبوترے بنوا دیئے تھے۔ چھپر ڈلوادیئے تھے کنویں کھدوا دیئے تھے۔ بدھنیاں رکھوا دی تھیں اور پانی کے ٹکے بھی رکھوا دیئے تھے۔ بورتیے بچھوا دیئے تھے اور حافظ و خادم مقرر کر دیئے تھے تاکہ مرید ہونے والے، توبہ کرنے والے اور نوکار جو بھی حضرت کے دروالت پر حاضر ہوں وہ آرام سے وضو کریں اور نماز کے وقت اطمینان سے نماز پڑھیں۔

چنانچہ چبوتروں میں اور چھپروں میں جو سہراہ تھے نفل نمازیں پڑھنے والوں کا ہجوم رہتا تھا بلکہ اکثر چاشت، اشراق اور نماز زوال کی

۱۔ گویا کہ جماعتوں کی نفل و حرکت سے عام خلقت بھی متاثر ہوتی تھی اور مخلوق کو عمل کی توفیق بھی نصیب ہوتی تھی۔

۲۔ نماز چاشت کو نماز صبحی بھی کہتے ہیں۔ چاشت کا وقت دھوپ میں حرارت اور گرمی پیدا ہونے کے وقت سے دوپہر تک ہے۔ چاشت کی نماز چار رکعت بھی ہے اور بارہ رکعات بھی ہے۔

۳۔ نماز اشراق سورج نکلنے کے بعد سے دھوپ میں گرمی پیدا ہونے تک اشراق کا وقت ہے اشراق کی نماز کم سے کم دو رکعات ورنہ چھ اور آٹھ بھی ہیں۔

۴۔ نماز اوابین، مغرب کی نماز کے بعد ہی نماز اوابین کا وقت ہے۔ چار رکعات (بقیہ صفحہ ۱۰۸ پر)

رکعتوں کے متعلق گفتگو رہتی تھی۔ اور یہ باتیں بھی ہوتی رہتی تھیں کہ کس کس رکعت میں کون کون سی صورتیں اور کون کون سی آیتیں پڑھنی چاہئیں۔ اور پنج وقتہ نمازوں کے بعد اور نفل نمازوں کے بعد کون کون سی دعائیں پڑھنی چاہئیں۔ غیاث پور آتے جاتے وقت اکثر نئے مرید حضرت کے پرانے مریدوں سے یہ بھی دریافت کرتے رہتے تھے کہ شیخ رات کو کتنی رکعتیں پڑھتے ہیں اور ہر رکعت میں کیا کیا پڑھتے ہیں اور عشاء کے بعد کتنی بار درود شریف پڑھتے ہیں۔ اور شیخ فرید اور شیخ بختیار رات دن میں کتنی بار درود شریف پڑھا کرتے تھے اور

(بقیہ صفحہ ۱۰۷) چھ رکعات بارہ رکعات اور بیس رکعات ہیں جتنی بھی پڑھ سکے پڑھے۔ (غنیۃ الطالبین) ۱۰۷ : نماز زوال سورج ڈھلنے کے بعد اور ظہر سے پہلے نماز زوال کا وقت ہے۔ زوال کی نماز چار رکعات ہے۔ سورہ فاتحہ کے بعد سورہ اخلاص۔ ۵ بار یا ۱۰ بار یا ۳ بار پڑھنی چاہیے۔ ۱۱ : یہ اشارہ ہے کہ اس طرف آنے والوں کے ہمراہ پرانے مرید بھی ہوتے تھے جو شکم اور امیر جماعت کی خدمات انجام دیتے تھے۔

۱۲ : حضرت محبوب الہی اپنے معمولات سے کسی کو آگاہ نہیں ہونے دیتے تھے تاہم اتنا علم میں آیا ہے کہ عشاء کے بعد آپ ہزار بار درود شریف اور ہزار بار سورہ اخلاص پڑھا کرتے تھے۔ اور وہی درود شریف پڑھتے تھے جو خواجہ قطب الدین بختیار کاکی پڑھتے تھے اور اس کے علاوہ بھی۔ نیز امام غزالی کی جو اہل القرآن ڈھائی پارہ اور حرز میانی اور حرز کافی وغیرہ روزانہ پڑھتے تھے۔ (سیر الاولیاء ص ۳۸۳ چ)

۱۳ : خواجہ قطب الدین بختیار کاکی ہر شب کو ہزار بار یہ درود شریف پڑھا کرتے تھے :

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَنَبِيِّكَ وَحَبِيبِكَ وَ  
رَسُولِكَ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ وَعَلَى آلِهِ وَسَلَّمَ ط

(سیر الاولیاء ص ۳۸۳ چ)

کتنی بار سورہ اخلاص پڑھتے تھے۔ اور روزوں کے متعلق اور نفلوں کے متعلق اور کم کھانے کے متعلق بھی دریافت کرتے رہتے تھے۔ اور کتنے ہی ایسے تھے جنہیں قرآن پاک یاد کرنے کا شوق ہو گیا تھا۔ اور نئے مرید پرانے مریدوں کی صحبت میں رہ کر دین سیکھتے رہتے تھے۔

پرانے مرید اکثر طاعت و عبادت ترک و تجرید میں مشغول رہتے سلوک کی کتابیں پڑھتے اور مناسخ کے حالات و معاملات بیان کرتے رہتے گناہ کاری اور دنیا داری کی باتوں کا تذکرہ ہی کیا بلکہ وہ تو عیب و گناہ کی باتوں سے ایسا پرہیز کرتے تھے جیسے کوئی کفر سے پرہیز کرتا ہے۔

نیک کاموں کا اثر اس قدر چھا گیا تھا کہ بڑے بڑے شاہی منصب دار جو حضرت کے مرید تھے چاشت اور اشراق کی نمازیں پڑھتے اور ایام بیض کے روزے رکھتے تھے۔ اور کوئی محلہ ایسا نہ تھا کہ جہاں مہینے بیس دن میں صالحین کی مجلس نہ ہوتی ہو۔ اور سماع نہ ہوتا ہو اور گریہ و زقت سے کیف حاصل نہ کیا جاتا ہو۔

حضرت کے اکثر مرید تراویح کی نماز پڑھتے اور گھروں میں اور مسجدوں میں پورا پورا قرآن پاک سنتے تھے۔ اور جو زیادہ پختہ ہو گئے تھے، وہ جمعہ کی رات میں اور رمضان المبارک کی راتوں میں رات بھر جاگتے اور نمازیں پڑھتے رہتے تھے۔ اور بہت سے ایسے تھے جو دو تہائی رات اور تہائی رات اور سو تہائی رات ہمیشہ ہی جاگتے اور عبادت الہی میں مشغول رہتے تھے اور بعض بزرگ تو

۱: ایام بیض کے روزوں سے مراد ہے ہر مہینے کی ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶ اور ۱۷ روزہ رکھنا۔

۲: آپ کے ہاں نماز تراویح میں صرف سورہ اخلاص پڑھی جاتی تھی۔ (سیر الاولیاء ص ۳۸ چ)

عشاء کے دنوں سے صبح کی نماز پڑھا کرتے تھے۔

حضرت کے بعض مرید جنہیں میں خوب جانتا ہوں حضرت کی توجہ کی برکت سے صاحب کشف و کرامت ہو گئے تھے۔ غرض کہ شیخ کی برکت سے اور شیخ کے ارشادات کی برکت سے اور شیخ کی مقبول دعاؤں کی برکت سے خواص عوام کے دل نیکی کی طرف مائل ہو گئے تھے۔ اور اکثر مسلمان عبادت و ریاضت اور ترک و تجرید کے اعمال میں مشغول رہتے تھے نیز وہ حضرات جو شیخ سے وابستہ تھے طریقت اور سلوک کی کتابوں کے مطالعہ میں لگے رہتے تھے اور کتاب قوۃ القلوب، احیاء العلوم، ترجمہ احیاء العلوم، عوارف المعارف، کشف المحجوب، رسالہ قشیریہ، مرصاد العباد، مکتوب عن القضاة، لوائح اور لوا مع قاضی حمید الدین ناگوری اور فوائد القواد (مفوفات شیخ) کے بکثرت خریدار پیدا ہو گئے تھے۔

رات دن خلقت کی آمد و رفت رہتی تھی۔ مرید ہوتے تھے۔ اور کوئی بھی ایسا نظر نہ آتا تھا جس کے سیافحہ میں مسواک اور گنگھی نہ ہو۔ اور یہ بات بھی مشہور تھی کہ عمد علانی میں جو بھی خیر و برکت تھی اور جو بھی فتح و نصرت نصیب ہوتی اور جتنا بھی احکام شریعت و طریقت کو فروغ ہوا۔ وہ سب شیخ الاسلام نظام الدین غیاث پوری ہی کی برکت سے ہوا جو ایک عالم کے مقدا قطب وقت اور غوث زمانہ ہیں۔

غلہ نہایت اڑاں تھا۔ اشیاء کے نرخ مقرر تھے۔ عام ضرورت کی چیزوں کی قیمتیں کم تھیں۔ امیروں کی مطلوبہ چیزوں کی قیمتیں زیادہ اور کیا مجال کہ کوئی کم و بیش کر سکے۔ عبادت گاہیں بکثرت تعمیر ہو گئی تھیں۔ ملک میں امن و امان تھا اور

۱۔ مسجد بیگم پور اور مسجد کھرکی کو فیروز شاہ کے وزیر خان جہاں کے نام سے منسوب کرنا صحیح نہیں۔ (دہلی کی ۲ سو برس کی تاریخ (برنی ص ۲۵))

قافلے امن و امان کے ساتھ نقل و حرکت کرتے رہتے تھے۔ فسق و فجور اور گناہ کے کاموں سے دل بیزار ہو چکے تھے۔ دلی کے گرد و نواح میں شراب و شاپد کا تو نام و نشان بھی نہیں رہا تھا۔

سلطان علاء الدین خلجی دل سے حضرت کا معتقد اور مخلص تھا اور اس کے اہل خانہ بھی آپ کے معتقد تھے اور اس نے اپنے دونوں لڑکوں شادی خاں اور حضرت خاں کو حضرت کا مرید کرا دیا تھا۔ اور خود بھی مشکلات کے وقت حضرت سے استمداد کا خواہاں ہوتا تھا اور اس نے کبھی حضرت کے متعلق ایسی بات زبان سے نہیں نکالی جو حضرت کے شایانِ شان نہ ہو۔

غرض کہ حضرت محبوبِ الہی کی تبلیغی سرگرمیوں کا یہ عالم تھا کہ گوشے گوشے سے اللہ کے نام کی صدائیں بلند ہونے لگی تھیں۔ اس کے علاوہ اس زمانے میں جو عرس کی مجلسیں ہوتی تھیں وہ آج جیسی نہیں ہوتی تھیں اور یہ جو اجیر شریف کو چھڑیاں جاتی ہیں ان کا بھی یہ رنگ نہیں تھا، جو آج ہے۔ بلکہ اصح مقصد ان کاموں کا یہ تھا کہ خدا کے نیک بندے دینی سعادت حاصل کرنے کی غرض سے سفر کریں۔ اور ان کی نقل و حرکت کی برکت سے جو بستیاں راستے میں پڑیں۔ وہ بھی متاثر ہوتی رہیں۔ اور دین کا اور دینی اعمال کا عام رواج ہو جائے۔

اس زمانے کے حالات کے مطابق سفرِ جماعتی شکل ہی میں کیے جاتے تھے۔ الگ الگ کوئی سفر نہیں کرتا تھا۔ اس لیے جماعتی تشکیل کی صورتیں خود بخود مہیا ہو جاتی تھیں لیکن ان کے علاوہ تبلیغی مقصد کے پیش نظر جماعتیں بھی بھیجی جاتی تھیں اور تبلیغی کام کے لیے علاقے بھی مقرر تھے۔ جنہیں اس زمانے میں ولایت کہتے تھے۔ آج کل انھیں مرکز

۱۔ یہ جملہ معلومات تاریخ فیروز شاہی برنی (فارسی مطبوعہ کلکتہ ۱۲۶۹ھ) کے صفحات ۳۲۵، ۳۲۲،

۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸ سے فراہم کی گئی ہیں۔

کہتے ہیں۔

حضرت محبوب الہی کی بھیجی ہوئی جماعتوں میں تاریخی اور یادگار جماعتیں وہ ہیں جو مولانا مفتاح الدین زر نجش اور مولانا برہان الدین غریب کی سرکردگی میں دکن بھیجی گئی تھیں جن میں سے پہلی سات سو پڑھ اور دوسری چار سو عمریدوں پر مشتمل تھی اور اسی میں خواجہ گیسو دراز سید محمد حسینی کے والد سید یوسف بھی تھے اور خواجہ گیسو دراز بھی تھے اور اس وقت ان کی عمر چار پانچ سال کی تھی اور خواجہ گیسو دراز کی والدہ محترمہ بھی تھیں۔ اس کے علاوہ بھی جماعتوں کی نقل و حرکت کا سراغ ملتا ہے۔ نیز وہ صاحب خدمت بھی تھے جو شیخ کے حکم سے مختلف مقامات پر مقرر تھے اور شیخ کی قائم مقامی کی خدمت انجام دیتے تھے۔ اور اگرچہ روزانہ ہی آمد و رفت کی کثرت رہتی تھی۔ اور دور نزدیک سے معتقدین حاضر خدمت ہوتے رہتے تھے۔ لیکن سال میں ایک بار بہت ہی بڑا اجتماع ہوا کرتا تھا کہ ۵۰ محرم کو حضرت محبوب الہی کی خانقاہ میں حضرت بابا فرید گنج شکر کا عرس ہوتا تھا اور اس اجتماع میں ہندوستان بھر

۱۰ تاریخ فرشتہ جلد ۲ ص ۲۰۲

۱۱: کیفیہ ص ۲۹، ۳۰ بحوالہ دیباچہ معراج العاشقین ص ۲۰

۱۲: ابوالفتح صدر الدین سید محمد حسینی جو خواجہ گیسو دراز کے نام سے مشہور ہیں۔ مخدوم نصیر الدین چراغ دلی کے خلیفہ اعظم ہیں۔ شیخ کی وفات کے بعد دکن تشریف لے گئے۔ ۱۶ ذی قعدہ ۸۲۵ھ میں وصال ہوا۔ مزار پر انوار گلبرگہ میں ہے۔

۱۳: مولانا جمالی نے لکھا ہے: حضرت محبوب الہی نے مولانا انجی سراج کو بنگال کے لیے اور شیخ یعقوب کو گجرات کے لیے اور مولانا برہان الدین غریب کو دکن کے لیے مقرر فرمایا تھا۔ (سیر الغارین ص ۹۱، ۹۲)

۱۴: خانقاہ شریف میں جو مقبرہ ہمایوں کے متصل ہے حضرت بابا فرید گنج شکر کا عرس تو اب بھی کیا جاتا ہے لیکن دس بیس آدمیوں ہی کا مجمع ہوتا ہے۔



سے اولیاء اللہ مشائخ، علماء اور معتقدین و مرید آتے تھے۔ ضیاء برنی کا بیان ہے کہ دروازے سے آنے والوں کی اتنی کثرت ہوتی تھی کہ نہ کبھی سسئی اور نہ کبھی دیکھی اور یہ سب حضرت محبوب اللہ کی صحبت سے فیض پاتے اور ہدایت حاصل کرتے تھے اور یہ کیفیت ہوتی کہ بلا مبالغہ یہ کہنا پڑتا ہے کہ ہدایت کا تو گویا آپ ہی پر خاتمہ ہو گیا ہے۔

زیر فن مطلب بلند نامی

کہ ختم شدہ است بر نظامی

الغرض یہ حالات تھے حضرت محبوب اللہ کی تبلیغی سرگرمیوں کے۔ ان کے ذکر ہی میں وہ لذت ہے کہ بیان نہیں کی جاسکتی۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہدایت کے نور کا دریا ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔ اور زمین اپنے رب کی جوت سے جگمگا اٹھی ہے۔ سبحان اللہ! کیا کیفیت کا عالم تھا۔ لیکن وہ مقدس مقامات جو تبلیغ اور دینی فروع کے مرکز تھے، آج نہ پوچھتے کہ ان کی حالت کیا ہے، وہ زبان حال سے گویا خاقانی کا یہ شعر پڑھ رہے ہیں۔

ما بارگہ دادیم این رفت ستم بر ما

بر قصر ستمگاراں آیا پھر رود خذلان

## حسدانہ سازشیں

حضرت محبوب اللہ کی خدمت میں شہزادے امرار اور بڑے بڑے منصب دار بھی حاضر ہوتے تھے۔ اور علماء و مشائخ بھی بغرض کہ رات دن ایک ہجوم رہتا تھا۔ اور یہی نہیں بلکہ بادشاہ تک حاضری کے آرزو مند رہتے تھے۔ پیناچہ سلطان جلال الدین خلجی نے حاضر خدمت ہونا چاہا لیکن آپ نے منظور نہیں فرمایا۔ اس مقبولیت سے حاسدوں کے

۱۰۔ یہ شعر بھی ضیاء برنی ہی نے نقل کیا ہے۔

دل میں حسد کا کانٹا کھٹکنے لگا اور وہ درپے آزار رہنے لگے اور یہ کوشش کرنے لگے کہ جس طرح بھی بن پڑے۔ ایسا کیا جائے کہ آپ کی یہ عزت و مقبولیت نہ رہے اور ہمارے ہی جیسے ہو جائیں۔

اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے انھوں نے سب سے پہلے سلطان علاء الدین خلجی کو ابھارنے کی کوشش کی اور یہ کہہ کہہ کر درغلا یا کہ مولانا نظام الدین ایک عالم کے مقدمات بنے بیٹھے ہیں اور اکثر منسوب دار اور علماء و مشائخ اور بکثرت عوام ان کے معتقد ہیں۔ اور کوئی بھی ایسا نہیں جو ان کے در کی خاک کو سرمہ چشم نہ سمجھتا ہو ان کا دسترخوان بھی بہشتی دسترخوان ہوتا ہے جس پر طرح طرح کی نعمتیں اور قسم قسم کے کھانے ہوتے ہیں اور اس مقبولیت سے یہ اندیشہ ہے کہ مبادا سلطنت میں کوئی خلل واقع ہو۔ کیونکہ بعض بادشاہوں کی سلطنت میں ایسے ہی حالات ہی سے انقلاب آیا ہے۔

الغرض جب اس طرح خوب کان بھر دیتے گئے تو سلطان علاء الدین خلجی نے بھی

۱۔ سلطان علاء الدین خلجی ۶۹۵ھ میں سلطان جلال الدین خلجی کو قتل کرانے کے بعد تخت نشین ہوا۔ کوئی پچیس برس بڑے دہد بے سے حکومت کی۔ بڑا ہی خوش نصیب بادشاہ تھا۔ کبھی کسی لڑائی میں شکست نہیں کھائی۔ ان پرچھ ہونے کے باوجود ملکی انتظام کا بڑا سلیقہ تھا۔ بنگال سے گجرات تک اور پنجاب سے دکن تک پورے ملک میں امن و امان تھا۔ تاناریوں کو اتنی سخت شکست دی کہ پھر انھوں نے ہندوستان کی طرف رخ نہیں کیا۔ رشوت ستانی اور شراب نوشی کا نام و نشان تک بھی نہیں رہا تھا۔ اشیاء کی قیمتیں مقرر تھیں جن کے خلاف خرید و فروخت کی کسی کو بھی مجال نہ تھی۔ عام ضرورت کی چیزیں سستی اور امیروں کے استعمال کی چیزیں مہنگی تھیں۔ رعایا خوشحال تھی اور ہر طرف نیکو کاری کا غلغلہ تھا۔ ۷۱۵ھ میں بیمار ہو کر مرا۔ اس کے بعد ملک نائب کا فوراً کچھ دن قابض رہا پھر اس کے چھوٹے لڑکے قطب الدین مبارک خلجی نے سلطنت حاصل کر لی۔

سوچا کہ ممکن ہے ان کا یہ اندیشہ ٹھیک ہو لہذا کوئی ایسی تدبیر کرنی چاہیے کہ جو کچھ بھی ہے اس کا پتہ چل جاتے تاکہ پہلے ہی سے اس کا تدارک کر لیا جائے۔ لہذا اس نے ایک مضمون تیار کرایا جو حکومت اور حکمرانی کے متعلق تھا۔ اور شہزادہ خضر خاں کی معرفت آپ کی خدمت میں بھیجا۔ اور یہ بھی کہلا کر بھیجا کہ آپ دین و دنیا کے بادشاہ ہیں۔ اور دنیوی حکومت مجھے سونپی گئی ہے لہذا یہ مناسب ہے کہ سلطنت کے متعلق جو مشکلات درپیش ہوں، وہ آپ کی خدمت میں عرض کروں اور آپ کے مشورے کے مطابق عمل کروں تاکہ سب ہی کا بھلا ہو۔

عرض کہ شہزادہ خضر خاں یہ مراسلہ لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور آپ کی خدمت میں پیش کیا اور جو کچھ زبانی کہلا کر بھیجا تھا وہ بھی عرض کیا۔ آپ نے وہ مراسلہ لے تو لیا لیکن کھولا اور پڑھا نہیں بلکہ حاضرین سے مخاطب ہو کر فرمایا: ہم فاتحہ پڑھتے ہیں۔ سب شریک فاتحہ ہو گئے۔ فاتحہ کے بعد آپ نے شہزادے سے فرمایا:

درویشوں کو راج دربار کے کاموں کا کیا سلیقہ۔ میں ایک درویش ہوں اور شہر سے الگ ایک کونے میں پڑا ہوں۔ اور بادشاہ کے لیے اور رعایا کے لیے دعائیں مشغول ہوں۔ اس کے باوجود بھی اگر بادشاہ کا حکم ہو تو اللہ کی زمین وسیع ہے۔ میں کہیں اور چلا جاؤں گا۔

جب شہزادہ خضر خاں نے بادشاہ کو یہ جواب سنایا تو وہ بہت خوش ہوا اور اس نے کہا کہ میں خوب جانتا تھا کہ ان باتوں سے آپ کو ذرا بھی نسبت نہیں، اور یہ دشمن مجھے مردان خدا سے بھڑانا چاہتے ہیں جو میری ہلاکت اور ملک و سلطنت کی تباہی کا باعث ہے۔ اس کے بعد بادشاہ نے معذرت چاہی اور معافی مانگی اور حاضر ہونے کی اجازت بھی طلب کی۔ مگر آپ نے حاضر کی اجازت نہیں دی۔ تاہم حاسدوں کی کوششیں

۱۔ تاریخ نظامی ص ۲۲ پر آپ کی تقریر کو مسخ کر کے لکھا ہے۔ (بقیہ ص ۱۰۷ پر)

اکام ہو کر رہ گئیں۔

اس کے بعد حیب سلطان قطب الدین مبارک نے خلجی کا دور آیا تو حاسدوں نے پھر اپنا کام شروع کر دیا سلطان نے ان ہی دنوں میں شہر سیری میں ایک جامع مسجد بنوائی تھی جس کا نام مسجد میری رکھا تھا۔ جب وہ اتنی بن گئی کہ اس میں نماز پڑھی جاسکے تو بادشاہ نے علماء و

(بقیہ صفحہ ۱۱۵) لے، سیرالاولیاء ص ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵ نیز تاریخ نظامی ص ۲۸، ۲۹ میں اس واقعہ کو مسخ کر کے لکھا ہے۔

۱۔ سلطان علاء الدین خلجی کے بعد ملک کا فور نائب الملک نے سلطنت پر قبضہ کر لیا تھا لیکن سلطان علاء الدین خلجی کے چھوٹے لڑکے سلطان قطب الدین مبارک خلجی نے تھوڑے ہی دنوں میں اس کو شکست دے کر سلطنت پر قبضہ کر لیا اور ۱۳۱۶ء میں تخت نشین ہو گیا۔ شروع میں بڑی مستعدی سے کام کیا اور کئی مہینے سرکھیں پھر راگ رنگ اور شراب نوشی بلکہ عیاشی میں مبتلا ہو گیا۔ بازاری عورتیں اور ڈوم ڈھاری مصاحب بن گئے۔ برسر دربار کھلے عام بیہودگیاں کرنے لگا۔ یہاں تک کہ شریفوں کو اور خاندانی امیروں کو اپنی عزت بچانی دوجہر ہو گئی۔ رات دن اپنے محبوب خروخاں کے اشارے پر ناچتا تھا۔ جو نہایت حسین اور خوبصورت نوجوان تھا اور اس کا اصلی نام منگو تھا۔ اور گجرات کی پنج ذات کا ہندو تھا۔ آخر کار اسی نے ۱۳۲۰ء میں رات کے وقت قصر ہزارستون کی چھت پر جو بادشاہ کی خلوت گاہ تھی، بادشاہ کو قتل کر دیا اور اس کی لاش کو محل سرائے کے صحن میں پھینک دیا اور سر کو نیزے سے پر علم کرا دیا اور خود بادشاہ بن بیٹھا۔

(تاریخ ہندوستانی)

۲۔ سلطان علاء الدین خلجی نے قدیم دہلی کے شمال مشرق میں ایک قلعہ بنوایا تھا اور وہیں شکر گاہ بھی بنوائی تھی۔ یہ قلعہ نہایت مضبوط تھا۔ اور اس کی فصیل میں تاناری حملہ آوروں کے آٹھ ہزار سر جوئے تھے۔ مہولی روڈ اور متھاروڈ کے درمیان موضع شاہ پور جٹ کے پاس اس قلعہ کے آثار ملتے ہیں۔ یہ مقام ابتدا میں شکر گاہ تھا اور پھر شہر بن گیا تھا۔ (واقعات دارالحکومت دہلی) (بقیہ صفحہ ۱۱۶)

مشائخ اور ائمہ و صدور اور اکابر کے نام فرمان جاری کیا کہ وہ اس جمعہ کو مسجد میری میں نماز جمعہ پڑھیں۔ حضرت محبوب الہی کے پاس بھی فرمان پہنچا۔ مگر آپ نے کہلا بھیجا کہ ہمارے نزدیک ہی مسجد ہے اور وہی زیادہ مستحق ہے۔ ہم اسی میں نماز جمعہ پڑھیں گے۔ لہذا آپ مسجد میری میں تشریف نہیں لے گئے اور نزدیک ہی کی مسجد میں نماز جمعہ ادا فرمائی۔

اس کے علاوہ بادشاہ نے یہ کہ بھی لگائی تھی کہ ہر مہینے کی پہلی تاریخ کو تمام علماء و مشائخ اور ائمہ و صدور نئے مہینے کی مبارک باد دینے کے لیے بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا کریں لیکن حضرت محبوب الہی کبھی نہیں گئے البتہ اپنے خادم خواجہ اقبالؒ کو اپنی طرف سے بھیج دیا کرتے تھے۔ اور یہ بات دشمنوں کو اور حاسدوں کو بہت ہی کھٹکتی تھی۔ لہذا انھوں نے بادشاہ کو خوب درغلا یا یہاں تک کہ وہ حضرت محبوب الہی کو آزار پہنچانے کے لیے آمادہ ہو گیا اور اس نے یہ تہیہ کر لیا کہ آئندہ مہینے کی پہلی کو اگر آپ مبارک باد دینے کے لیے تشریف نہ لائے تو سخت بدسلوکی سے پیش آئے گا۔ اور اگرچہ اس قسم کی اطلاعوں سے سب ہی فکر مند تھے۔ مگر آپ کو ذرا بھی فکر نہ تھا اور آپ جانے کے لیے ذرا بھی آمادہ نہ تھے۔ آخر کار خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ چاند رات ہی کو اس کے محبوب خسرو خاں نے قصر ۱۰ ہزار ستون کی چھت پر سلطان کو قتل کر دیا۔ اور اس طرح یہ قصہ پاک ہو گیا اور

(بقیہ صفحہ ۱۱۶) ۱۰: یہ مسجد قدیم دلی (مہرولی) کی مسجد قوت الاسلام کے نمونہ پر بنوائی جا رہی تھی اور سفید سرخ اور سبز و سیاہ پتھروں سے تعمیر کی جا رہی تھی۔ ابن بطوطہ کا بیان ہے کہ اگر یہ مسجد بن جاتی تو ایسی مسجد کسی ملک میں نہ ہوتی۔ لیکن صرف ایک محراب اور ایک دیوار ہی بنی تھی کہ سلطان قطب الدین خلجی عیش و عیاشی میں مبتلا ہو کر قتل ہو گیا۔ (ترجمہ سفرنامہ ابن بطوطہ جلد ۲ ص ۲۴۰)

۱۱: سیر الاولیاء ص ۱۵۰ پاج

۱۲: خواجہ اقبال کا مزار حضرت امیر خسروؒ کے خطیرے سے جانب غرب ہے۔ (بقیہ صفحہ ۱۱۶ پر)

دشمن اور حاسد اپنا ساموٹھ لے کر رہ گئے۔

اس کے بعد جب سلطان غیاث الدین تغلق تخت نشین ہوا۔ تو حاسدوں نے پھر حسد کی آگ کو ہوا دینی شروع کی اور موقع پا کر بادشاہ کو درغلایا اور یہ کہا کہ مولانا نظام الدین ایک عالم کے مقتدا ہیں اور سماع بھی سنتے ہیں جو امام ابوحنیفہؒ کے مذہب میں حرام ہے اور ان کی وجہ سے بے شمار بندگان خدا اس نامشروع کام میں مبتلا ہیں۔

بادشاہ سماع کے حلال و حرام ہونے کے متعلق کچھ بھی نہیں جانتا تھا۔ اس لیے اس کو بڑا تعجب ہوا کہ اتنا بڑا شیخ جو ایک عالم کا مقتدا ہے، نامشروع کام کیسے کرتا ہے۔ بادشاہ

(بقیہ صفحہ ۱۱) ۱۱۰: قصر بزازستون سلطان علاء الدین خلجی نے بنوایا تھا جو قلعہ سیری میں تھا۔ یہ بھی عجیب خوبی مکان تھا۔ اسی میں ملک کافر کا قتل ہوا۔ پھر سلطان قطب الدین قتل ہوا اور پھر اسی جنگ خسرو خاں کو قتل کیا گیا۔ اور اسی میں سلطان غیاث الدین تغلق تخت نشین ہوا۔

۱۱۰: سیر الاولیاء ص ۱۵۱ پ ۱۵

۱۱۰: سلطان غیاث الدین تغلق خسرو خاں کو شکست دے کر اور قتل کر کے ۶۲۰ھ میں تخت نشین ہوا یہ دراصل دیپالپور کا صوبہ دار تھا جو اس زمانے میں بہت اہم سرحدی مقام تھا۔ یہ نہایت بہادر سپہ سالار تھا۔ اس نے بادشاہ ہوتے ہی ملکی حالات کو درست کیا اور پھلی بدانتظامی کو دور کیا۔ اور قلعہ تغلق آباد تعمیر کرایا جو نہایت سنگین قلعہ ہے اور پہاڑ بنا ہوا ہے۔ ۶۲۵ھ میں بنگال سے واپس آیا تو افغان لوہڑوں میں جشن استقبال کے لیے ایک مکان بنوایا گیا تھا، وہاں اترائیش منایا جا رہا تھا کہ چھت آپڑی اور دب کر مر گیا۔ یہ واقعہ ربیع الاول ۶۲۵ھ کو پیش آیا تھا۔

۱۱۰: امام بوہنیف کا نام نعمان بن ثابت تھا اور تابعین میں سے تھے۔ بہت بڑے فقیہ تھے اور عالم متقی تھے کوفہ کے رہنے والے تھے۔ مسلمانوں کا ایک بڑا گروہ آج تک آپ کو اپنا امام مانتا ہے۔ ۱۵ھ میں آپ کا وصال ہوا۔ مزار پر انوار بغداد میں ہے۔

کو ہم خیال بنانے کے لیے حاسدوں نے فتوے بھی پیش کیے اور کتابوں میں سے عبارتیں بھی پڑھ کر سنائیں۔ لہذا بادشاہ نے حکم دیا کہ مجلس مناظرہ منعقد کی جائے اور جملہ علماء و مشائخ اور اکابر و صدور کو بلایا جائے۔ اور مولانا نظام الدین کو بھی بلایا جائے۔ اور اس مسئلے پر تبادلہ خیال کیا جائے اور جو کچھ طے ہو جائے اس پر عمل کیا جائے۔ لہذا مجلس مناظرہ منعقد ہوئی۔ حضرت محبوب الہیؒ بھی اس میں تشریف لے گئے۔ اور خوب تبادلہ خیال ہوا۔ لیکن مخالفین کو منہ کی کھانی پڑی۔ اور اپنا سامنہ لے کر رہ گئے۔

رسیدہ بود بلا سے دلے بخیر گزشت

خلاصہ کلام یہ ہے کہ دشمنوں نے اپنی سی کرنی میں کسر تو رکھی نہ تھی، لیکن توفیق الہی سازگار تھی اس لیے بال بھی بانکانہ کر کے بلکہ خود ہی ذلیل و رسوا ہوئے اور بادشاہ نے آپ کو بڑی تعظیم و تکریم سے رخصت کیا۔

## سماع کیا ہے؟

سماع کہتے ہیں ان اشعار کے اچھی آواز میں سننے کو جو خدا کی یاد تازہ کرتے ہیں۔ حضرت محبوب الہیؒ نے سماع کے لیے کچھ شرطیں بھی قرار دی ہیں۔ اور یہ فرمایا ہے کہ جس سماع میں ان شرائط کی پابندی ہوگی وہ حلال ہے ورنہ نہیں۔ اور وہ شرطیں یہ ہیں :

۱۔ غائبانہ بادشاہ کو حاسدوں کی باتوں پر ان فتوؤں پر جو انھوں نے پیش کیے تھے اور ان عبارتوں پر جو انھوں نے پڑھ کر سنائی تھیں، اعتبار نہیں تھا۔ اسی لیے کوئی حکم نہیں دیتا تھا۔ تاریخ نظامی ص ۲۹، ۳۰ میں اس واقعہ کو مسخ کر کے لکھا ہے۔

۲۔ سیر الاولیاء ص ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰ پر

۳۔ کشف المفاتیح، قلمی ص ۷۳

۴۔ فوائد الفوائد جلد ۵ ص ۲۲۶

- (۱) گلگانے والا نہ تو لڑکا ہو اور نہ عورت، بلکہ مرد ہو اور پورا مرد۔
- (۲) اشعار فحش و ہزل نہ ہوں یعنی اشعار میں دنیوی خیالات نہ ہوں۔ بلکہ ایسے ہوں جن سے خدا کی یاد تازہ ہوتی ہو۔
- (۳) سننے والے خدا سے لو لگا کر سنیں۔ ان کے دل خدا کی یاد سے بھر پور ہوں دنیا کا خیال ذرا بھی نہ ہو۔ اگر دل دنیا کی طرف مائل ہے تو سماع حرام ہے۔

(۴) سماع میں مزامیر چنگ و رباب یعنی ساز و باجہ ہرگز نہ ہو۔ ایک وفد کسی نے آپ سے کہا کہ آپ کے مریدوں نے سماع کی محفل میں شرکت کی جس میں ساز و باجہ بھی تھا۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے منع کر رکھا ہے کہ سماع میں محرمات نہ ہوں مزامیر نہ ہو، ساز و باجہ نہ ہو۔ انھوں نے یہ اچھا نہیں کیا جو ایسی محفل سماع میں شرکت کی جس میں مزامیر بھی تھا۔

آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اگر کوئی اپنے مقام سے گرے تو شرع میں تو ٹھیرے اگر خدا نخواستہ شرع سے باہر گیا تو کہیں کا بھی نہ رہا۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ سماع اہل ذوق کا مشغلہ ہے اور وہ ساز و باجہ کے محتاج نہیں انھیں تو شعر ہی سے کیفیت حاصل ہو جاتا ہے بلکہ غرض کہ آپ نے دیر تک گفتگو فرمائی اور بہت کچھ فرمایا۔

ایک دفعہ اور حاضرین نے عرض کیا کہ آپ کے آستانے میں رہنے والے درویشوں نے سماع کی ایسی مجلس میں شرکت کی جس میں چنگ و رباب اور مزامیر (ساز و باجہ) بھی تھا۔ اور رقص بھی کیا۔ آپ نے فرمایا، انھوں نے اچھا نہیں کیا، کیونکہ جو خلاف شرع ہے وہ برا اور ناپسندیدہ ہے۔ ایک شخص نے یہ بھی کہا کہ جب وہ سماع سے فارغ ہوتے ہیں اور ان سے



کہا جاتا ہے کہ اس مجلس میں ساز و باجہ بھی تھا تم نے اس مجلس میں شرکت کیسے کی اور سماع کیوں سنا اور رقص کیوں کیا تو وہ یہ جواب دیتے ہیں کہ ہم تو سماع میں ایسے محو تھے کہ ہمیں ذرا بھی خبر نہیں کہ وہاں کیا تھا اور کیا نہیں۔ آپ نے فرمایا: یہ جواب بھی کچھ نہیں ہے۔ بلکہ یہ عذر تو ہر گناہ کے لیے کیا جاسکتا ہے۔

حضرت محبوب الہیؒ کے معزز خلیفہ مولانا فخر الدین زراویؒ لکھتے ہیں:

بعض مغلوب الحال نے تو شوق کے نعلیے میں مزا میر سے گانا سنا ہے لیکن

ہمارے مشائخ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اس تہمت سے قطعاً بری ہیں (ان کا سماع) صرف مخصوص قوال کی آواز ہوتی تھی ان اشعار کے ساتھ جو اللہ تعالیٰ کی صنعت کے کمال کی خبر دینے والے ہوتے تھے۔ بلکہ (ترجمہ)

الغرض حضرت محبوب الہیؒ جو سماع سنا کرتے تھے۔ وہ ان شرائط کے ساتھ ہوتا تھا۔ جو نقل کی گئی ہیں۔ اور وہ سماع کی مجلسیں ایسی نہیں ہوتی تھیں جیسی آج کل قوالی کی مجلسیں ہوتی ہیں کہ جن میں کسی شرط کی بھی پابندی نہیں ہوتی۔ بلکہ سامعین کا میلان حوص و ہوا کی جانب ہوتا ہے جو نامشروع ہے۔ اور آپ ہرگز ایسا سماع نہیں سنتے تھے جس کا آج کل رواج ہے۔ اور جو ذرا بھی جائز نہیں۔

۱۵: فوائد النواد جلد ۵ ص ۲۲۷

۱۶: کشف المفاح ص ۱۰۰ یہ کتاب عربی زبان میں ہے۔ اور سماع کے اصول پر نہایت جامع کتاب ہے۔ راقم نے اس کا اردو ترجمہ بھی کیا ہے اور مقدمہ بھی لکھا ہے جس میں مسند سماع اور محضر سماع کی پوری کیفیت لکھی ہے۔ اور مصنف کے حالات زندگی بھی لکھے ہیں۔ یہ کتاب اب عربی متن اردو ترجمہ اور مقدمہ پر مشتمل ہے۔ لائق مطالعہ ہے۔

(اخلاق)

## محضر سماع

سلطان غیاث الدین تغلق کی تجویز کے مطابق مسند سماع کے تصفیہ کے لیے مجلس مناظرہ منعقد کی گئی جسے اس زمانے میں محضر سماع سے تعبیر کیا جاتا تھا۔ اور اس میں کوئی ڈھائی سو جید علماء اور مشائخ اور صدور و اکابر نے شرکت کی۔ حضرت محبوب الہیؒ بھی تشریف لے گئے۔ اور قاضی محی الدین کاشانیؒ بھی ہوا استاد شہر تھے اور مولانا فخر الدین زرادعیؒ بھی جو اجہاد کا مرتبہ رکھتے تھے، آپ کے ساتھ ہو لیے اور ایوان شاہی میں پہنچ گئے۔

مجلس مناظرہ شروع ہونے سے پہلے ہی نائب حاکم قاضی جلال الدین نے نجی طور پر آپ سے بات چیت شروع کی پہلے تو نصیحت آمیز باتیں کرتے رہے۔ لیکن آخر میں لب لہجہ بدل گیا۔ اور ایسے الفاظ بھی کہہ گزرے جو حضرت کے شایان شان نہیں تھے۔ یہاں تک کہ یہ بھی کہا کہ اگر آج سے تم نے کسی کو مجلس سماع میں شریک ہونے کے لیے بلایا یا سماع سنا تو میں حاکم شرع ہوں، سخت بدسلوکی سے پیش آؤں گا۔ آپ کو یہ گفتگو سخت ناگوار گزری اور آپ نے کچھ عجیب کیفیت کے عالم میں فرمایا: جس منصب کے گھنٹہ پر تم یہ باتیں بنا رہے ہو۔ اس سے معزول ہو جاؤ۔ دچنانچہ وہ بارہ دن بعد اس منصب سے معزول ہو گیا اور حالت معزولی ہی میں مر گیا۔

الغرض مجلس مناظرہ کی کارروائی شروع ہوئی اور شیخ زادہ حسام الدین جام نے بڑی دھواں تفریر کی۔ جس کا خلاصہ یہ ہے: تمہاری مجلس میں سماع ہوتا ہے اور رقص کیا

۱۔ سیر العارفين ص ۸۹

۲۔ شیخ زادہ حسام نے حضرت محبوب الہیؒ کی خانقاہ میں پرورش پائی تھی لیکن نمک حرام اور بدبخت تھا۔ اپنے محسن کے احسان کا الٹا ہی شکریہ ادا کیا۔ (سیر الاولیاء)

جاتا ہے اور نعرے لگائے جاتے ہیں۔ غرض کہ اس نے اپنی تقریر میں بہت سی بے سرو پا باتیں کہیں۔ جن کا آپ کی مجالس سے کچھ بھی تعلق نہ تھا۔ جب وہ اپنی سی سب کچھ کہہ چکا تو حضرت محبوب الہیؒ نے جوابی تقریر میں صرف اتنا ہی فرمایا کہ مگر نہ مچاؤ اور زیادہ نہ لوبو، بس یہ بتاؤ کہ سماع کتے کسے ہیں اور سماع کے معنی کیا ہیں؟ بادشاہ اور اکابر و صدور سب آپ کی طرف متوجہ تھے اور سوچتے تھے کہ آپ اس الزامی تقریر کا کیا جواب دیتے ہیں، اور کن کن باتوں کی صفائی پیش کرتے ہیں، لیکن آپ نے نرالا ہی انداز گفتگو اختیار کیا۔ جس نے سب ہی کو حیرت میں ڈال دیا۔ شیخ زادہ حسام الدین سے کوئی جواب نہ نہیں پڑا۔ بلکہ یہی کہتے بن پڑی میں یہ تو نہیں جانتا کہ سماع کتے کسے ہیں۔ البتہ علماء یہ کہتے ہیں کہ سماع حرام ہے۔ حضرت محبوب الہیؒ نے فرمایا کہ جب تم سماع کے معنی بھی نہیں جانتے تو میں بھی تم سے کلام کرنا نہیں چاہتا۔ شیخ زادہ حسام بہت ہی جربز ہوا۔ اور اپنا ساموٹھ لے کر رہ گیا۔

بادشاہ حضرت محبوب الہیؒ کی طرف خاص طور سے متوجہ تھا اور کان لگا کر آپ کی گفتگو سن رہا تھا اور جب مخالفین کا تین کا تین کر کے شور مچاتے تو انھیں روکتا اور کہتا کہ شور نہ مچاؤ اور سنو کہ شیخ کیا فرماتے ہیں۔

قاضی کمال الدین صدر جہان نے کہا کہ امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا ہے کہ ان کے روبرو یہ کہا گیا کہ سماع حرام ہے اور رقص فسق ہے۔ آپ نے برجستہ جواب دیا کہ اس سے ممانعت ثابت کہاں ہوتی ہے؟ یہ سن کر صدر جہاں بھی لاجواب ہو گئے۔

دوران گفتگو میں حضرت محبوب الہیؒ نے کئی بار صحیح حدیثیں بھی پیش کیں لیکن مخالفین نے سننا تک گوارا نہیں کیا اور ہر بار یہی کہا کہ یہ تو وہی حدیثیں ہیں کہ جو شافعی سماع کے جواز میں پیش کرتے ہیں۔ اور وہ ہمارے علماء کے دشمن ہیں اس لیے ہم ان حدیثوں کو سننا بھی نہیں چاہتے۔ اور یہ بھی کہتے کہ تم حنفی ہو لہذا امام ابوحنیفہؒ کا قول پیش کرو۔ آپ

فرماتے کہ میں حدیث رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پیش کر رہا ہوں اور تم کہتے ہو کہ امام ابو حنیفہ کا قول پیش کرو حالانکہ حدیث پاک کے مقابلے میں امام ابو حنیفہ کا قول کب قابل قبول ہو سکتا ہے۔

الغرض یہ مناظرہ صبح (چاشت کے وقت) سے دوپہر تک ہوتا رہا اور کوئی بات طے نہیں ہوتی۔ آخر کار قاضی جلال الدین نائب حاکم نے پادشاہ سے کہا کہ اب بادشاہ کو سماع کے حرام ہونے کا حکم دے دینا چاہیے۔ حضرت محبوب النہی نے بھی فوراً بادشاہ کو مخاطب فرماتے ہوئے فرمایا کہ میں نہیں چاہتا کہ بادشاہ کوئی حکم دیں۔ بادشاہ نے آپ کی بات مانی اور کوئی حکم نہیں دیا۔ اور آپ کو بڑی تعظیم و تکریم کے ساتھ رخصت کیا۔ اور خدا خدا کر کے اس فتنے کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ اور حاسدین کی حاسدانہ سازشیں ناکام ہو کر رہ گئیں۔

امیر خوردمانی کہتے ہیں کہ حضرت محبوب النہی فرماتے تھے کہ جہاں حدیث شریف کو نہ مانا جائے وہاں کی اینٹ سے اینٹ نہ بچ جائے تو تعجب ہے۔ لہذا اس واقعہ کے چار سال بعد سلطان محمد تغلق نے دلی کو اجاڑ کر دیوگیر دولت آباد کو بسایا اور دلی کی اینٹ سے اینٹ بچ گئی۔ اور حدیث شریف کو قبول نہ کرنے کا خمیازہ بھگتنا پڑا۔ اللہ تعالیٰ ہر بلا سے محفوظ رکھے۔ آمین

۱۔ سیر الاولیاء ۲۶ تا ۵۲ و سیر العارفين ص ۸۹

۲۔ سلطان محمد تغلق نے ۷۲۷ھ میں شہر دلی کو اجاڑ کر دولت آباد کو آباد کیا۔ بدایونی کا بیان ہے کہ

در ۷۲۷ھ عزیمت دیوگیر کرد اور دولت آباد نام نهاد۔ ان را دارالملک ساخت۔ حاشیہ ترجمہ

سفرنامہ ابن بطوطہ ص ۱۵۹ اس سے ظاہر ہے کہ یہ مناظرہ ۷۲۳ھ میں ہوا تھا اور اس وقت تک قاضی

محی الدین کاشانی حیات تھے۔

## آخری عمر کے مجاہدات

حضرت محبوب الہیؒ کی مبارک زندگی کے آخری دور میں دنیوی جاہ و جلال آپ کے خدام کے قدموں میں تھا۔ اور فتوحات کی راہیں کشادہ تھیں۔ گویا ہر سمت سے ہن برس رہا تھا۔ لیکن اس کے باوجود آپ نے پہلے سے بھی زیادہ سخت مجاہدات اپنے لیے لازم کر لیے تھے۔ اور مبارک زندگی کے آخری تیس سال سخت ترین مجاہدات میں گزارے اور ایسی روش و راہ عمل اختیار کی کہ آپ کی مبارک زندگی بذاتِ خود بے مثل اور اعلیٰ درجے کی زندگی بن گئی اور ان مجاہدات کی ایک خوبی یہ بھی تھی کہ ان میں ظاہری ریاضت کم اور باطنی مشغولیت بہت زیادہ تھی۔

## نماز باجماعت

اگرچہ آپ عمر مبارک کی اسی منزل میں طے فرما چکے تھے لیکن کبر سنی و ضعیفی کے باوجود آپ پنج وقتہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کے لیے جماعت خانے کی بلند ترین عمارت سے نیچے تشریف لاتے اور درویشوں اور عزیزوں کے ساتھ کہ جس میں ملائک بھی شریک ہوتے تھے نماز باجماعت ادا فرماتے تھے یہ

۱۔ امیر خرد کرمانی نے کتاب سیر الاولیاء حضرت محبوب الہیؒ کے وصال کے بہت عرصے بعد لکھی ہے اور آخری تیس سالہ مجاہدات میں آپ کی عمر تشریف اسی سال لکھی ہے۔ جو قرینے سے آخر ترین عمر ہونی چاہیے پھر کوئی ایسا ذکر بھی نہیں ملتا کہ جس سے یہ اندازہ ہو سکے کہ عمر تشریف اس سے زیادہ تھی اس کے علاوہ دلی آنے اور بیعت ہونے کے وقت جس قدر عمر حضرت محبوب الہیؒ نے بتائی ہے اور خلافت کے متعلق جو کچھ ارشاد فرمایا ہے اس سے بھی تائید ہوتی ہے کہ ۶۲۵ھ ۶۱۲ھ ۶۱۳ھ ۶۱۴ھ ۶۱۵ھ ۶۱۶ھ ۶۱۷ھ ۶۱۸ھ ۶۱۹ھ ۶۲۰ھ ۶۲۱ھ ۶۲۲ھ ۶۲۳ھ ۶۲۴ھ ۶۲۵ھ ۶۲۶ھ ۶۲۷ھ ۶۲۸ھ ۶۲۹ھ ۶۳۰ھ ۶۳۱ھ ۶۳۲ھ ۶۳۳ھ ۶۳۴ھ ۶۳۵ھ ۶۳۶ھ ۶۳۷ھ ۶۳۸ھ ۶۳۹ھ ۶۴۰ھ ۶۴۱ھ ۶۴۲ھ ۶۴۳ھ ۶۴۴ھ ۶۴۵ھ ۶۴۶ھ ۶۴۷ھ ۶۴۸ھ ۶۴۹ھ ۶۵۰ھ ۶۵۱ھ ۶۵۲ھ ۶۵۳ھ ۶۵۴ھ ۶۵۵ھ ۶۵۶ھ ۶۵۷ھ ۶۵۸ھ ۶۵۹ھ ۶۶۰ھ ۶۶۱ھ ۶۶۲ھ ۶۶۳ھ ۶۶۴ھ ۶۶۵ھ ۶۶۶ھ ۶۶۷ھ ۶۶۸ھ ۶۶۹ھ ۶۷۰ھ ۶۷۱ھ ۶۷۲ھ ۶۷۳ھ ۶۷۴ھ ۶۷۵ھ ۶۷۶ھ ۶۷۷ھ ۶۷۸ھ ۶۷۹ھ ۶۸۰ھ ۶۸۱ھ ۶۸۲ھ ۶۸۳ھ ۶۸۴ھ ۶۸۵ھ ۶۸۶ھ ۶۸۷ھ ۶۸۸ھ ۶۸۹ھ ۶۹۰ھ ۶۹۱ھ ۶۹۲ھ ۶۹۳ھ ۶۹۴ھ ۶۹۵ھ ۶۹۶ھ ۶۹۷ھ ۶۹۸ھ ۶۹۹ھ ۷۰۰ھ

## سحری

خواجہ عبدالرحیمؒ جن کے سپرد سحری کی خدمت تھی۔ سحری کے وقت حاضر خدمت ہوتے اور سحری کے لیے کھانا پیش کرتے جو ہلکی سی غذا ہوتی تھی آپ کبھی تو اس میں سے کچھ کھا لیتے تھے اور جو بچتا اس کے لیے فرماتے کہ یہ بچوں کے لیے رکھ دو۔ ورنہ آپ اکثر سحری نہیں کھاتے تھے۔ خواجہ عبدالرحیمؒ عرض کرتے کہ آپ نے افطار کے وقت بھی کچھ نہیں کھایا ہے۔ اگر سحری میں بھی آپ کچھ نہیں کھائیں گے تو کیا ہوگا۔ یہ سن کر آپ کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے۔ اور فرماتے کہ بہت سے مسکین اور درویش دکانوں اور مسجدوں کے کونوں میں فاتحے سے پڑے ہیں۔ میرے حلق سے نوالہ کیسے اترے۔ آپ یہ فرماتے اور رونے لگتے۔ مجبوراً کھانا اٹھا لینا پڑا۔

## نماز فجر اور ملاقات

نماز فجر کے لیے آپ بالاحازہ سے نیچے تشریف لاتے اور نماز باجماعت ادا فرماتے اور پھر ذکر الہی میں مشغول ہو جاتے۔ اور اکثر اوقات مصلیٰ پر قبلہ رخ بیٹھے مشاہدہ حق میں مشغول رہتے جیسے کہ آپ خدا ہی کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ پھر نماز اشراق ادا فرماتے اور اگر چہ

دقیقہ ۱۲۵) سن ولادت ہے۔ ۶۶۱ھ دلی آنے کا سن ہے اور ۶۶۵ھ بیعت ہونے کا سن ہے۔ اور ۶۶۹ھ خلافت کا سن ہے کیونکہ بیعت ہونے کے بعد سال میں ایک بار تشریف لے گئے ہیں اور تیسری بار کی حاضری میں خلافت ملی ہے۔

لہ: سیر الاولیاء ص ۱۲۲ پاج

لہ: سیر الاولیاء ص ۱۲۸

آپ ملاقات کے وقت بظاہر گفتگو بھی فرماتے تھے۔ لیکن دست بکار اور دل بیار کی مصداق باطن میں مشغول رہتے تھے۔ نماز فجر کے بعد آپ سورۃ یاسین بھی تلاوت فرماتے تھے لشرار چاشت کے درمیان ملاقات و گفتگو فرماتے تھے۔

علماء و مشائخ، صدور و اکابر، امیر و غریب، شریف و کمین سب ہی آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور جو بھی آتا آپ اس سے اسی طرح کی بات چیت کرتے جو اس کے لائق ہوتی۔ اور بڑی دل جوئی اور مہربانی سے پیش آتے تھے اور آنے جانے والوں کو تحفے تحائف بھی دیتے۔ نقد و عینس یا کپڑا وغیرہ جیسا بھی مناسب ہوتا کچھ نہ کچھ آپ ضرور عنایت فرماتے تھے۔ اور اس طرح آپ تالیفِ قلوب فرماتے رہتے تھے۔ آپ یہ بھی فرماتے تھے کہ مجھے واقعہ میں ایک کتاب دی گئی تھی۔ جس میں یہ لکھا تھا کہ جہاں تک بن پڑے دلوں کو راحت پہنچاؤ، کیونکہ مومن کا دل اسرار الہی کا محل ہے۔ لہذا آپ ایسی گفتگو فرماتے کہ باتوں ہی باتوں میں دلوں کو موہ لیتے تھے یہاں تک کہ جو آپ سے ایک ہی دفعہ ملتا، آپ کا گردیدہ ہو جاتا تھا۔

## قبیلوہ

دوپہر کو آپ بالا خانے پر تشریف لے جاتے اور قبیلوہ فرماتے۔ ایک دفعہ ایسا ہوا کہ آپ قبیلوہ میں تھے کہ ایک درویش آیا۔ چونکہ سنگر خانے میں کچھ تیار تھا نہیں۔ اس لیے اخی مبارک نے اسے کچھ دیا نہیں۔ اور یوں ہی واپس کر دیا۔ جب آپ بیدار ہوئے تو اخی مبارک کو بلایا اور دریافت کیا کہ کیا کوئی آیا تھا۔ انھوں نے عرض کیا کہ ایک درویش آیا

۱۔ سیر الاولیاء ص ۱۲۸، ۱۲۹ چ

۲۔ سیر الاولیاء ص ۱۲۸ چ۔

تھا لیکن اس کی کچھ خدمت نہیں کی جاسکی کیونکہ سنگر خانے میں کچھ تیار نہیں تھا۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے ابھی شیخ بکیر کو خواب میں دیکھا ہے کہ ناراض ہیں اور یہ فرماتے ہیں کہ چاہے کچھ بھی ہو اُنے والے کے ساتھ تواضع سے پیش آنا چاہیے یہ کیا کہ وہ مایوس ہو کر الٹا چلا جائے۔ پھر آپ نے حکم دیا کہ میں خواہ قیلولہ میں ہوں لیکن اُنے والے کی مجھے فوراً خبر دی جائے۔ اس کے بعد سے آپ نے یہ کر لیا تھا کہ جب آپ قیلولہ سے فارغ ہوتے تو دو باتیں دریافت کرتے ایک تو یہ کہ سایہ ڈھل گیا یا نہیں دوسرے یہ کہ کوئی آیا یا نہیں؟

## انتظار

آپ کا یہ بھی دستور تھا کہ جو شخص جس وقت بھی آتا۔ آپ اسی وقت اس سے ملاقات فرماتے تھے۔ اور کسی کو ذرا بھی انتظار کرنا نہیں پڑتا تھا۔ اور ان ملاقاتوں میں ایسی کچھ باتیں کرتے کہ اُنے والے راہ حق اختیار کر لیتے اور بڑے کاموں سے تائب ہو جاتے تھے یہ

## نمازِ ظہر

ظہر کی نماز کے لیے آپ بالا خانہ سے نیچے تشریف لاتے اور نماز باجماعت ادا فرماتے تھے اور جب نماز سے فارغ ہوتے تو سورۃ نوح تلاوت فرماتے تھے پھر مخلوق کی ہدایت اور راہ نمائی کی جانب متوجہ ہوتے یہ

۱۲۸ سیر الاولیاء

۲۸۲ س ۳

۱۲۹ س ۳



## ملاقات بعد ظہر

آپ آنے والوں سے ملاقات فرماتے اور بڑی شفقت سے پیش آتے تھے۔ اس وقت آنے والوں میں زیادہ تر علماء و مشائخ اور عابد و زاہد ہوتے تھے۔ اور آپ کے جلال کا یہ عالم ہوتا تھا کہ کسی کو سراونچا کر کے آپ کے چہرہ مبارک کو دیکھنے کی تاب نہیں ہوتی تھی۔ علمی مسائل پر بھی گفتگو ہوتی تھی اور آپ نور باطن سے بہت ہی تسلی بخش جواب دیتے اور ایسے دل کش انداز میں گفتگو فرماتے کہ دل میں اترتی چلی جاتی۔ اور اسی کی برکت سے اکثر مخالف علماء آپ کے بندۂ بے دام اور حلقہ بگوش ہو گئے تھے۔ اسی مجلس میں آپ عبادت الہی اور محبت خداوندی کے بارے میں گفتگو فرماتے جسے سب دل لگا کر سنتے اور انھیں عمل کی توفیق بھی نصیب ہوتی۔

یہ مجلس ختم ہوتی تو (غالباً) آپ بالاخانے پر تشریف لے جاتے اور تخلیہ میں ذکر الہی فرماتے۔ عصر کی نماز باجماعت پڑھنے کے بعد آپ سورہ انافحنا پڑھتے اور تخلیہ میں مشغول حق ہوتے کیونکہ یہ وقت خاص مقبولیت کا وقت ہوتا ہے یہ

امیر خور دکرمانی رکھتے ہیں کہ آپ روزانہ امام غزالیؒ کی جوہر القرآن ڈھائی پارہ اور عزیزمانی و حرز کافی پڑھتے تھے۔

## روزے

آپ ہمیشہ روزے رکھتے اور دائم الصوم رہتے تھے۔ اور افطار کے وقت ایک یا

۱۔ امیر خور دکرمانی نے ظہر کی مجلس کے بعد سے مغرب کے وقت تک کے حالات پر تفصیلی روشنی نہیں ڈالی ہے لہذا اس بارے میں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ غالباً کی مد میں ہے۔

ادھی روٹی سبزی سے یا کرٹوں سے کرلیوں کی بھجیا سے تناول فرماتے تھے یا صرف تھوڑے سے چاول کھا لیتے تھے۔ اور وہ بھی مسافروں، درویشوں اور عزیزوں کی موافقت کی وجہ سے جو دسترخوان پر ہوتے تھے کیونکہ اگر آپ نہیں کھاتے تو وہ کیسے کھا لیتے۔ کھاتے وقت آپ کی نظر شفقت جس پر ہوتی اسے یا تو اپنی رکابی میں شریک فرما لیتے یا خصوصیت سے اسے نوالہ عنایت فرماتے تھے۔

مولانا شمس الدین بھٹی فرماتے ہیں کہ میں افطار کے وقت دسترخوان پر حاضر تھا آپ نے روزہ افطار کیا اور پھر جو پیالے کی طرف ہاتھ بڑھایا تو آخر تک اسی طرح رہا اور آپ نے کچھ بھی نہیں کھایا۔ اور اس معمولی سے کھانے کے باوجود امیر خورد کرامانی کا بیان ہے کہ ضعف و نقاہت کا ذرا بھی اثر آپ کے جسم مبارک سے ظاہر نہیں ہوتا تھا۔ آپ کی مبارک آنکھیں سُرخ رہتی تھیں اور مسانہ کیفیت چھائی رہتی تھی۔

مغرب کے وقت روزہ افطار کرتے اور نماز باجماعت ادا فرماتے پھر سورۃ واقعہ تلاوت فرماتے بعد ازاں آپ بالاخانے پر تشریف لے جاتے تھے۔ اس وقت بھی دوست اور عزیز جو شہر سے اور دوسرے مقامات سے آتے تھے آپ ان سے ملاقات کرتے تھے اور ان سے شفقت امیر گفتگو فرماتے تھے یہ

## تواضع

اس ملاقات کے وقت خشک میووں سے اور تروتازہ پھلوں سے اور کھانے کی

۱۔ تاریخ نظامی ص ۳۶ میں لکھا ہے کہ سیرالاولیا میں لکھا ہے کہ حضرت کے اس بڑے مجاہدہ کو حضرت کے جانشین نے اختیار کیا تھا۔ لیکن سیرالاولیا میں یہ کہیں نہیں ہے۔ یہ سفید جھوٹ ہے۔ حضرت کے اکثر مریدین دائم الصوم تھے۔ ص ۳۸۲

اچھی اچھی چیزوں سے اُسنے والوں کی تواضع کی جاتی تھی۔ اور آپ پھلوں، میووں اور کھانے وغیرہ کے ذائقے کے متعلق بھی دریافت فرماتے رہتے تھے۔ اور دل چسپ باتیں کرتے رہتے تھے جس سے دلوں کو راحت پہنچتی اور کھانے والے مسرت محسوس کرتے تھے۔

## نمازِ عشاء

عشا کی نماز کے لیے آپ جماعت خانے میں تشریف لاتے اور نماز جماعت سے ادا فرماتے تھے اور نماز سے فارغ ہو کر بالا خانے پر تشریف لے جاتے۔ سورۃ تبارک الذی اور ہزار مرتبہ درود شریف اور ہزار مرتبہ سورۃ اخلاص پڑھتے تھے۔

## بعد عشاء

کچھ دیر آپ ذکر میں مشغول رہتے پھر پلنگ پر تشریف لے جاتے تسبیح لاکر پیش کی جاتی اور آپ تسبیح میں مشغول ہو جاتے۔ اس وقت اور تو کوئی حاضر ہو نہیں سکتا تھا۔ البتہ اگر حضرت امیر خسروؒ موجود ہوتے تو انھیں حاضری کی اجازت تھی۔ آپ ان سے فرماتے، کہو ترک کیا خبر ہے۔ اتنا اشارہ پاتے ہی حضرت امیر خسروؒ دل چسپ باتیں کرنے لگتے۔ آپ بھی کبھی کبھی اظہار مسرت کے لیے سر ملا دیتے تھے۔ اسی وقت چھوٹی عمر کے قرابتی اور خادموں کے بچے بھی حاضر ہو کر سعادت حاصل کرتے تھے۔

جب حضرت امیر خسروؒ تشریف لے جاتے تو بچے بھی چلے جاتے۔ پھر حضرت خواجہ اقبالؒ لوٹوں میں پانی بھر کر رکھ دیتے اور چلے آتے اور آپ حجرہ بند کر لیتے اور کنڈی لگا لیتے اور یادِ الہی میں مشغول ہو جاتے۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ ساری رات کیا کیا راز و نیاز کی باتیں ہوتیں اور کس ذوق و شوق کے عالم میں رات گزرتی تھی۔ سچ یہ ہے کہ ہر شب شب قدر

ہی ہوتی تھی یہ

## تجربہ

حضرت محبوب الہیؒ ہر جمعہ کو تجرید فرمایا کرتے تھے یعنی جو کچھ بھی ہوتا تھا وہ سب راہِ مولیٰ میں لٹا دیتے اور غریبوں اور مسکینوں کو تقسیم کر دیتے تھے۔ یہاں تک کہ تمام حجروں اور انبار خانوں میں جھاڑو دلا دی جاتی تھی۔ اور ایک جتہ بھی رہنے نہیں دیتے تھے۔ لہذا جب آپ کو اس سے اطمینان ہو جاتا کہ سب کچھ تقسیم ہو گیا ہے اور محتاجوں کو پہنچ گیا ہے، تو آپ نماز جمعہ کو تشریف لے جاتے تھے یہ

## نماز جمعہ

حضرت محبوب الہیؒ جمعہ کی نماز جامع مسجد کیلوکھری میں ادا فرمایا کرتے تھے۔ یہاں اور بھی علماء و مشائخ نماز میں شریک ہوتے تھے۔ پہلے آپ نماز ہی کے وقت غیاث پور سے کیلوکھری پیدل تشریف لے جایا کرتے تھے۔ پھر آپ نے مسجد کے سامنے ہی ایک مکان بنا لیا تھا۔ اور اس میں قیام فرمایا کرتے تھے یہ اشراق کی نماز کے بعد تشریف لے جایا کرتے تھے اور نماز جمعہ سے پہلے غسل کر کے مسجد میں جایا کرتے تھے۔

۱۔ آخری عمر کے مجاہدات سے متعلق جملہ معلومات سیرالاولیا چ ص ۱۲۲ تا ۱۳۰ اور ص ۲۸۲، ۲۸۳ سے فراہم کی گئی ہیں۔

۲۔ سیرالاولیا ص ۱۳۱ چ

۳۔ فوائد القواد جلد ۲ ص ۸۔ سیرالاولیا ص ۱۲۲ چ لیکن اب نہ تو اس مکان ہی کا کچھ پتہ ہے اور نہ مسجد ہی کا۔

## ہدیہ مادیان

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ گرمی کا موسم تھا، اور گرمی بھی سخت پڑ رہی تھی۔ لوہ بھی چل رہی تھی آپ روزے سے تھے اور نماز جمعہ کے لیے پیدل تشریف لے جا رہے تھے۔ پیاس بہت ہی لگی بلکہ زبان تک خشک ہو گئی اور سر چکرانے لگا۔ آپ نے ایک دوکان میں دم لیا اور دل میں یہ خیال آیا کہ اگر میرے پاس سواری کو کچھ ہوتا تو میں سوار ہو کر چلا جاتا۔ اور اس تکلیف سے محفوظ رہتا۔ لیکن پھر آپ نے اس خطرے کو دل سے دور کیا۔ اور دل کو سمجھایا کہ راضی برضا ہی رہنا چاہیے۔

آپ فرماتے ہیں کہ اس واقعہ کے تین دن بعد حضرت شیخ ملک یار پراں<sup>۲</sup> کے خلیفہ میرے پاس ایک گھوڑی لے کر آئے۔ اور کہا کہ اسے قبول فرما لیجئے۔ میں نے کہا: آپ خود رویشیں ہیں میں آپ سے کیا لوں۔ انھوں نے کہا کہ آج تیسری رات ہے کہ میرے شیخ مجھ سے خواب میں فرماتے ہیں کہ یہ گھوڑی میں آپ کو نذر کر دوں۔ حضرت محبوب الہی<sup>۳</sup> فرماتے ہیں کہ میں نے ان سے کہا کہ آپ کے شیخ نے آپ سے کہا ہے: اگر میرے شیخ مجھ سے فرمائیں گے تو میں لے لوں گا۔ غرض کہ اسی رات حضرت بابا فرید گنج شکر کو خواب میں دیکھا کہ یہ فرماتے ہیں کہ شیخ ملک یار پراں کی خاطر سے قبول کر لو۔ لہذا وہ گھوڑی میں نے

۱۔ مادیان، یہ لفظ مفرد ہے جمع نہیں ہے۔ اس لیے اسے مادیان کہنا غلط ہے۔ لغات کشوری ص ۲۱  
 ۲۔ شیخ ملک یار پراں سے دراد غالباً حضرت شیخ نذیر الدین ملک یار پراں ہیں۔ جن کا مزار پر انوار پرانا قلعہ دلی کے سامنے اور حضرت شیخ ابوبکر طوسی کی خانقاہ کے مقابل مٹھرا روڈ سے جانب غرب ہے۔ تاریخ وصال ۱۸ جمادی الآخر ۶۸۸ھ ہے آپ اولیاتے کاملین میں سے ہیں۔ آپ کے مختصر حالات راقم نے کتاب سوانح حضرت شیخ ابوبکر طوسی ص ۲۷، ۲۸ کے حواشی میں لکھ دیئے ہیں۔

قبول کر لی۔ اس دن سے میرے ہاں کبھی گھوڑوں کی کمی نہیں پڑی۔ کچھ دنوں کے بعد میں نے وہ گھوڑی اپنے بھانجے خواجہ محمد کو دے دی۔

## شادی

حضرت محبوب الہیؒ کے مجاہدات میں یہ بھی ہے کہ آپ نے عمر بھر شادی نہیں کی حضرت محبوب الہیؒ نے ذکر کیا کہ ایک دفعہ حضرت بی بی فاطمہؓ سام نے مجھ سے کہا تھا کہ ایک شخص کی لڑکی ہے تم اس سے نکاح کر لو تو مناسب ہے۔ میں نے کہا کہ میں جس زمانے میں شیخ کبیرؒ کی خدمت میں تھا۔ تو ایک جوگی آیا۔ اور دیر تک بات چیت کرتا رہا اس نے یہ بھی بیان کیا کہ مہینے کے تیس دن ہوتے ہیں اور ہر دن کی خاصیت الگ الگ ہوتی ہے

۱۰: قاضی محمد بلاق مرحوم نے کوئی چار سو برس بعد یہ بتایا کہ خواجہ محمدؒ حضرت محبوب الہیؒ کی حقیقی ہمشیرہ بی بی بنت کے صاحبزادے تھے اور خواجہ رفیع الدین ہارون کے والد تھے۔ (مطلوب الطالبین قلمی ص ۱۹۳)۔  
 امام عظیم الدین مرحوم نے شواہد نظامی ص ۱۶۶ میں اور مولوی یامین علی مرحوم نے سیرت نظامی ص ۳۹۵ میں اور ضامن نظامی صاحب نے سیرۃ المحبوب ص ۵۹-۶۰ میں اسی خیال کی تائید کی ہے لیکن تاریخ نظامی ص ۱۰۰ میں اپنے جد کو محترمہ کا صاحبزادہ اور خواجہ محمد کو محترمہ کا نواسہ بنا دیا ہے تاکہ قرب قرابت نصیب ہو جائے۔ لاقول ولاقوة۔

۱۱: سیر الاولیاء ص ۱۴۲ چ

۱۲: فوائد الفواد جلد ۵ ص ۲۲۵ مگر تاریخ نظامی ص ۳۹ میں شادی نہ کرنے کے متعلق ایک ایسی کہانی لکھی ہے جس کا ذکر کرتے شرم و حیا دامن گیر ہوتی ہے۔ بھلا ایک شریف النفس نوجوان کب ایک پیر فانی کو ایسا بے شرمی کا جواب دے سکتا ہے جو حضرت محبوب الہیؒ کی ذات والاصفات سے منسوب کر دیا ہے۔ لاقول ولاقوة الا باللہ حیات نظامی ص ۱۰۰ میں بھی ایسا ہی کچھ ہے تاہم قدرے پردہ داری اور حیا و شرم کا لحاظ رکھا گیا ہے۔

اولاد نیک و بد اس لیے ہوتی ہے کہ وقت بے وقت کا لحاظ نہیں رکھا جاتا۔ اگر وقت مناسب ہوتا ہے تو اولاد نیک ہوتی ہے ورنہ نہیں۔

آپ فرماتے ہیں کہ میں نے اس سے دنوں کی خاصیت دریافت کی اس نے جو کچھ بیان کیا میں نے بڑے غور سے سنا اور یاد کر لیا۔ اور اس کو سنایا۔ شیخ کبیر بھی تشریف فرما تھے۔ آپ نے مجھ سے فرمایا کہ تم نے اس سے جو کچھ بھی دریافت کیا۔ وہ ہر گز تمہارے کام نہ آئے گا۔ لہذا جب حضرت بی بی فاطمہ سامم نے یہ قصہ سنا تو فرمایا کہ اب مجھے معلوم ہو گیا اچھا کیا جو تم نے اس لڑکی کو قبول نہیں کیا۔ میں نے بھی اس شخص کی خاطر سے یہ بات کہی تھی۔

## عملیات

حضرت محبوب الہی نے عملیات بھی تعلیم فرمائے ہیں۔ لہذا ان میں سے بعض ایسے عمل نقل کیے جاتے ہیں جو مصیبت کے وقت کام آتے ہیں۔ آسان بھی ہیں اور زود اثر بھی ہیں اور وہ یہ ہیں :

۱۔ حضرت بی بی فاطمہ سامم نہایت بزرگ اور ولیہ خدا تھیں۔ یہ اور حضرت بابا فرید گنج شکر اور شیخ نجیب الدین متوکلؒ مونہ بولے بہن بھائی تھے۔ بہت ضعیف اور خدا رسیدہ تھیں حسب حال شعر کہہ دیا کرتی تھیں۔ ۱۸۰ شعبان ۶۸۲ھ میں وصال ہوا مزار اندر پت میں ہے جو اب کا کانگریسی دلی کے نام سے مشہور ہے۔ اور پرانے قلعہ سے جانب غرب ہے۔ اس درگاہ کے متولی حاجی عبد الباقی صاحب ہیں جو عرب رائے کے خاندان شیوخ کی یادگار ہیں اور درگاہ حضرت محبوب الہی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ کی طرف سے سالانہ عرس ہوتا ہے۔

۱۔ فوائد الغواد جلد ۲ ص ۶۲

## دعا مانگنے کا طریقہ

دعا عبادت کا مغز ہے۔ دعا دل لگا کر مانگنی چاہیے۔ دعا مانگتے وقت صرف خدا کے فضل و کرم اور اس کی رحمت پر نظر رکھنی چاہیے۔ اور یہ یقین رکھنا چاہیے کہ یہ دعا ضرور قبول ہوگی۔ (انشاء اللہ تعالیٰ) دعا کے وقت دونوں ہاتھوں کو پھیلانا اور بلند رکھنا چاہیے اور سینے کے سامنے رکھنا چاہیے اور دونوں ہاتھوں کو پاس پاس ملا ہوا رکھنا چاہیے اور ایسا رکھنا چاہیے کہ گویا مونہہ مانگی مراد ملنے ہی والی ہے۔ اور ہاتھوں میں ڈالی جانے والی ہے۔

بلا نازل ہونے سے پہلے ہی دعا مانگنی چاہیے۔ مگر بلا نازل ہونے کے بعد بھی غفلت نہیں کرنی چاہیے اور دعا مانگتے رہنا چاہیے کیونکہ اس وقت کی دعا سے بلا کی شدت کم ہو جاتی ہے۔

## فراخی معاش

تنگی معاش کو دور کرنے اور فراخی سے زندگی بسر کرنے کے لیے ہر جمعہ کی رات کو سورہ جمعہ پڑھنی چاہیے۔

(۲) جو کوئی اس دعا کو سوا بار روزانہ پڑھے گا۔ دنیوی ساز و سامان کے بغیر ہی آرام سے زندگی بسر کرے گا۔ گویا کہ غیب سے اس کی ضروریات پوری ہوتی رہیں گی۔ اور دعا یہ ہے:

۱۔ سیر الاولیا ص ۲۲۲ پج

۲۔ سیر الاولیا ص ۲۲۶



لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ  
وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝

## حل مشکلات

حل مشکلات اور حاجت روائی کے لیے ہر فرض نماز کے بعد ستر بار یہ دعا پڑھنی  
چاہیے۔ انشاء اللہ مراد پوری ہوگی اور حاجت برائے گی :

### دُعا

يَا شَفِيقُ وَيَا رَفِيقُ نَجِّنِي مِنْ كُلِّ ضَيْقٍ ۝

(۲) یہ دعا بھی مقصد برآری کے لیے مفید ہے :

### دُعا

يَا حَيُّ يَا حَلِيمُ يَا عَزِيزُ يَا كَرِيمُ سُبْحَانَكَ يَا كَرِيمُ

تو کئی کارِ صعب را سلیم بحق ایتا ک نعید و ایتا ک نستعین ۝

(۳) فجر کی سنتوں اور فرضوں کے درمیان بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

کی مہم کو الحمد کے لام سے ملا کر بِسْمِ اللّٰهِ اور الْحَمْدُ پڑھے یعنی بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ

الرَّحِیْمِ حَمْدُ اللّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ اُتْرک پڑھے جس مہم کے لیے پڑھے گا۔ وہ

مہم اور مشکل آسان ہو جائے گی اور مقصد پورا ہو جائے گا۔

۱۵: سیر الاولیا ص ۲۲۷ چ

۱۶: سیر الاولیا ص ۲۲۱ چ

۱۷: عملیات سے متعلق جملہ معلومات سیر الاولیا صفحہ ۳۶۶، ۳۸۱، ۳۲۸، ۲۲۹، ۲۶۶، ۲۲۸، ۲۳۱،

۲۸۶، ۲۳۲ سے فراہم کی گئی ہیں۔

(۴) کسی مہم کے یا مشکل کے آسان ہونے کے لیے جو کوئی سورہ مزمل بکثرت پڑھے گا اس کی مشکل آسان ہو جائے گی اور وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائے گا۔ نماز عصر کے بعد سے مغرب کے وقت تک یا اللہ یا رحمن یا رحیم پڑھتا رہے انشاء اللہ مشکل ضرور آسان ہو جائے گی۔ ۳۷۶

## مغلوبی دشمن

جب کسی ظالم یا دشمن کے سامنے جانا ہو تو یہ دعا پڑھنی چاہیے۔ انشاء اللہ دشمن مغلوب ہو جائے گا:

يَا سُبُوْحُ يَا قُدُّوْسُ يَا فَخُوْرُ يَا وُدُوْدُ - ۳۷۸

## نظر بد کا تعویذ

بچوں کو نظر بد سے اور شیاطین کی شرارت سے محفوظ رکھنے کے لیے یہ دعا لکھ کر اور تعویذ بنا کر باندھنی چاہیے۔ بچے کے رونے کے لیے بھی یہ تعویذ مفید ہے اور یہ دعا پڑھ کر دم بھی کی جا سکتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت امام حسن اور حضرت امام حسینؑ کے لیے اس دعا کا تعویذ لکھ کر دینے کا حکم فرمایا تھا:

دعا: اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ كُلِّ شَيْطَانٍ  
وَهَامَةٍ وَعَيْنٍ لَّامِيَةٍ

حضرت محبوب الہیؑ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ تعویذ یا زور پر باندھنا چاہیے گلے میں ڈالنا اور لٹکانا

نہیں چاہیے۔ ۳۷۹

## اسمِ اعظم

حضرت محبوب الہیؑ کا ارشاد ہے کہ عربی میں اسمِ اعظم یا حیُّ یا قیُّوْمُ ہے اور  
سریانی زبان میں اِہیَّا اَشْرَہِیَّا ہے۔ ۲۲۶۰

## کھوئی چیز کا ملنا

اس دعا کو بکثرت پڑھنے سے گم شدہ چیز مل جاتی ہے :

دعا :

يَا جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَدَيْكَ فِيهِ اَجْمَعُ عَلٰی ضَالَّتِي ۲۲۸

## تعویذ شفا مریض

اللَّهُ شَافِي اللَّهِ كَافِي اللَّهِ مُعَافِي بِي لَكَ كَرْتَعْوِيذُ دُوسے دینا چاہیے

انشاء اللہ مریض تندرست ہو جائے گا۔ ۲۳۱

## استغفار

حضرت محبوب الہیؑ کا ارشاد ہے کہ جو کوئی نماز جمعہ کے بعد ستر بار یہ دعا پڑھے گا

وہ مخلوق کا محتاج نہ ہوگا :

دُعا :

أَعْنِيَنِي بِحَلَالِكَ عَنْ حُرَامِكَ وَبِطَاعَتِكَ عَنْ

مَعْصِيَتِكَ وَبِفَضْلِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ بِرَحْمَتِكَ يَا أَرْحَمَ

الرَّاحِمِينَ ۲۸۶

## مقبولیت نماز

نماز کے قبول ہونے کے لیے ہر نماز کے بعد یہ دُعا پڑھنی چاہیے :

دُعا

اللَّهُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَا

ذُو الْجَدَلِ وَالذِّكْرَامِ ۲۳۲

## ملفوظات

حضرت محبوب الہیؒ کے ارشادات و ملفوظات بکثرت ہیں اور کئی کتابوں میں ہیں۔ ان میں سے افضل الفوائد مرتبہ حضرت امیر خسروؒ، فوائد الفوائد مرتبہ حضرت امیر حسن علاسنجریؒ اور سیر الاولیاء امیر خور و سید محمد کرمانیؒ مستند اور معتبر ہیں۔ یہاں ملفوظات میں سے تبرکاً بعض مقولے نقل کیے جاتے ہیں۔ ملفوظات سے مستفید ہونے کے لیے مذکورہ کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

ترک دنیا یہ نہیں کہ تنگ و دھرتنگ ہو لنگوٹ باندھ کر بیٹھ جاتے بلکہ  
ترک دنیا یہ ہے کہ کپڑے پہنے، کھانا کھاتے اور جو کچھ میسر آتے اس پر قناعت  
کرے، جمع کرنے کی فکر نہ کرے اور دل کو کسی چیز کی طرف مائل نہ ہونے دے

ص، سیر الاولیاء کا چہرہ لال ایدیش اور وہ نسخہ جو ۱۵۱ھ میں مرتب کیا گیا تھا غیر مستند ہے کیونکہ ان میں  
الحاق بھی ہے اور تحریف بھی مگر ہم نے حتی الامکان تصحیح کے بعد چہرہ لال ایدیش سے مدولی ہے (اخلاق)

۱۵۱: فوائد الفوائد جلد ۱ ص ۱

لیں خدا ہی سے لولاگتے رہے۔

ہمت بلند رکھتی چاہتے، دنیا کے جھیلوں سے الگ رہنا چاہتے،

اور خواہشات سے بچے رہنا چاہتے یہ

کوئی ایسا نہیں جس نے کسی بڑی چیز کو چھوڑا ہو۔ اور اسے اچھی چیز نہ

ملی ہو یہ

راز فاش کرنے سے محرومی ہوتی ہے اور فاش کرنے والا کسی اور راز

کے لائق نہیں رہتا اس لیے راز اور ستر الہی کو ظاہر کرنا نہیں چاہیے یہ

اپنے مکان میں ایک سیپارہ پڑھنا مسجد میں پورا قرآن پاک شتم کرنے

سے افضل ہے یہ

قرآن پاک پڑھنے والے کو جب کسی آیت کی تلاوت میں کیفیت حاصل

ہو تو اسے بار بار پڑھنا چاہیے اور لطف اندوز ہونا چاہیے یہ

ایمان کی سلامتی کی علامت یہ ہے کہ مرتے وقت مرتے والے کا پہرہ

زرد ہو جائے اور ماتھے پر پسینہ آجائے یہ

مال جمع کرنا نہیں چاہیے۔ البتہ بقدر ضرورت رکھا جاسکتا ہے جیسے

تن پوشی کے لیے کپڑے وغیرہ لیکن کثرت نہ ہو بلکہ صرف ضرورت کے مطابق

ہو۔ ورنہ جو کچھ ملے اسے خرچ کر دینا چاہیے یہ

جو کچھ خدا کی راہ میں صرف کیا جاتا ہے۔ خواہ سب ہی کچھ کیوں نہ ہو

۱۵ : فوائد الفواد جلد ۱ ص ۹، ۱۱، ۱۲، ۲۲، ۲۶ و

۱۶ : فوائد الفواد جلد ۲ ص ۲۵

۱۷ : فوائد الفواد جلد ۳ ص ۱۹

وہ اسراف نہیں ہے۔ لیکن جو خدا کے لیے خرچ نہ کیا جائے خواہ کتنا ہی ہو  
وہ اسراف ہے یہ

مالی عبادت ہو یا بدنی یا مخلوق سے خوش اخلاقی سے پیش آنا ہو  
اگر اس میں سے ایک بھی قبول ہو گئی۔ تو اس کے صدقے میں سب کام بن  
جاتے ہیں یہ

سعادت کے قفل کی بہت سی کنجیاں ہیں لیکن یہ کسی کو خبر نہیں کہ یہ قفل  
کھلے گا کس سے۔ لہذا سب ہی سے کھولنے کی کوشش کرنی چاہیے اگر  
ایک سے نہ کھلے گا تو دوسری سے تیسری سے کسی نہ کسی کنجی سے تو کھل ہی  
جائے گا یہ

متقی وہ ہے جس نے گناہ کی لذت نہ چکھی ہو۔ اور تائب وہ ہے  
جس نے مزہ چکھنے کے بعد اُسے چھوڑا ہو۔ بہر حال متقی کا مرتبہ تائب سے  
بلند ہے یہ

قبر جب بوسیدہ ہو جائے تو مرمت کرانے یا دوبارہ تعمیر کرانے کی  
ضرورت نہیں کیونکہ قبر جس قدر بوسیدہ ہوگی صاحبِ قبر اٹنا ہی امیدوار  
رحمت ہوگا یہ

ذکرِ جہر سے ذکرِ خفی بہتر ہے۔ صحابہ کرام قرآن پاک اس طرح پڑھتے  
تھے کہ کسی کو معلوم بھی نہ ہوتا تھا۔ البتہ جب وہ آیتِ سجدہ پر پہنچتے اور  
سجدہ کرتے تو معلوم ہوتا کہ وہ قرآن پاک پڑھ رہے ہیں یہ  
آپ نے فرمایا: کشندہ کشندہ باشد برداشت کرنے والا مار ڈالتا ہے

آپ نے یہ حدیث شریف بھی بیان فرمائی :  
 مَنْ صَلَّى خَلْفَ عَالِمٍ تَقَىٰ كَأَنَّهُ صَلَّى خَلْفَ نَبِيِّ مَرْسَلٍ“  
 جس نے عالم کے پیچھے نماز پڑھی اس نے گویا نبی مرسل کے پیچھے  
 نماز پڑھی ہے۔

سلوک کے سو مقامات ہیں۔ سترھواں مقام کشف و کرامت ہے۔ اگر  
 سالک یہیں رہ گیا تو تراسی مقام کب طے کر سکتا ہے۔<sup>۸۲</sup>  
 مرید وہ ہے جو اپنے آپ کو خدا کی مرضی پر چھوڑ دے۔<sup>۸۳</sup>  
 اگرچہ سالک سے راہ سلوک میں لغزش ہو جائے۔ لیکن ذوق کسی قدر باقی  
 رہے اور توبہ کر کے جلد اسے حاصل کر لے تو اسے سلوک کا وہی مرتبہ حاصل  
 ہو جاتا ہے جو اسے حاصل تھا۔<sup>۸۴</sup>

اگر مرید شیخ سے کہے کہ میں آپ کا مرید ہوں اور شیخ کہے کہ تم  
 میرے مرید نہیں ہو تو وہ واقعہ میں مرید ہے۔ اور اگر شیخ یہ کہے کہ تم میرے  
 مرید ہو اور مرید نہ مانے تو وہ مرید نہیں ہے۔ کیونکہ ارادت مرید کا  
 فعل ہے۔<sup>۸۵</sup>

حدیث شریف میں ہے : اَلْوُضُوءُ سِرٌّ مِّنْ اَسْرَارِ  
 اللّٰهِ تَعَالٰی۔ وضو اللہ تعالیٰ کے بھیدوں میں سے ایک بھید ہے۔<sup>۸۶</sup>  
 ذکر کرنے والے کا مقصد اگرچہ جلد حاصل ہو جاتا ہے لیکن زوال

۸۱: فوائد القواد جلد ۵ ص ۲۳۵

۸۲: فوائد القواد جلد ۲ ص ۱۱۴

۸۳: تائید سیر الاولیاء ص ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴

کا کھٹکار رہتا ہے اور اگرچہ تلاوتِ قرآن کرنے والے کا مقصود دیرینہ حاصل ہوتا ہے لیکن خوفِ توال نہیں ہوتا ہے۔

کھانا دینا ہر مذہب میں پسندیدہ ہے۔ ایک درہم کا کھانا بچا کر دوستوں کو کھلانا بیس درہم صدقہ کرنے سے بہتر ہے۔

مشائخِ طریقت کی اصطلاح میں دل کا جمالِ حق کو مشاہدہ کرنا مراقبہ ہے... اور ذکرِ خفی مراقبہ سے ستر مرتبہ بلند ہے۔

عقل ایک فطری نور ہے جو سنتے اور حاصل کرتے سے ترقی کرتا ہے۔ اگر کوئی دل میں کہے میں یہ کرتا ہوں یا ایسا کروں گا تو یہ نیت نہیں ہے بلکہ حدیثِ نفس ہے یعنی دل کی بات چیت ہے۔ نیت تو یہ ہے کہ دل میں کوئی بات بطور الہام پیدا ہو اور آمادہ عمل کر دے۔

اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کی فطرت میں اہلیت و خاصیت خاص محفوظ فرمائی ہے جس کی بدولت وہ حق کو قبول کرنے کے لیے مستعد ہوتا ہے اور جب اس اہلیت کے اثر سے وہ کوئی کام کرتا ہے اور خدا کی طرف سے اس کے دل کو تقویت حاصل ہوتی ہے۔ تو اسی کو توفیق کہتے ہیں۔ اور جب کوئی طلبِ حق کے عمل میں ثابت قدم رہتا ہے۔ تو اسے ہمت کہتے ہیں۔ ہمت ہی سعادت کے قفل کی کنجی ہے۔

اگرچہ چند باتیں ملحوظات کا ایک شتمہ بھی نہیں ہیں۔ لیکن پھر بھی اس قدر برگزیدہ اور کارآمد ہیں کہ اگر کوئی ہدایت حاصل کرنا چاہے تو بخوبی حاصل کر سکتا ہے۔ خداوندِ عالم بزرگانِ دین کے وسیلہ سے ہم سب کو ہدایت کی توفیق عنایت فرمائے! آمین۔



## علالت

وصال سے ٹھیک چالیس دن پہلے جمعہ کا دن تھا۔ نماز جمعہ ہی میں حضرت محبوب اللہؒ پر ایک کیفیت طاری ہوئی اور آپ کا مبارک دل تجلی کے نور سے روشن ہو گیا۔ آپ نے نماز ہی میں رب العالمین کو بار بار سجدے کیے نماز سے فارغ ہوتے تو حجرے میں تشریف لے گئے۔ انوار الہی سے دل منور تھا۔ تحیر اور رقت و گریہ کی کیفیت طاری تھی۔ جب ذرا طبیعت بحال ہوتی تو دریافت فرماتے کیا نماز کا وقت ہو گیا ہے؟ کیا میں نے نماز پڑھ لی ہے؟ اگر حاضرین یہ کہتے کہ آپ نے نماز پڑھ لی ہے۔ تو آپ فرماتے کہ اچھا ایک دفعہ اور پڑھ لوں۔ اور نماز ادا فرماتے۔ پھر کیفیت طاری ہو جاتی اور غفلت سی چھا جاتی جیسے آپ کہیں چلے گئے ہیں۔ پھر ہوش میں آتے تو فرماتے کہ آج جمعہ ہے۔ ہم سب نے نماز پڑھ لی ہے؟ کبھی فرماتے: آج جمعہ ہے دوست کو دوست کا وعدہ یاد آتا ہے۔ یہ بھی فرماتے:

میر ویم و میر ویم و میر ویم

بیماری کے دنوں میں شیخ الاسلام مولانا رکن الدین ملتانیؒ مزاج پرسی کو تشریف لائے۔ تو آپ نے ان سے نہایت اطمینان سے گفتگو کی اور ان سے یہ بھی فرمایا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا ہے کہ آپ فرماتے ہیں نظامِ ہمیں تمہارا اشتیاق بہت زیادہ ہے۔ یہ سنتے ہی مولانا رکن الدین ملتانیؒ اور حاضرین سب زار و قطار رونے لگے۔

۱۔ چالیس دن پہلے ۸ ربیع الاول ۱۳۲۲ھ اور جمعہ کا دن ہونا چاہیے اور یہ بروئے تقویم صحیح ہے۔

۲۔ سیر الاولیاء ص ۱۵۲، ۱۵۳

۳۔ سیر الاولیاء ص ۱۲۱

بیماری ہی کے دنوں میں حضرت محبوب الہیؑ نے ایک دن جملہ اقربا کو اور خدمت گاروں کو اور مریدوں کو جو حاضر تھے طلب فرمایا۔ اور ان سب کے سامنے خواجہ اقبالؒ کو حکم دیا کہ جو کچھ بھی ہے سب راہِ خدا میں لٹا دو اور حاضرین سے فرمایا کہ تم گواہ رہنا کہ اگر کچھ بھی اس نے بچایا تو روز قیامت یہی جواب دہ ہوگا۔ خواجہ اقبالؒ نے سب کچھ تو لٹا دیا لیکن درویشوں کے لیے تھوڑا سا غلہ بچا رکھا۔ جب آپ کو علم ہوا تو آپ ناراض ہوئے اور حکم دیا کہ ابھی سب کچھ لٹا دیا جاتے۔ لہذا مخلوق کو طلب کیا گیا، بے شمار مخلوق آگئی۔ اور ذرا سی دیر میں جھاڑوسی دے دی اور آپ کو اطمینان حاصل ہو گیا۔

اسی بیماری میں ایک دن دوست اور خدمت گار حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ مخدوم کے بعد ہم مسکینوں کا کیا حال ہوگا۔ آپ نے کیا خوب فرمایا، تمہیں میرے روضے سے اتنا مل جائے گا کہ تمہیں کافی ہوگا۔ یہ بھی دریافت کیا کہ تقسیم کون کرے گا۔ تو آپ نے فرمایا: کہے کہ از سر نصیب خود بر خیزد یعنی جو اپنا حصہ چھوڑ دے گا۔ آپ سے یہ بھی دریافت کیا گیا کہ آخری آرام گاہ کے لیے عقیدت مندوں نے بڑی بڑی عالی شان عمارتیں تعمیر کرائی ہیں اور آرزو مند ہیں کہ آپ ان میں سے کسی میں آرام فرمانا منظور فرمائیں۔ جب مولانا شمس الدین دامغانی یہ عرض کر چکے تو آپ نے فرمایا، مولانا! میں کسی عمارت میں آرام کرنے کے لائق نہیں ہوں میں تو صحرا میں سوؤں گا۔ لہذا آپ ہی کے ارشاد کی تعمیل کی گئی اور اسی جنگل ہی میں آپ کو دفن کیا گیا۔

۲۰: سیر الاولیاء ص ۱۵۲ یہ بھی کیا عبرت ناک منظر ہوگا۔ ایک بندہ خدا جو اتفاق سے ولی و سرپرست بھی ہے ہمیشہ کے لیے جدا ہو رہا ہے۔ نزع کا عالم ہے۔ خدا سے لو لگی ہے۔ ایسے نازک وقت میں خدام و احباب کو پیٹ کی پٹی ہے۔ پیٹ کی دوزخ کو بھرنے کے لیے نذر و نیاز کی آمد فی مل چکی ہے۔ اب سب پر حاوی ہونے کی لگی ہے۔ سوال کا وہ برجستہ جواب ملتا ہے کہ موت تکتے رہ جاتے ہیں۔

## وصال

پورے چالیس دن آپ بیمار رہے۔ ان دنوں میں آپ نے کچھ بھی کھایا پیا نہیں بلکہ بونٹک بھی نہیں سونگھی۔ البتہ گریہ وزاری بہت زیادہ بڑھ گئی تھی۔ آخری دن نور کی ایک تحریر سینہ مبارک پر نمودار ہوئی۔ اور بدھ کے دن طلوع آفتاب کے بعد اربعہ الاخر ۱۳۲۲ھ کو آپ واصل بحق ہوئے۔ شیخ الاسلام مولانا رکن الدین ملتانی نے نماز جنازہ پڑھائی اور ظہر کے وقت آپ کو آپ کے حفرے میں جس سے خلد بریں کی یاد تازہ ہوتی تھی جو ارجمت میں سپرد کیا یہ حضرت بابا فرید گنج شکر کا خرقہ آپ کو اڑھایا گیا اور حضرت بابا فرید گنج شکر کا مصلیٰ آپ کے سر ہانے رکھا گیا۔ اور ان تحفوں کے ساتھ آپ کو رخصت کیا گیا۔

إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ

کسی نے کیا خوب کہا ہے

نظام دو گیتی شہ مار و طیں  
سراج دو عالم شدہ بالیقین  
چو تاریخ فوٹشس بجم زغیب  
نہ داد ہاتف شہنشاہ دین

۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵۔ سیرت نظامی ص ۲۱۵ میں لکھا ہے کہ آخر بدھ کے روز نماز عصر پڑھ کر مغرب سے پہلے وفات پائی پھر دو سطروں کے بعد یہ لکھ دیا ہے کہ اٹھارہ ماہ ربیع الثانی ۱۳۲۲ھ روز چہار شنبہ بعد طلوع آفتاب حضرت محبوب الہی جو ارجمت رب العلیین داخل ہوئے۔ سبحان اللہ کیا تحقیق ہے۔

۱۵۲، سیر الاولیاء ص ۳۲۲ چ۔ مگر شواہد نظامی ص ۱۴۲ میں عصا کا اضافہ ہے۔

## خلفاء

حضرت محبوب الہیؑ کے خلفاء بھی بکثرت تھے جو مختلف شہروں میں اور مرکزی مقامات میں تبلیغ و ہدایت کی خدمات انجام دیتے تھے۔ جن کی کوششوں کی برکت سے ہندوستان کی سرزمین اپنے رب کی جوت سے جگمگا اٹھی تھی۔

مولانا محمد غوثی شطاریؒ لکھتے ہیں :

آپ نے بڑے بڑے شہروں میں بڑے بڑے مرتبے اور بڑی کرامتوں والے سات سو خلیفہ ایسے روانہ کیے تھے کہ ہر شخص کے سینے سے گویا عرفان کا آفتاب طلوع ہوتا تھا۔

یہ تو صحیح ہے کہ حضرت محبوب الہیؑ کے بکثرت خلفاء تھے۔ لیکن دشواری یہ ہے کہ ان سب بزرگوں کے حالات دستیاب نہیں ہوتے لہذا صرف ان خلفاء کے ذکر خیر پر اکتفا کیا جاتا ہے جن کا ذکر سیر الاولیا کے اوراق کی زینت ہے۔ اور وہ یہ ہیں :

① مولانا شمس الدین عجمیؒ :

(آپ) بہت ہی زبردست عالم تھے۔ مشارق الانوارؒ کی شرح لکھی ہے۔ سلسلہ کا وقار ان کے دم سے قائم تھا۔ شادی بھی نہیں کی تھی۔ سلطان محمد تغلق نے جبراً کٹیر بھجنا چاہا تھا، مگر آپ کو منظور نہ تھا۔ قضا عند اللہ روانگی کا وقت آیا تو سینے میں پھوڑا مکل آیا اور اسی بیماری میں آپ کا وصال ہو گیا۔ مزار پر انوار چبوترہ یادگار ہے جو بری کے گنبد سے جانب شمال ہے۔

۱۔ گلزار ابرار قلمی ص ۱۱۷

۲۔ اخبار الاخبار ص ۶۶

۳۔ سیر الاولیاء ص ۲۲۳ تا ۲۳۶ ج ۲

سال وفات ۱۳۲۶ھ سے پہلے

(۲) مخدوم نصیر الدین چراغ دلیؒ؛

آپ ظاہر و باطن میں حضرت محبوب الہیؒ کی پیروی کرتے تھے۔ اور یہ مقام و مرتبہ آپ کے سوا اور کسی کو حاصل نہ تھا۔ آپ کی مبارک مجلس میں وہی کیفیت حاصل ہوتی تھی جو حضرت محبوب الہیؒ کی مجالس میں نصیب ہوتی تھی۔ حضرت محبوب الہیؒ نے حکم دیا تھا کہ تمہیں خلق میں رہنا چاہیے اور ظلم و ستم سہنے چاہئیں اور مہربانی سے پیش آنا چاہیے۔ اور آپ نے اس پر عمل کیا۔ سلطان محمد تغلق نے آپ کو بہت تکلیفیں پہنچائیں اور آپ نے خندہ پیشانی سے ان سب کو برداشت کیا۔ آپ جید عالم تھے اور علماء و مشائخ اور عوام آپ کے جلقہ بگوش تھے۔ اٹھارہ رمضان ۱۳۵۶ھ کو وصال ہوا۔ طالب اللہ واقف امرار مادہ تاریخ ہے چراغ دلی میں مزار پر انوار ہے۔ اور زیارت گاہ خاص و عام ہے۔

(۳) شیخ حسام الدین ملتانیؒ؛

آپ علم اور زہد و تقویٰ میں مشہور تھے۔ علم فقہ میں کمال حاصل تھا۔ ہدایہ کی دونوں جلدیں حفظ تھیں۔ تصوف میں قوت القلوب اور احیاء العلوم از بر تھیں۔ حضرت محبوب الہیؒ نے انہیں شہر میں رہنے کی ہدایت فرمائی تھی۔ اسی پر ان کا عمل تھا۔ اور یہ بھی فرمایا تھا کہ شہر دہلی در حمایت اوست (دلی شہر ان کی حمایت میں ہے) لیکن جب سلطان محمد تغلق نے علماء و مشائخ کو دلی سے نکالا تو انہیں بھی گجرات جانا پڑا اور وہیں ۸ رزی قعدہ ۱۳۶۶ھ

۱۔ خزینۃ الاصفیاء جلد ۱ ص ۳۲۹

۲۔ تاریخ نظامی ص ۲۲ میں مادہ تاریخ شیخ جمع صوفیاں لکھا ہے مگر یہ غلط ہے کیونکہ اس سے ۱۳۵۶ھ

نہیں برآمد ہوتا ہے۔

۳۔ سیر الادبیاء ص ۲۳۶ تا ۲۴۷ چ

۴۔ سیر الادبیاء ص ۲۵۶ تا ۲۶۲ چ

ہیں وصال ہوا۔ گجرات کے شہر پٹن میں آپ کا مزار پراوار ہے یہ

④ مولانا علار الدین نیلیؒ

راپ، اودھ کے مشہور عالم تھے۔ ان کی تقریر میں جادو کا سا اثر تھا۔ جبید عالم آپ کی تقریر سننے کے مشتاق رہتے تھے۔ کثافت اور منہاج کی باریکیاں خوب سمجھا کر بیان کرتے تھے۔ آپ کے پاس بہت بڑا کتب خانہ تھا۔ مگر آپ نے حضرت محبوب الہیؒ کے ملفوظات کی کتاب فوائد فواد کو نقل کر لیا تھا اور اسی کو پڑھتے رہتے تھے اور فرماتے تھے کہ میری نجات اسی میں ہے۔ اندوئی گنبد دہلیز کے سامنے چبوترہ پاراں میں آپ کا مزار پراوار ہے۔ سال وفات ۱۳۶۰ھ ہے یہ

⑤ مولانا فخر الدین زراویؒ

حضرت محبوب الہیؒ کے معزز خلیفہ تھے۔ علم مناظرہ اور حدیث میں کمال حاصل تھا۔ اور علامہ عصر مانے جاتے تھے۔ ترک و تجرید میں بھی یگانہ تھے۔ شادی بھی نہیں کی تھی تمام عمر حضرت محبوب الہیؒ کی خدمت میں گزار دی۔ حضرت کے وصال کے بعد کوہ و بیابان میں مشغول رہتے اور تہہ کے روزے رکھتے تھے۔ محضر سماع میں شریک تھے اور قاضی کمال الدین صدر جہاں سے آپ ہی نے مناظرہ کیا تھا۔ سلطان محمد تغلق نے آپ سے کہا کہ مجھے نصیحت کیجئے تو آپ نے فرمایا: غصے کو پی جایا کرو۔ اس نے کہا: کیسے غصے کو۔ آپ نے فرمایا: درندوں جیسے غصے کو۔ بادشاہ کو غصہ تو بہت آیا مگر کچھ کرنے سکا۔

۱: مرآت احمدی (تاریخ گجرات) جلد ۲ ص ۴۲

۲: سیر الاولیاء ص ۲۴۵ تا ۲۴۸ ج

۳: خزینۃ الاصفیاء جلد ۱ ص ۳۶۱

اور اکثر یہ کہتا اور افسوس کرتا تھا کہ زراویؒ میری خون آشام تلوار سے بچ کر نکل گیا۔ آپ نے سماع کے متعلق دو رسالے لکھے ہیں۔ جب سلطان محمد تغلق نے دلی کو اجاڑا تو آپ کو بھی دیوگیر (دولت آباد دکن) جانا پڑا۔ وہاں سے آپ مگر معظمہ تشریف لے گئے واپسی میں جہاز ڈوب گیا۔ اور آپ بھی سب کے ساتھ اللہ کے پیارے ہوئے رہے۔

④ خواجہ محمد امامؒ

آپ مولانا بدرالدین اسحاق دہلویؒ کے صاحبزادے اور حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کے نواسے تھے۔ پرورش اور تعلیم و تربیت حضرت محبوب الہیؒ کی نگرانی میں پائی تھی۔ تقویٰ و طہارت ذوق و شوق اور علم و فضل میں بے مثل تھے اور حافظ قرآن پاک بھی تھے۔ بچپن سے بڑھاپے تک حضرت محبوب الہیؒ کی خدمت میں رہے۔ اور حضرت محبوب الہیؒ نے اپنی حیات ہی میں آپ کو خلافت عنایت فرمادی تھی اور آپ حضرت کی حیات ہی میں بیعت لینے لگے تھے۔ آپ حضرت محبوب الہیؒ کو اتنے عزیز تھے کہ مجالس میں کوئی شخص آپ سے اگے حضرت محبوب الہیؒ کے نزدیک نہیں بیٹھ سکتا تھا۔ آپ حضرت محبوب الہیؒ کی نماز باجماعت کی امامت کے عہد سے پر بھی سرفراز تھے۔ اسی لیے آپ آج تک خواجہ محمد امامؒ کے نام سے یاد کیے جاتے ہیں۔ انوار المجالس آپ کی تالیف ہے۔ جس میں آپ نے حضرت محبوب الہیؒ کے ملفوظات جمع فرماتے تھے اور جواب نایاب ہے۔ خطیرہ حضرت محبوب الہیؒ میں مزار پرنوار ہے۔ جو اب چوسٹھ کھیمے کے مغربی دروازے کے سامنے ہے۔ ۶/۷/۱۰۰۰ جادی الآخر کو آپ کا عرس ہوتا ہے۔ سال وصال ۶۳۲ھ ۶۱۳۲۶

بنایا جاتا ہے۔

۱۔ سیر الاولیاء ص ۲۶۲ تا ۲۵۵

۲۔ سیر الاولیاء ص ۲۰۰، ۲۰۱ پج

### ④ مولانا شہاب الدین امامؒ

جب آپ حضرت محبوب الہیؒ سے بیعت ہوئے تو جماعت خانہ میں ایک چھوٹا سا حجرہ آپ کو رہنے کے لیے دیا گیا۔ اور حضرت محبوب الہیؒ کے پسر خواہر زادہ حقیقی خواجہ تقی الدین نورؒ کی تعلیم کی خدمت آپ کو سونپی گئی۔ مولانا شہاب الدین امام عالم اور عابد و زاہد بھی تھے اور خدائے پاک نے آپ کو لجن داؤدی بھی عنایت فرمائی تھی ایسے خوش الحان تھے کہ پرند ہوا میں اور چوپائے زمین پر آپ کی آواز سن کر مست ہو جاتے تھے۔ خواجہ محمد امام کی عدم موجودگی میں آپ ہی حضرت محبوب الہیؒ کی امامت فرماتے تھے۔ حضرت محبوب الہیؒ کے بعد آپ بھی دیوگیر (دولت آباد) چلے گئے تھے۔ جب اہل دلی کو واپسی کی اجازت ہوئی تو آپ بھی دلی چلے آئے۔ دلی ہی میں آپ کا وصال ہوا۔ اور شہر دلی کے فصیل کے سامنے اپنے مکان کے پاس دفن ہوئے۔ ۱۲۴۰ شوال ۷۵۷ھ تاریخ وفات ہے۔

### ⑤ قاضی محی الدین کاشانیؒ

علم و فضل اور زہد و تقویٰ میں ممتاز تھے۔ اور قاضی قطب الدین کاشانیؒ کے نبیہ تھے

۱۔ نظامی بصری ص ۲۸۲ میں مولانا شہاب الدین امام کا مزار درگاہ کے مشرقی دروازے کے پاس بتایا ہے مگر غلط ہے۔ مولانا شہاب الدین امام کا مزار جو حضرت محبوب الہیؒ کے خلیفہ بھی تھے بالاتفاق لاڈوسرائے میں ہے جو ہر دلی تا تعلق آباد سڑک سے جانب شمال ہے ادھر ہی قدیم فصیل اور شہر دلی کا بدایوں دروازہ تھا۔ میر خور کرمانی کے لفظ یہ ہیں: در فساتے شہر دہلی در جوار خانہ خود مدفون گشت۔۔۔ سیر الاولیا ص ۲۹ تا ۲۹۲ چ ۱ واقعات دار الحکومت دہلی حصہ ۳ ص ۳۵۷ مزارات اولیائے دہلی، ص ۸۴-۸۸۔ رہنمائے مقامات مقدس ص ۹ تذکرہ اولیائے ہند جلد ۱ ص ۱۱۵ روضۃ اقطاب ص ۸۷۔ مطلوب الطالبین ص ۱۵۰۔ شواہد نظامی ص ۱۷۰



اور استاد شہر تھے اور آپ کا اثر و رسوخ بھی بہت مفید تھا۔ حضرت محبوب الہیؒ کی نگاہ میں آپ کی بڑی عزت تھی۔ پناہ چاہتے تھے۔ حضرت محبوب الہیؒ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو حضرت محبوب الہیؒ تعظیماً پورے کھڑے ہو جاتے تھے۔ اور یہ عظمت یا ران اعلیٰ میں سے کسی کو بھی حاصل نہیں تھی۔ اور ان بزرگ کی برکت سے مجلس دیر تک جمی رہتی تھی اور اہل ذوق آپ کی آمد کے منتظر رہتے تھے۔ آپ محضر سماع میں بھی شریک تھے۔ حضرت محبوب الہیؒ کی حیات ہی میں آپ کا وصال ہو گیا تھا۔ ۱۲/۱۵ ربیع الاول کو آپ کا سالانہ عرس ہوتا ہے ۲

یہ خلفا تھے جن سے پایہ تخت دلی میں روحانیت کا مرکزی نظام وابستہ تھا اور جو سلطان محمد تغلق کے ہاتھوں منتشر ہوا۔

#### ⑨ مولانا وجیہ الدین یوسف چندیریؒ

آپ حضرت محبوب الہیؒ کے سب سے پہلے خلیفہ تھے اور زہد و تقویٰ میں بے مثل تھے۔ اور حضرت محبوب الہیؒ کے بہت زیادہ عقیدت مند تھے۔ حضرت محبوب الہیؒ فرماتے تھے کہ درویشی کی راہ و روش میں مولانا یوسف بے مثل ہیں اور وہ ثابت قدم سالکوں کی مثل

۱۔ خزینۃ الاصفیاء جلد ۱ ص ۳۲۳

۲۔ سیر الاولیاء ص ۲۱۳ تا ۲۱۶ چ

۳۔ خزینۃ الاصفیاء جلد ۱ ص ۳۲۵ میں سال وفات ۷۱۹ھ لکھا ہے مگر یہ غلط ہے کیوں کہ آپ محضر سماع میں شریک تھے اور محضر سماع

سے چار سال بعد سلطان محمد تغلق نے دلی والوں کو دیوگیر بھیجا تھا۔ (سیر الاولیاء ص ۵۳۲) اور بقول بذیوفی

یہ نقل مکانی ۷۲۴ھ میں ہوئی تھی گویا کہ محضر سماع ۷۲۳ھ میں ہوا تھا لہذا قاضی کاشانی کی وفات ۷۲۳ھ

۷۲۵ھ کے درمیان واقع ہوئی ہوگی۔ اس سے نظامی بنسری ص ۲۹۳ کا شبہ بھی درست

۶۱۳۲۳  
نہیں رہتا۔

عمل کرتے ہیں۔ حضرت محبوب الہیؑ نے آپ کو اپنی اجازت سے سرفراز فرما کر چندیری بھیج دیا تھا۔ اور وہاں کے رہنے والے جس قدر بھی آپ کی خدمت میں بیعت ہونے کیلئے حاضر ہوئے تو آپ ان سے فرماتے کہ چندیری میں مولانا محمد یوسفؒ سے بیعت ہو جاؤ، اور یہی تصور کرو کہ گویا مجھ ہی سے بیعت ہو گئے ہو۔ چندیری ہی میں مولانا یوسفؒ کا وصال ہوا۔ وہیں مزار ہے جو زیارت گاہ خاص و عام ہے۔ سال وفات ۱۳۲۸ھ ہے۔

⑩ مولانا برہان الدین غریبؒ

آپ بھی حضرت محبوب الہیؑ کے ابتدائی مریدوں میں تھے۔ اور آپ کو حضرت محبوب الہیؑ سے بہت عقیدت تھی۔ یہاں تک کہ آپ نے کبھی غیاث پور کی طرف پیٹھ نہیں کی۔ شہر برہان پور آپ ہی کے نام پر آباد کیا گیا تھا۔ بہت ضعیف العمر تھے۔ دکن کی ولایت آپ ہی کو سونپی گئی تھی۔ اور چار سو مریدوں کی جماعت کے ساتھ آپ کو دکن بھیجا گیا تھا۔ دیوگیر (دولت آباد) ہی میں آپ کا وصال ہوا۔ وہیں آپ کا مزار ہے۔ اور آج تک زیارت گاہ خاص و عام ہے۔ سال وفات ۱۳۴۰ھ ہے۔

⑪ شیخ قطب الدین منورؒ

آپ حضرت امام ابو حنیفہؒ کی اولاد سے تھے۔ اور حضرت جمال ہانسویؒ کے پوتے تھے۔ خلافت کے وقت حضرت محبوب الہیؑ نے آپ کو اور مخدوم نصیر الدین چراغ دلی کو بہم مبارک باد دینے اور گلے ملنے کے لیے فرمایا اور یہ بھی فرمایا کہ دونوں بھائی بھائی ہو۔

۱۵: سیر الاولیاء ص ۲۸۲ تا ۲۸۸

۱۶: خزینۃ الاسفیا جلد ۱ ص ۳۲۲

۱۷: سیر الاولیاء ص ۲۷۸ تا ۲۸۲

۱۸: خزینۃ الاسفیا جلد ۱ ص ۳۲۸

یہ بزرگ نہایت متقی پرہیزگار اور متوکل تھے اور بلند پایہ عالم بھی تھے اور صرف نماز جمعہ اور اپنے بزرگوں کے مزارات کی زیارت کے لیے گھر سے باہر آتے تھے ورنہ نہیں۔ گھر ہی میں رہ کر مخلوق کی راہ نمائی فرماتے تھے۔ ہریانہ کی ولایت آپ کے سپرد تھی۔ اور شب و روز مخلوق آپ کے در دولت پر حاضر ہوتی اور فیض پاتی تھی۔

سلطان محمد تغلق نے جبراً آپ کو دلی بلوایا اور جب آپ سے ملاقات کی اور ہاتھ ملایا تو آپ نے بڑی سختی سے ہاتھ کی گرفت کی اور اس کا یہ اثر ہوا کہ سلطان کے دل سے دشمنی کا جذبہ فوراً ہی زائل ہو گیا۔ اور وہ آپ کا مداح و معتقد ہو گیا۔ آپ کا مزار پر انوار ہانسی ضلع حصار میں ہے اور خاص و عام کی زیارت گاہ ہے۔ تاریخ وصال ۲۶ رومی قعدہ ۷۵۷ھ ۶۱۲۵۶ ہے۔ سلسلہ جمالیہ آپ ہی سے جاری ہے۔ جو دراصل نظامیہ منوریہ ہے۔

⑫ مولانا سراج الدین عثمان

آپ اخی سراج کے نام سے مشہور تھے اور کھنوتی (بنگال) کے رہنے والے تھے نو عمری ہی میں حضرت محبوب الہی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ ہی کی سرپرستی میں تعلیم و تربیت حاصل کی۔ آپ کے متعلق حضرت محبوب الہی کا ارشاد ہے کہ ایں آئینہ ہندوستان است یعنی یہ آئینہ ہندوستان ہیں۔ حضرت محبوب الہی کے وصال کے بعد تین سال تک درگاہ شریف میں خواجہ جہاں مرحوم کے گنبد میں مقیم رہے اور جب سلطان محمد تغلق نے دلی والوں کو دیوگیر (دولت آباد) بھیجا تو آپ بھی دلی سے

۱۔ سیر الاولیاء ص ۲۴۷-۲۵۶ چ

۲۔ تاریخ فیروز شاہی شمس سراج عقیف ص ۸

۳۔ سیر الاولیاء کے مطالعہ سے واضح ہے کہ اس زمانے میں مشرقی یوپی اودھ، بہار اور بنگال کو ہندوستان کہتے تھے۔ اور ان علاقوں کے رہنے والوں کو ہندوستانی کہتے تھے۔

لکھنوتی چلے گئے اور حضرت محبوب الہیؒ کے کتب خانہ سے جو وقت تھا، تعلیم و تعلم کے لیے کچھ کتابیں بھی ساتھ لے گئے تھے جو برکات آپ کو حضرت محبوب الہیؒ نے عنایت فرماتے تھے۔ آخری عمر میں آپ نے انھیں بڑے احترام سے ایک قبر میں دفن کیا اور اس کے پائیں اپنے لیے قبر بنوائی اور اسی میں دفن ہوئے۔ مزار پڑ الوار آپ کا پند وہ بنگال میں ہے اور خاص و عام کی زیارت گاہ ہے۔ بنگال و بہار اور اودھ میں آپ کے سلسلے نے فروغ پایا۔ سال وفات ۱۲۵۶ھ ہے۔

یہ وہ بزرگ خلفا تھے جو دلی کے مرکز کے ماتحت علاقائی مرکزوں میں دینی اور روحانی تبلیغ کی خدمات انجام دے رہے تھے۔ اور نہ صرف یہی بلکہ ان کے علاوہ بھی بہت سے بزرگ مختلف علاقوں میں مصروف کار تھے جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔ غرض کہ کام بڑی خوش اسلوبی سے سرانجام ہو رہا تھا کہ ایک ایسی حالت نے رخ بدلا۔ دلی اجڑی اور علاقائی مرکزوں کو تقویت نصیب ہوئی۔

## علاقائی مراکز

حضرت محبوب الہیؒ کی حیات ہی میں اور آپ ہی کی منشا کے مطابق علاقائی مرکز قائم ہو چکے تھے۔ اور آپ کے خلاف اور مریدین بڑے بڑے شہروں میں دینی و روحانی تبلیغ کی خدمات خاطر خواہ انجام دے رہے تھے۔ مگر دلی کی مرکزی نورانیت کے سامنے ان کی روشنی مدہم تھی۔ اور سب کی نگاہیں دلی ہی کے مرکز کو تکی رہتی تھیں۔ لیکن جب سلطان محمد تغلق کی خون آشام خصلت کی بدولت دلی کا نظام درہم برہم ہوا تو علاقائی مرکزوں کو تقویت

۱۔ سیر الاولیاء ص ۱۸۸ تا ص ۲۹

۲۔ خزینۃ الاصفیاء جلد ۱ ص ۲۵۸

پہنچی اور علاقہ کا پورا بوجھ انہیں خود سنبھالنا پڑا۔ اور اس میں انہیں کامیابی نصیب ہوئی مگر دلی کی سی جامعیت کسی کو بھی حاصل نہیں ہوئی۔ الغرض ان مرکزوں کی اور ان سے وابستہ بزرگوں کی مختصر سی فہرست یہ ہے :

① مالوہ : مولانا وجیہ الدین یوسف چندیروی، مولانا کمال الدین،

مولانا مغیث الدین اجین۔

② گجرات : مولانا حسام الدین ملتانی، پٹن، مخدوم سید حسین دیہوتی،

شاہ بارک اللہ نروالہ۔

③ دکن : مولانا برہان الدین غریب، دیوگیر (دولت آباد)

④ بنگال : مولانا سراج الدین عثمان معروف انجی سراج پنڈوہ

⑤ ہریانہ : شیخ قطب الدین منور ہانسی

### مخصوص مریدین

خلفاء کے علاوہ بعض مرید بھی ایسے باکمال تھے جو مخصوص شخصیت کے مالک تھے اور دلی ہی میں رہتے تھے۔ ان کی شخصیت کے اثر و رسوخ سے بھی علمی و اخلاقی قدروں کو تقویت حاصل ہوئی۔ ان میں سے یہ پانچ بزرگ خصوصیت سے قابل ذکر ہیں :

① حضرت امیر خسروؒ

② مولانا وجیہ الدین پانلیؒ

③ مولانا فخر الدین مردزیؒ

④ خواجہ ضیا الدین برنیؒ مولف تاریخ فیروز شاہی۔

⑤ امیر حسن علاسنجریؒ مرتب فوائد الفواد

## ذریعہ تربیت

حضرت محبوب الہیؒ کے بعض مرید ایسے بھی تھے جنہیں خلافت کا منصب تو عنایت ہوا نہیں تھا لیکن ان کی تربیت کی طرف خاص توجہ تھی۔ اور وہ شیخ کی صحبت اور خدمت کی برکت سے ایسی خوبیوں کے مالک ہو گئے تھے گویا وہ مجسمہ اخلاق و اوصاف ہیں۔ خواجہ عزیز الدین بن یعقوبؒ، شیخ کبیر الدین صوفیؒ، خواجہ کمال الدین کرمانیؒ، خواجہ رفیع الدین ہارونؒ اور خواجہ ابو بکر مصطفیٰ دارخاسنؒ ایسے ہی با کمال بزرگوں میں سے تھے۔ ہم یہاں صرف دو بزرگوں کا مختصر حال لکھتے ہیں:

### ① خواجہ رفیع الدین ہارونؒ

آپ حضرت محبوب الہیؒ کے پسر خواہر زادہ حقیقی تھے۔ آپ کا ذکر خیر نکتہ اقربا میں سب سے پہلے آتا ہے۔ اور حضرت محبوب الہیؒ خود بھی تمام اقربا میں آپ ہی کو مقدم رکھتے تھے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ ہی کو قرابت قریبہ کا شرف حاصل تھا۔ بچپن ہی سے حضرت محبوب الہیؒ کی آغوش شفقت میں پرورش پائی۔ تنہائی میں ہوں یا مجلس میں حضرت محبوب الہیؒ آپ کو گود میں لیتے اور بڑے پیار سے باتیں کیا کرتے تھے حضرت ہی کی سرپرستی میں آپ نے تعلیم و تربیت حاصل کی اور قرآن پاک حفظ فرمایا۔

۱۔ تاریخ مشائخ پشت ص ۲۸۷

۲۔ کسی نے حقیقی بھانجے کا بیٹا اور کسی نے حقیقی بھانجی کا بیٹا لکھا ہے اور کسی نے بھانجے ہی لکھا ہے

مطلوب الطالبین قلمی ص ۱۴۲۔ شواہد نظامی ص ۱۶۶۔ حیات نظامی طبع اول ص ۵۲۔ ترجمہ سیر الاولیاء

بریاں ص ۲۰۹۔ گلزار ابرار ص ۱۳۷

۳۔ از جہد اقربائے خویش اول این بزرگ را مقدم داشتے (سیر الاولیاء ص ۲۰۳ چ)

آپ کو تیر و کمان، سیر و شکار اور کشتی کا بڑا شوق تھا۔ اور حضرت کو آپ کی خاطر اتنی منظور تھی کہ کبھی منع نہ فرماتے تھے۔ بلکہ آپ کی دلجوئی کے لیے ان جائز قنون کی باریکیاں آپ کو سمجھاتے تھے۔ کھانے کے وقت اگر آپ موجود نہ ہوتے تو ان بزرگوں کے موجود ہونے کے باوجود آپ کا انتظار فرماتے۔ اور تحفے تحائف جو حضرت کے پاس آتے تو دیگر اقربا کے مقابلے میں آپ ہی کو زیادہ حصہ دیتے۔ بغرض کہ حضرت محبوب الہیؑ آپ سے بہت ہی محبت فرماتے تھے اسی لیے آپ حضرت محبوب الہیؑ کی حیات ہی میں حضرت کے دولت کدے اور خلیفے کے متولی ہو گئے تھے۔ آپ کے متعلق امیر خور دکر مانی کے آخری دو جملے بھی بہت ہی پُر تاثیر ہیں۔ اور ان سے آپ کی شخصیت کا نقش دل پر چم جاتا ہے اور وہ یہ ہیں:

حق تعالیٰ این بزرگ را کہ یادگار سلطان المشائخ است بر جادۃ

طریقیت مستقیم دارد۔ و براہ صحاب روضہ مقیم باشد۔ آمین۔

(حق تعالیٰ ان بزرگ کو جو حضرت محبوب الہیؑ کی یادگار ہیں۔ طریقیت

کے راستے پر مستقیم رکھے اور یارانِ روضہ پر قائم رکھے۔ آمین!)

قربِ قرابت کے اظہار کے لیے یادگار سلطان المشائخ سے زیادہ موزوں اور کیا ہو سکتا عرض کہ آپ حضرت محبوب الہیؑ کی یادگار بھی تھے اور متولی خانہ و خلیفہ بھی تھے۔ آپ سے

۱۔ سیرۃ المحبوب ص ۵۷ میں لکھا ہے کہ مکرہی اور کشتی سے بہت شوق تھا اور تاریخ نظامی ص ۷۳ میں لکھا ہے کہ فن تیراکی اور کشتی وغیرہ کا بہت شوق تھا۔ مگر دونوں میں غلط بیانی ہے۔

۲۔ خلیفہ احاطہ قبرستان کو کہتے ہیں۔ اس سے مراد درگاہ شریف اور اس کی حدود ہیں اور دولت کدے سے مراد آپ کی خانقاہ ہے جسے اب چلہ کہتے ہیں اور جو مقبرہ ہمایوں کے شمال مشرقی گوشے میں ہے۔

۳۔ سیر الاولیاء ص ۲۰۳ چ

زیادہ حضرت محبوب الہیؒ کا قریبی رشتہ دار اور کوئی نہیں تھا۔ ۸/۴ رجب کو سالانہ عرس ہوتا ہے۔ لوح مزار پر سال وفات ۱۳۳۹ھ کاندہ ہے۔ مزار پر انوار حضرت امیر خسروؒ کی درگاہ میں شمال مشرقی دروازوں کے درمیان ایک احاطہ میں ہے۔

(۲) خواجہ ابوبکر مصطفیٰ دار خاصؒ

آپ کو حضرت محبوب الہیؒ کی مصطفیٰ داریؒ کی خدمت کا شرف حاصل تھا۔ نکتہ اقربا میں آپ کے مبارک ذکر کو تیسرا مقام حاصل ہے۔ اور جس طرح خواجہ ہارونؒ کے متعلق یہ بتایا ہے کہ وہ پسر خواہر زادہ حقیقی تھے۔ آپ کے کسی رشتے کا ذکر نہیں کیا ہے اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کچھ دور کا رشتہ تھا جس کا ظاہر کرنا ہی بہتر تھا۔

بہر حال یہ بزرگ نہایت عابد و زاہد تھے۔ شب و روز مجاہدات میں مشغول رہتے تھے اور دائم الصوم بھی رہتے تھے بلکہ کئی کئی دن افطار نہ کرتے تھے اور اس کے باوجود ہر وقت حضرت محبوب الہیؒ کی خدمت میں لگے رہتے۔ جمعہ کے دن فجر کی نماز کے بعد حضرت محبوب الہیؒ کا مصطفیٰ مبارک کیلو کھری کی جامع مسجد میں لے جاتے تھے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ جمعہ کا دن تھا۔ حضرت محبوب الہیؒ نے فرمایا کہ خواجہ ابوبکر جامع مسجد میں میرا مصطفیٰ لے گئے ہیں۔ اور (یاد حق میں) مشغول ہیں۔ سماع کا ذوق بھی کامل تھا۔

ایک دفعہ حضرت محبوب الہیؒ نے آپ کو اپنا جبہ خاص عنایت فرمایا۔ تو آپ نے شکر یہ ادا کرنے کی غرض سے کئی سیر گھی حضرت محبوب الہیؒ کی خدمت میں پیش کیا۔ حضرت نے

۱۔ حیات نظامی ص ۱۴۱ میں بھی سال وفات ۲۲ رجب ۱۳۳۹ھ لکھا ہے۔ مگر یہ غلط ہے کیونکہ سیر الاولیاء کی تصنیف کے زمانے میں حیات تھے اور اس کا زمانہ تصنیف اندازاً ۱۳۵۸ھ ہے۔

۲۔ سیر الاولیاء ص ۱۴۲ پج

۳۔ سیر الاولیاء ص ۲۰۳، ۲۰۵ پج



خادم سے فرمایا کہ اس میں سے ایک سیر گھی لے لو جب آپ نے یہ دیکھا تو عرض کیا کہ سب ہی قبول فرمایا لیجئے، یہ ہے ہی کیا۔ حضرت نے فرمایا: ترا این جبتہ بہ بہا خواہد افتاد۔ (پھر تو یہ جبتہ تمہیں قیمتاً پڑ جائے گا۔) گویا بدلہ اتر جائے گا۔

حضرت خواجہ ابوبکر مصلی دار نہایت متوکل بزرگ تھے۔ اور اگرچہ حضرت محبوب الہی کے وصال کے بعد بعض دوستوں نے شاہی وظیفے قبول کر لیے تھے اور زمین داری کے کاموں میں مشغول ہو گئے تھے۔ مگر آپ نے ان میں سے کسی چیز کو بھی قبول نہیں کیا اور اس کے باوجود بڑی خوش حالی سے زندگی بسر کرتے رہے۔

محققین کے نزدیک ان بزرگ کا شمار زہر تربیت بزرگوں میں ہے۔ یہ نہ جدی وارث تھے اور نہ نسبی جانشین تھے۔ اور نہ روحانی سجادہ نشین تھے۔ بلکہ بعض نادان دوست ناحق ان بزرگ کی ذات گرامی کو ملوث کرتے ہیں۔ جو شرم کی بات ہے۔ ۲۷ رجب

۱: سیر الاولیاء ص ۱۲۲ چ

۲: تاریخ مشائخ پشت ص ۲۸۷

۳: حضرت خواجہ ابوبکر مصلی دار کو قریبی رشتہ دار جدی وارث اور نسبی جانشین ثابت کرنے کے لیے عجیب عجیب شرم ناک شجرے بنائے گئے ہیں چنانچہ یہاں ایک ہی شخص کے شائع کردہ جعلی شجروں سے جو نتائج بامد ہوتے ہیں، مختصراً ان کا ذکر کیا جاتا ہے

(۱) تاریخ نظامی ص ۱۷ میں حضرت محبوب الہی کی ہمیشہ کو سید عبداللہ ابن سید عبدالرحمن کی

زوج بتایا ہے۔ جو سیرۃ المحبوب ص ۵۹ میں مخدوم کے داماد ہیں اور سیرۃ المحبوب ص ۶۱ میں وہی مخدوم کے پوتہ داماد ہیں۔

(۲) سیرۃ المحبوب ص ۵۹ میں حضرت محبوب الہی کی ہمیشہ کو خواجہ محمد ابن خواجہ محمد صالح

کی زوجہ بتایا ہے جو تاریخ نظامی ص ۱۷ میں مخدوم کے نواسے ہیں اور سیرۃ المحبوب ص ۶۱ میں مخدوم

۴۳۵ تاریخ وفات ہے یہ

۶۱۳۳۵

یہ حضرت اگرچہ زیر تربیت تھے۔ لیکن حضرت محبوب الہی کی پرورش کی برکت سے ان خوبیوں سے مالا مال تھے کہ آج کے کاملین کو بھی یہ کمال نصیب نہیں۔ غرض کہ ان بزرگوں کی ذات گرامی سے دلی کے روحانی مرکز کی ساکھ بندھی ہوئی تھی۔ اور وہ ہر پہلو سے

(بقیہ صفحہ ۱۶۱) کے صاحبزادے ہیں۔

(۳) سیرۃ المحبوب ص ۶ میں حضرت محبوب الہی کی ہمیشہ کو خواجہ محمد صالح ابن خواجہ عبداللہ کی زوجہ بتایا ہے جو تاریخ نظامی ص ۱۴ میں مخدومہ کے داماد ہیں۔ اور سیرۃ المحبوب ص ۵۹ میں مخدومہ کے خسر ہیں۔

(۴) تاریخ نظامی ص ۱۴ میں حضرت محبوب الہی کی بھانجی کو خواجہ صالح ابن خواجہ عبداللہ کی زوجہ بتایا ہے جو سیرۃ المحبوب ص ۵۹، ۶۰ میں محترمہ کے دادا ہیں۔

(۵) سیرۃ المحبوب ص ۵۹ و ۶۰ میں حضرت محبوب الہی کی بھانجی کو خواجہ عبد اللہ ابن مولانا عبدالرحمن کی زوجہ بتایا ہے جو تاریخ نظامی ص ۱۴ میں محترمہ کے والد بزرگوار ہیں۔ الغرض خواجہ ابوبکر مصلی دار کو ان جعلی شجروں میں خواجہ ابوبکر مصلی دار ابن خواجہ عبداللہ ابن مولانا عبدالرحمن بتایا گیا ہے جو سیرۃ المحبوب ص ۵۹ میں حضرت محبوب الہی کی ہمیشہ کے نواسے ہیں اور سیرۃ المحبوب ص ۶۱ میں پرپوتے ہیں اور آخر کار تاریخ نظامی ص ۱۴ میں خواجہ ابوبکر مصلی دار کو مخدومہ کا صاحبزادہ بنا دیا گیا ہے۔ اور خواجہ ابوبکر مصلی دار کی اولاد ہونے کے دعویٰ دار جدی دارث اور نسبی جانشین ہونے کا دعویٰ کرتے گئے ہیں۔ کیا کوئی شریف النفس اس خرافات کو برداشت کر سکتا ہے۔ بزرگوں کے باب میں خصوصاً حضرت محبوب الہی کی ہمیشہ محترمہ کے متعلق ایسے شجرے کس قدر شرم ناک ہیں۔ نظامیوں کی سعادت مندی کی داد نہیں دی جاسکتی۔

۱۵، تاریخ نظامی ص ۹۰۔

قابل اطمینان تھا بلکہ نہایت ہی جامع اور مکمل سمجھا جاتا تھا اور تھا بھی ایسا ہی — اور جسے سلطان محمد تغلق کی ناعاقبت اندیشی کے ہاتھوں سخت نقصان سے دوچار ہونا پڑا۔

## اہلِ تسلیم

حضرت محبوب الہیؒ کے حلقہ ارادت میں بے مثل علماء و فضلا کے علاوہ نہایت بلند پایہ شاعر و مورخ اور اہل قلم بھی شامل تھے۔ اور وہ ایسے باکمال تھے کہ ان کی نظیر زمانہ آج تک پیش نہیں کر سکا۔ ان میں سے مشہور ترین بزرگ یہ ہیں :

(۱) طوطی ہند حضرت امیر خسروؒ

الواکس امیر خسروؒ لاچینی ترک تھے۔ نو عمری ہی میں حضرت محبوب الہیؒ سے بیعت ہو گئے تھے۔ اور نو عمری ہی میں شعر کہنے لگے تھے۔ بہت خوبوں کے مالک تھے۔ دربار شاہی سے وابستہ ہونے کے باوجود کامل صوفی تھے۔ اور شب زندہ دار بزرگوں میں سے تھے۔ ہر قسم کے علوم سے آگاہ اور بلند پایہ عالم و ادیب اور بے نظیر شاعر تھے حتیٰ کہ علمی کمالات میں آج تک آپ کا لوہا مانا جاتا ہے۔

حضرت محبوب الہیؒ کو بہت ہی عزیز تھے۔ چنانچہ حضرت فرماتے تھے کہ میں سب سے تنگ آجاتا ہوں اپنے آپ سے بھی تنگ آجاتا ہوں مگر ترک اللہ (امیر خسرو) میں تم سے تنگ نہیں آتا۔ حضرت محبوب الہیؒ پیار سے آپ کو ترک اللہ کہا کرتے تھے آپ کو حضرت محبوب الہیؒ کے مزاج میں اس قدر دخل تھا کہ جس وقت چاہتے آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاتے آپ کے سوا اور کسی کو یہ سعادت نصیب نہیں تھی۔

حضرت امیر خسروؒ سے حضرت محبوب الہیؒ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ میری

زندگی پر تمھاری زندگی منحصر ہے لہذا تم یہ دعا کیا کرو کہ تمھیں میرے پہلو میں دفن کیا جاتے۔

حضرت امیر خسرو کو شعر و ادب اور موسیقی سے فطری لگاؤ تھا۔ اور آپ کو اردو شاعری کا موجد بھی مانا جاتا ہے بلکہ گونا گوں کمالات کے اعتبار سے آپ کو زندہ جاوید تسلیم کیا جاتا ہے۔ آپ نے مختلف علوم و فنون میں بہت سی کتابیں لکھی ہیں۔ اور شعر و ادب کا بہت بڑا ذخیرہ یادگار چھوڑا ہے۔ ان ہی میں ایک پسندیدہ کتاب افضل الفوائد ہے جس کی دو جلدیں ہیں۔ اور ان میں حضرت محبوب الہیؒ کے ملفوظات ہیں جنہیں خود حضرت محبوب الہیؒ نے ملاحظہ فرمایا تھا۔ اور یہ دونوں کتابیں آج تک عظمت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں۔

حضرت محبوب الہیؒ کے وصال کے چھ مہینے بعد ۱۸ شوال ۷۲۵ھ کو حضرت امیر خسروؒ کا وصال ہوا۔ مزار پر انوار حضرت محبوب الہیؒ کے آستانے میں جانب جنوب ہے اور زیارت گاہ خاص و عام ہے۔ زائر پہلے آپ ہی کے آستانے پر حاضر ہوتے ہیں اور پھر حضرت محبوب الہیؒ کی بارگاہ میں حاضری دیتے ہیں۔

## (۲) امیر حسن علائقیؒ

دلی کے رہنے والے تھے۔ حسن دہلوی کے نام سے مشہور ہیں اور حضرت امیر خسروؒ کے جگری دوست تھے۔ اور بڑے ہی رنگین مزاج تھے۔ اعلیٰ درجے کے شاعر اور شاعر نگار تھے۔ کلام میں ایسی تاثیر ہے کہ آج بھی تازہ ہی لگتا ہے۔ آخر عمر میں حضرت محبوب الہیؒ کے دستِ حق پرست پر توبہ کی۔ اور حضرت کے فیضِ صحبت سے روحانیت میں

۱۔ سیر الاولیاء ص ۳۰ تا ۳۵۔ ۲۔ توبہ کا ذکر اسی کتاب میں تبلیغ کے زیر عنوان ہے۔

کمال حاصل کیا۔ اور حضرت محبوب الہی کے ملفوظات کو پانچ جلدوں میں مرتب کیا جس کا نام فوائد الفوائد ہے۔ اس کی بڑی خوبی یہ ہے کہ حضرت محبوب الہی کی تقریر جوں کی توں نقل کر دی ہے۔ اور مطالعہ سے حضرت کی مبارک تقریر کا لطف حاصل ہوتا ہے۔

حضرت محبوب الہی نے خود بھی انھیں ملاحظہ فرمایا تھا اور جو لفظ مرتب کو یاد نہیں ہے تھے اور جگہ خالی چھوڑ دی تھی۔ حضرت نے خود اپنے مبارک قلم سے لکھ دیتے تھے۔ ان ہی خوبیوں کی بنا پر اسی زمانے میں دور و نزدیک اس کتاب کی شہرت ہو گئی تھی اور بہت زیادہ مانگ تھی۔ کاتب نقل کر کے فروخت کیا کرتے تھے اور اکثر دوستوں نے خود اس کتاب کو نقل کر لیا تھا اور شب و روز مطالعہ کیا کرتے تھے۔ اور حضرت امیر خسرو جیسے باکمال یہ فرمایا کرتے تھے:

کاشش! میری وہ تمام کتابیں جن میں میں نے پوری عمر صرف کی  
ہے براور امیر حسن کی ہوتیں اور انھوں نے جو ملفوظات جمع کیے ہیں وہ  
میرے ہوتے تاکہ دنیا و آخرت میں وہ میرے لیے سرمایہ فخر  
ہو سکتے۔

جب سلطان محمد تغلق نے اہل دلی کو دیوگیر (دولت آباد) بھیجا تو آپ کو بھی وہیں  
جانا پڑا۔ اور وہیں آپ کا انتقال ہوا۔ آپ کا مزار خاص و عام کی زیارت گاہ ہے اور

۱۵: اس قدر وسیع حلقہ ہونے کے باوجود کسی نظامی کو یہ توفیق نہیں ہوتی کہ اس مفید کتاب کا کوئی اچھا  
ادیشن شائع کر دیتا۔ جس میں اشاریہ بھی ہوتا اور تاریخی مقامات اور تاریخی شخصیتوں کے متعلق سواشی بھی ہوتے  
اور اسی شان کا کوئی ترجمہ ہوتا۔ مطبع نوکشور لکھنؤ بلاشبہ قابل تحسین ہے کہ اس کی بدولت ہم اس نعمت  
سے مستفید ہیں۔ بازاری تراجم تو ایسے ہیں کہ اگر نہ ہوتے تو بہتر تھا۔

۱۶: سیر الاولیا ص ۳۰۸ چ

مزار حسن شیر کے نام سے مشہور ہے۔

(۳) خواجہ ضیا الدین برنیؒ

آپ نہایت معزز خاندان کے فرد تھے۔ بلند شہر آپ کے بزرگوں کی جاگیر میں تھا۔ اور اس زمانے میں بلند شہر کو برن کہا کرتے تھے۔ اسی لیے آپ برنی مشہور ہیں۔ آپ کے والد بزرگوار نہایت نیک اور بزرگ آدمی تھے۔ اور انھوں نے آپ کو بچپن ہی میں حضرت محبوب الہیؒ سے بیعت کرا دیا تھا۔ کیلکوری میں آپ کا بڑا عالیشان محل تھا۔ اسی میں آپ رہتے تھے لیکن بعد میں حضرت کی محبت و قربت کے پیش نظر غیاث پور میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ اور حضرت کے یاران اعلیٰ میں شمار ہوتے تھے۔

بہت اچھے عالم مورخ ادیب اور اہل قلم تھے۔ بلکہ نہایت ظریف اور ہنس مکھ آدمی تھے۔ جس محل میں ہوتے اسے اپنے لطیفوں اور چٹکوں سے باغ و بہار بنا دیتے تھے۔ سلطان محمد تعلق کے زمانے میں ایک معزز منصب پر سرفراز تھے۔ عہد فیروز شاہی میں بہت ضعیف ہو گئے تھے اس لیے گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی مگر دربار شاہی سے گراں قدر وظیفہ ملا کرتا تھا۔ گوشہ نشینی ہی کے ایام میں آپ نے کئی کتابیں لکھیں جن میں سے یہ دو کتابیں خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ ایک تو حضرت نامہ جو تصوف میں ہے

۱۔ سلطان محمد تعلق کا عہد حکومت ۷۲۵ تا ۷۵۲ھ تھا۔ اس عہد میں ضیا برنیؒ منصب دار تھے۔ امیر خورڈ کا بیان ہے کہ از دولت او ازیں دنیا سے غدار و مکار و بیوفا حیلے وافر و نصیبے کامل گرفت۔ (سیرالاولیاء ص ۱۳) گویا کہ ضیا برنی پرین برس رہا تھا اور دولت کی ریل پیل تھی۔ لیکن تاریخ نظامی ص ۳ میں اس خیال کا اظہار کیا گیا کہ ضیا برنیؒ ان ایام میں درگاہ کی خدمت پر مامور تھے۔ اور بلا معاوضہ خدمت کیا کرتے تھے۔ یہ بیان خلاف واقع ہے۔

جس میں حضرت محبوب الہی کی متبرک صحبت کے حالات بھی ہیں۔ دوسرے تاریخ فیروز شاہی جس میں عہدِ غیاث الدین بلبن سے چھٹے جلوس فیروز شاہی ۷۵۸ھ تک کے حالات ہیں اور بڑی خوش اسلوبی سے لکھے ہیں اور اسی سے آپ کے نام کو حیاتِ جاوید نصیب ہوتی ہے۔

آخر عمر میں حضرت محبوب الہی کی صحبت کا آپ پر یہ اثر تھا کہ جو کچھ ملتا خیرات کر دیا کرتے تھے حتیٰ کہ آخری بیماری میں تن کے کپڑے تک خیرات کر دیتے تھے۔ جب آپ کا انتقال ہوا تو گھر میں ایک کوڑی بھی نہیں تھی۔ لہذا آپ کو صرف ایک چادر میں کفنایا اور بوریانچے بچھا دیا تھا۔ اور مسکینوں کی طرح آپ دنیا سے تشریف لے گئے۔ حضرت محبوب الہی کے حلیے (احاطہ قبرستان کے نزدیک آپ کے والد بزرگوار کی پائیں آپ کو دفن کیا گیا۔)

۱۔ تاریخ نظامی ص ۸۲ میں سال وفات ۷۳۸ھ لکھا ہے۔ کوئی ان سے پوچھے کہ کیا مرنے کے بیس بائیس سال کے بعد بھی کتابیں لکھی جاتی ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ سال وفات غلط ہے۔ ایک نسخہ نے لکھا ہے کہ سید نور محمد بدایونی المتوفی ۱۱۳۵ھ نے ۱۱۵۰ھ میں سیر الاولیا کو نقل کر دیا تھا۔ سبحان اللہ!۔

۲۔ سیر الاولیا کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ بچہ تیرہ باران درگاہ شریف کا مشرقی حصہ ہے جس کا ایک سرا احاطہ کرمانیاں ہے اور امیر خورود کا بیان یہ ہے کہ درجوارِ حلیہ سلطان المشائخ درپایان والد بزرگوار خویش مدفون یافت (سیر الاولیا ص ۳۱۳ چ) جوار کے معنی ہیں پڑوس اور نزدیک اس کا مطلب یہ ہوا حلیہ کے نزدیک۔ مگر جہاں قراب بتائی جاتی ہے۔ اس مقام کو امیر خورود پایان اور اندرون حلیہ لکھتے ہیں۔ اس لیے مزار کی نشان دہی مشکوک ہے۔

۳۔ سیر الاولیا ص ۳۱۳

## (۴) مولانا فخر الدین زرادمیؒ

آپ حضرت محبوب الہیؒ کے معزز خلیفہ تھے۔ اور آپ کا ذکر تیر خلیفہ کے زیر عنوان لکھا جا چکا ہے۔ آپ نے سماع کے متعلق دو رسالے لکھے تھے۔ ایک کا نام اصول السماع ہے اور دوسرے کا نام وجوہ السماع ہے اور مجموعی طور پر دونوں کا نام کشف المفتاح ہے۔

## (۵) مولانا شمس الدین کبیریؒ

آپ حضرت محبوب الہیؒ کے معزز خلیفہ تھے۔ آپ نے کئی کتابیں لکھیں ان میں سے ایک شرح مشارق الانوار ہے۔ آپ کا ذکر خلفاء میں لکھا جا چکا ہے۔

## (۶) مولانا علاء الدین نیلیؒ

آپ حضرت محبوب الہیؒ کے معزز خلیفہ تھے۔ بامقہماں آپ کی مشہور کتاب ہے۔ جو صدیوں سے نصاب تعلیم میں داخل ہے۔ اور بچوں کو پڑھائی جاتی ہے۔ فارسی نظم میں ہے۔ میں نے بھی بچپن میں کریمیا کے بعد یہ کتاب پڑھی تھی۔ آپ کا ذکر خلفاء میں لکھا جا چکا ہے۔

## (۷) خواجہ محمد امامؒ

آپ حضرت محبوب الہیؒ کے معزز امام و خلیفہ تھے۔ آپ کا ذکر خلفاء میں لکھا جا چکا ہے۔ آپ کی کتاب کا نام انوار المجالس ہے جس میں آپ نے حضرت محبوب الہیؒ کے ملفوظات

۱: سیر الاولیاء ص ۲۶۹ پج

۲: سیر الاولیاء ص ۲۲۶ پج اخبار الانبار ص ۹۶

۳: تاریخ مشائخ چشت ص ۴۴ ناخذ۔ ۴: سیر الاولیاء ص ۲۰۰ پج



جمع کیے تھے جو نایاب ہے۔

### (۸) خواجہ عزیز الدین صوفیؒ

آپ حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کی صاحبزادی بی بی مستورہؒ کے صاحبزادے تھے۔ آپ نے حضرت محبوب الہیؒ کے ارشاد کی تعمیل میں قاضی محی الدین کاشانیؒ سے تعلیم حاصل کی تھی خوشنظی اور خصوصاً مخفی لکھنے میں کمال حاصل تھا۔ آپ نے حضرت محبوب الہیؒ کے مبارک ملفوظات کو ایک کتاب میں جمع کیا تھا اور اس کا نام تحفۃ الابرار فی کرامت الانبیاء رکھا تھا۔ حضرت محبوب الہیؒ نے اس کو ملاحظہ فرمایا تھا۔ اور یہ کتاب اپنے زمانے میں بہت مقبول تھی۔ مگر اب نایاب ہے۔

### (۹) علی بن محمود جاندار شاہؒ

آپ حضرت محبوب الہیؒ کے مریدوں میں سے تھے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے آپ کی ایک کتاب کا ذکر کیا ہے جس کا نام خلاصۃ اللطائف ہے۔ اور اس کی عبارت بھی نقل کی ہے جو عربی زبان میں ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان بزرگ کو عربی زبان پر کامل عبور تھا۔ آپ کی ایک کتاب کا ترجمہ مولوی یاسین علی مرحوم نے شائع کیا تھا۔ جس کا نام ڈر زظامی ہے۔ اس کتاب میں حضرت محبوب الہیؒ کے ان ملفوظات کو جو فوائد القواد وغیرہ میں ہیں، عنوانات کے تحت مرتب کیا ہے اور یہی اس کتاب کی خوبی ہے۔

۱۔ سیر الاولیاء ص ۲۰۲

۲۔ اخبار الانبیاء ص ۹۴

## (۱۰) امیر خورد سید محمد کرمانی

اصل نام محمد ہے اور امیر خورد کے لقب سے یاد کیے جاتے ہیں۔ خواجہ مبارک کرمانی کے صاحبزادے اور خواجہ سید محمد کرمانی کے پوتے تھے۔ جو حضرت بابا فرید گنج شکر کے حکم سے حضرت محبوب الہی کے ساتھ رہتے تھے۔

جب امیر خورد پیدا ہوئے تو آپ کے دادا بزرگوار سید محمد کرمانی جو حضرت محبوب الہی کے ہم فرقہ تھے اور آپ کے نانا بزرگوار خواجہ شمس الدین دامغانی جو حضرت محبوب الہی کے دوست اور ہم سبق تھے۔ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور نام تجویز کرنے کے لیے عرض کیا اور حضرت نے محمد نام تجویز فرمایا۔ اور جب امیر خورد بالغ ہو گئے تو ان کے نانا بزرگوار خواجہ شمس الدین دامغانی انھیں اور ان کے دونوں چھوٹے بھائیوں کو حضرت محبوب الہی کی خدمت میں بیعت کرانے کے لیے لائے۔ اور یہ کہا:

سید مبارک کے لڑکے جو مخدوم کے دعا گوزادگان ہیں۔ یہ چاہتے ہیں  
کہ آپ کے غلاموں کے حلقے میں داخل ہوں اور بیعت و ارادت سے  
مشرف ہو جائیں یہ

۱۔ خواجہ سید محمد کرمانی کا سال وفات ۱۳۱۱ھ ہے (سیر الاولیاء ص ۲۱۷) اس سے واضح ہے کہ  
امیر خورد کی پیدائش ۱۳۱۱ھ سے پہلے ہوئی اور ممکن ہے ۱۳۱۰ھ میں پیدا ہوئے ہوں۔  
۲۔ امیر خورد کی اصل عبارت یہ ہے:

پسران سید مبارک دعا گوزادگان مخدوم می خواہند کہ در سبک بندگان منسک

شوند و بشرف ارادت مشرف گردند۔ (سیر الاولیاء ص ۳۵۸) (بقیہ ص ۱۴ پر)

حضرت نے فرمایا کہ مولانا میرے ہی بچے ہیں اور پھر امیر خور کو بیعت فرمایا اور کلاہ ارادت عنایت فرمائی۔

امیر خور نے حضرت محبوب الہی کی برکتوں سے مالا مال فضا میں پرورش پائی، اور مولانا فخر الدین زراوی اور مولانا رکن الدین اندرپتی جیسے علما سے تعلیم حاصل کی، اور اخی سراج جیسے جلیل القدر بزرگوں کے ہم سبق رہے۔ لہذا انھیں جیسا کچھ باکمال ہونا چاہتے

(بقیہ صفحہ ۱۶۳)

یہ لڑکے سید مبارک کے ہیں جو مخدوم زادوں کے دعاگو تھے۔ الخ (ترجمہ سیر الاولیاء بریاء) ظاہر ہے کہ یہ ترجمہ بالکل غلط ہے۔ دعاگو زادگان کے معنی ہیں دعاگو کے لڑکے لہذا دعاگو زادگان مخدوم کے معنی ہیں کہ مخدوم کے دعاگو کے لڑکے دراصل یہ بیان ہے اور پسران سید مبارک مہین ہے جس کی وضاحت کے لیے یہ صورت اختیار کی گئی ہے ورنہ وہ مخدوم زادے کون تھے جن کے سید مبارک دعاگو تھے۔ اور تھے تو اب کیوں نہیں ہیں؟ سال وفات تو خواجہ مبارک کرمانی کا ۱۳۲۸ھ ہے۔ (سیر الاولیاء ص ۲۱۴ پج) مگر اس ترجمہ سے یہ واضح ہوتا ہے گویا خواجہ مبارک کا انتقال ہو چکا ہے۔ اور غالباً اسی ترجمے کی برکت ہے کہ نظامی بنسری ص ۲۲۰ میں یہ لکھا گیا کہ اس واقعے سے معلوم ہوتا ہے کہ سیر الاولیاء کے مصنف جب مرید ہوتے تھے تو ان کے والد کا انتقال ہو چکا تھا۔ الخ مگر یہ ترجمہ اور یہ خیال واقعہ کے خلاف ہے بلکہ وہ زندہ تھے اور شہرت سے پڑیں برس بعد ۱۳۲۸ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ سفر میں ہوں۔ یا صرف اپنے بزرگ خسر کے ہمراہ بھیجنا مناسب سمجھا ہو جو حضرت کے دوست بھی تھے۔ انداز بیان میں حزنینہ کیفیت بھی نہیں ہے۔

۱۔ سیر الاولیاء ص ۲۶۶ پج

۲۔ سیر الاولیاء ص ۲۶۵ پج

۳۔ سیر الاولیاء ص ۲۸۵ پج

تھا ایسے ہی وہ ہوئے اور ان کے نام و کام کو حیات جاوید نصیب ہوئی۔

امیر خور و ایک ہونہار لائق اور فطری صلاحیتوں سے مالا مال تھے۔ وہ عالم بھی تھے اور سب بھی تھے۔ شاعر بھی تھے اور انھوں نے اہل اللہ اور اہل دل حضرات کی صحبت سے فیض بھی پایا تھا۔ ذوق بھی نہایت شائستہ اور بے حد ستھرا تھا۔ عہد شباب میں عالم رنگ و بو سے بھی گزرے تھے۔ وہ ایک گل دستہ تھے دراصل حسن و خوبی کے گل ہائے گونا گوں کا۔

جب پچاس برس کی عمر ہوئی تو خواب غفلت سے آنکھ کھلی اور سرمایہ آخرت کی فکر پڑی اور اسی نیت سے انھوں نے محبوب الہی کی سیرت پاک کو اپنا موضوع قرار دیا۔ یہ انتخاب بھی حسن انتخاب کا ترجمان ہے۔ کتاب لکھی اور خوب لکھی اور ایسی لکھی کہ صدیاں بیت گئیں۔ لیکن اس گلستان حیات کی بہار بے خزاں کا وہی عالم ہے۔

ع ذوق والے بھی اس حسن کے متوالے ہیں

اسلوب بیان سبحان اللہ! کیا سادہ و پُرکار ہے کہ داد نہیں دی جاسکتی، طرز ادا شائستہ اور بیان سلجھا ہوا ہے۔ روانی اور بے ساختگی سے مالا مال مطالب کا یہ عالم ہے کہ مونہ سے پڑے بول رہے ہیں جملے موتی کی لڑیاں اور لفظ ڈھلکتے پڑتے موتی ہیں معرفت کی رنگ آمیزی کے اسلوب کا چوچھا اٹھا ہے۔ اور سچی یہ ہے کہ حضرت محبوب الہی کی سیرت پاک لکھ ہی وہ سکتا ہے جو عالم بھی ہو اور عارف بھی۔ ہم جیسوں کا لکھنا تو مونہ چڑانا ہے۔

خیر! امیر خور نے حضرت محبوب الہی کی محبت سے سرشار ہو کر سیر الاولیا لکھی جو آج تک مستدمانی جاتی ہے۔ البتہ عبد اللہ جمیونے اور حبیب اللہ نے ۱۱۵۰ھ میں ۱۶۳۷ء

۱: سیر الاولیا ص ۲۶۳، ۲۶۵ چ

۲: سیر الاولیا ص ۱۳ چ

الحاق و تحریف کی پیوند کاری بھی کر دی ہے۔ لیکن نا اہل تھے اس لیے ان کی پیوند کاری  
 مونہہ چڑاتی الگ ہی نظر آتی ہے۔

بلاشبہ ہر اہل ذوق کو دورانِ مطالعہ میں ان الحاق و تحریف کا احساس ہوا ہوگا۔  
 لیکن یہ سعادت مقدر تھی میرے لیے لہذا <sup>۱۳۶۶ھ</sup> ۱۹۵۷ء میں سب سے پہلے میں نے ہی ان  
 حقائق سے روشناس کرایا اور اگرچہ اہل غرض کا ایک گروہ اڑے بھی آیا لیکن علمی افلاس کا  
 مارا تھا اس لیے مقابلے کی تاسب نہ لاسکا اور جبہ و دستار کی خیر منانا ہوا اپنے حجروں میں  
 جاگسا۔ البتہ اہل علم اور اہل حق نے نگاہِ تحسین سے دیکھا اور قدر افزائی فرمائی۔ اور اگرچہ  
<sup>۱۱۵ھ</sup> ۱۹۶۳ء کے الحاقی نغے کی ایک نقل سے چرنجی لال ایڈیشن وجود میں آیا ہے جو جا بجا پایا  
 جاتا ہے۔ لہذا اس سہولت کے پیش نظر اسی سے حوالہ جات تحریر کیے جاتے ہیں۔  
 ورنہ اس کو سند نہیں سمجھا جاتا۔

بہر حال امیر خور و کرمانی کا یہ شاہکار سیر الاولیاء بے مثل سوانح حیات ہے اور اگرچہ  
 چھ سو برس سے زیادہ زمانہ گزر چکا ہے لیکن متواتر آج تک اسے مستند مانا جاتا ہے  
 اور یہ امیر خور و کرمانی کے کمالات کا بین ثبوت ہے۔ امیر خور و کرمانی کا سزار بھی چبوترہ  
 یاران ہی پر احاطہ کرمانیاں میں ہے۔ سال وفات <sup>۱۳۶۸ھ</sup> ۱۹۶۸ء ہے یہ  
 یہ ہیں وہ اہل قلم جو حضرت محبوب الہی کی ذات گرامی سے وابستہ تھے۔ ان  
 کے علاوہ اور بھی ہوں گے جن کا احوال تلاش و تجسس سے یقین ہے کہ دستیاب  
 ہو سکے گا۔

۱۔ فتویٰ میراثِ محبوب ص ۲۰ تا ۲۳ ارمغان تحقیق جلد ۱ ص ۱۶ تا ۲۶

۲۔ خزینۃ الاصفیاء جلد ۱ ص ۲۶۶

## ناحق اہلِ قلم

ناحق اہلِ قلم سے مراد یہ ہے کہ بعض وہ بزرگ جو اہلِ قلم نہیں تھے مگر انھیں ان اہلِ قلم میں شمار کر لیا گیا ہے جو حضرت محبوب الہیؑ کی ذاتِ گرامی سے وابستہ تھے یا وہ اہلِ قلم تو تھے مگر حضرت کے وصال کے مدتوں بعد وجود میں آئے اور سہواً انھیں بھی حضرت محبوب الہیؑ کے حلقہٴ اہلِ قلم میں شمار کر لیا گیا ہے اور یہ غلط ہے۔ اور یہاں اسی مغالطے کو رفع کرنا مقصود ہے۔

### ① شمس سراجِ عقیف

خواجہ ضیاء الدین برنیؒ نے چھٹے جلوس فیروز شاہی تک کے حالات لکھے ہیں۔ انھوں نے پہلے جلوس فیروز شاہی سے آخر عمد فیروز شاہی تک کے حالات لکھے ہیں۔ ان دونوں مورخوں کی تاریخیں تاریخ فیروز شاہی کے نام سے مشہور ہیں۔ اور غالباً کتابوں کی ہم نامی کی وجہ سے ان دونوں مورخوں کو بھی ہم عصر سمجھ کر بلا تحقیق شمس سراج عقیف کو حضرت محبوب الہیؑ کے حلقہٴ اہلِ قلم میں شمار کر لیا ہے۔ مگر یہ غلط اور خلاف تحقیق ہے۔ چنانچہ شمس سراج عقیف ہی کے بیان سے یہ مغالطہ رفع ہو جاتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

تولد فیروز شاہ (۶۰۹) تسع و سبعائیتہؒ۔ وجد این مورخ۔

شمس شباب عقیف ہمدیں روز تولد شد۔

۱۔ نظامی بنوری ص ۲۰۵

۲۔ تاریخ فیروز شاہی ص ۲۶، ۲۹۔

فیروز شاہ ۷۰۹ھ میں پیدا ہوئے۔۔۔ اور اس مورخ کے دادا شمس شباب

عقیف بھی اسی دن پیدا ہوئے۔۔۔ الخ

۷۲۵ھ میں حضرت محبوب الہیؒ کا وصال ہوا۔ اس وقت شمس سراج عقیف کے دادا  
 شمس شباب عقیف کی عمر سولہ سال کی ہوگی۔ بیٹے اور پوتے کا تو ذکر ہی کیا۔ پھر یہ کیسے  
 مانا جاسکتا ہے کہ شمس سراج عقیف ان اہل قلم کے حلقے میں تھے جو حضرت محبوب الہیؒ  
 کی ذات گرامی سے وابستہ تھا۔ اور یہ کہنا تو اور بھی مضحکہ خیز ہے کہ شمس سراج عقیف بھی  
 حضرت محبوب الہیؒ کے آستانے کے خدام میں سے تھے اور چوں کہ انھوں نے کسی نام نہا  
 سجاد نشین سے خدمت کا معاوضہ طلب نہیں کیا تھا۔ اس لیے انھیں معاوضہ دیا بھی نہیں  
 گیا تھا۔ یہ سراسر کذب و افتراء ہے۔

کچھ کذب و افتراء ہے کچھ کذب ہوتی نما ہے

یہ ہے بصاعت اپنی یہ ہے دستر اپنا

(دیوان حالی)

شمس سراج عقیف شیخ نور الدین ابن شیخ قطب الدین منور ہانسوی سے بیعت  
 تھے اور انھوں نے اپنی کتاب میں حملہ تیموری ۸۰۱ھ کا ذکر بھی کیا ہے۔ یہ لہذا ان کی  
 تاریخ ۸۰۱ھ کے بعد لکھی گئی ہے۔

② مولانا قاسم بن عمرؒ

ان بزرگ کا ذکر سیر الاولیاء منقولہ ۱۱۵ھ میں الحاق کیا گیا تھا اور نہ سیر الاولیاء کے

۱۔ تاریخ نظامی ص ۳ ضمیر

۲۔ تاریخ فیروز شاہی شمس سراج عقیف ص ۱۳۱، ۳۱۲، ۲۱۵۔

قدیم ترین نسخوں میں ان کا ذکر خیر نہیں ہے۔ ان کے بیان کا آغاز بھی الحاق کا غماز ہے اور ان کی کتاب کا نام بھی۔ اور ان ہی دونوں نکتوں سے میں نے الحاق کی پوری کو پکڑا تھا۔ لہذا تا وقتے کہ دیگر ذرائع سے تصدیق نہ ہو جائے انہیں حضرت محبوب الہیؑ کے حلقہ اہل قلم میں شمار نہیں کیا جاسکتا۔

### ③ خواجہ عزیز الملہ والدینؒ

ان بزرگ کا ذکر خیر تو سیر الاولیاء میں ہے۔ لیکن یہ ذکر نہیں ہے کہ یہ مجموع القوائد کے مرتب بھی ہیں بلکہ یہ عبارت بھی کسی قدیم نسخے میں نہیں ہے۔

اس بزرگ چند ملفوظات سلطان المشائخ را ایک جا ترتیب بدلیوں

جمع کردہ اسرت و آل را مجموع القوائد نام نہادہ اسرت یہ

اس کتاب کے نام کی ترکیب جو غیر فصیح ہے اور ترتیب بدلیوں کی ناما لوس ترکیب

نے میرے ذہن کو تلاش و تجسس کی طرف منتقل کیا تھا۔ لہذا تحقیق نے یہ بتایا کہ یہ عبارت

الحاقی ہے اور الحاق کرنے والوں کی بدذوقی کی آئینہ دار ہے۔ لہذا جب یہ تحقیق ہو گیا کہ

وہ اہل قلم ہی نہ تھے اور انھوں نے کوئی کتاب لکھی ہی نہیں تو پھر انہیں حلقہ اہل قلم میں کیسے شمار کیا جاسکتا ہے۔

### ④ خواجہ جہاں احمد ایازؒ

خواجہ جہاں کا ذکر قدرے تفصیل سے شمس سراج عقیف کی تاریخ فیروز شاہیؒ میں ہے۔

۱۔ ارمنان تحقیق جلد ۱ ص ۱۶ تا ۲۶

۲۔ سیر الاولیاء ص ۲۰۷ پرنجی لال ادیشن

۳۔ تاریخ فیروز شاہی شمس سراج عقیف ص ۵۰ تا ۵۶ و ۶۶ تا ۷۸۔



بلاشبہ وہ حضرت محبوب الہیؑ کے مرید تھے۔ اور عہد محمدؐ تعلق میں ہند کے وزیر اعظم تھے، اور یہی ایک نہیں بلکہ نہ معلوم کتنی تحریریں ان کے قلم سے نکلی ہوں گی لیکن وہ تحریر جو تصنیف کی نیت سے لکھی نہ گئی ہو۔ یا کسی اہل قلم کی یادگار نہ ہو۔ وہ تحریر تو ہے مگر تصنیف نہیں۔ پہل روزہ اگر اس کا کوئی وجود ہے تو اس کی حیثیت تصنیف کی نہیں بلکہ یادداشت کی ہے۔ اور یادداشت کے ہر مرتب کو مصنف یا اہل قلم نہیں مانا جاسکتا۔ پھر خواجہ جہاں کو اہل قلم میں کیسے شمار کیا جاسکتا ہے۔

خواجہ جہاں کا ذکر نہ تو اہل قلم کے تذکروں میں ہے اور نہ شمس سراج عقیف ہی نے ان کے اس وصف کا ذکر کیا ہے۔ اہل قلم اس پر کب متفق ہو سکتے ہیں کہ خواجہ جہاں اہل قلم اور مصنف بھی تھے۔ لہذا خواجہ جہاں کو اہل قلم کی صف میں لاکھڑا کرنا خلاف حق ہے اور حضرت محبوب الہیؑ کے حلقہ اہل قلم میں ان کا ذکر کرنا میرے نزدیک خلاف ادب بھی ہے۔

الغرض یہ چار بزرگ میرے مطالعہ میں ایسے تھے کہ یا تو ان کا اہل قلم ہونا ثابت نہیں یا اگر ہے تو حضرت محبوب الہیؑ کے حلقہ اہل قلم سے انھیں کوئی علاقہ نہیں۔ لہذا اپنی معلومات کی روشنی میں ان کا ذکر خیر تحریر کر دیا ہے۔ فیصلہ ناظرین کے ہاتھ ہے۔ جو مناسب سمجھیں راستے قائم کریں۔

## مستند سیر الاولیاء

سیر الاولیاء کے ۱۱۵۰ھ کے اس نسخے کو جو عبداللہ جدیو اور حبیب اللہ کے زیر اہتمام مرتب ہوا تھا اور اس کی نقلوں کو اور پرنسپی لال ایڈیشن کو میں نے الحاقی تحریر اور غیر مستند بتایا ہے اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بعض مستند نسخوں کی بھی نشان دہی کی جائے اور وہ میرے نزدیک یہ ہیں :

۱ - سیر الاولیاء مخطوطہ ۱۲۷۷ھ یہ نسخہ پروفیسر خلیق احمد نظامی مولف تاریخ مشائخ  
چشت کی تحویل میں ہے۔ اور یہ صاحبزادہ میاں اللہ دیا مرحوم دیوان پاکپتن شریف نے  
موصوف کے دادا بزرگوار کو نذر کیا تھا۔

۲ - سیر الاولیاء مخطوطہ ۱۲۱۰ھ یہ نسخہ لارڈ لٹن ۱۲۹۳ھ تا ۱۲۹۸ھ کے کتب خانے  
کا ہے جنہوں نے ۱۲۹۳ھ میں علی گڑھ کالج کانسٹبل بنیاد رکھا تھا۔ اور اب یہ نسخہ شعب  
مخطوطات لٹن لائبریری مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے لٹن گلکشن کی فہرست کتب صفحہ ۶۲  
زیر عنوان انبار فارسیہ نمبر ۲۶ مندرج ہے۔ اس کے کاتب و ناقل میر مظفر علی ہیں۔

۳ - سیر الاولیاء مخطوطہ ۱۱۷۱ھ یہ نسخہ عبد شاہ جہانی کا ہے اور الحاقی نسخے سے  
ایک سو دس برس پرانا ہے۔ ہندوستان میں اس سے قدیم نسخہ میرے علم میں نہیں ہے۔  
اس پر ایشیاٹک سوسائٹی گلکٹر کے کتب خانے میں ہے۔ پہلے کیٹ لاگ کا نمبر ۲۲۳  
ہے اور بعد کی فہرست کا نمبر ۲۱۸ ڈی ہے۔

یہ تینوں نسخے الحاق و تحریف کی گندگی سے پاک ہیں اور مستند ہیں۔ میں اپنے محترم  
احباب الحاج مولانا سید سبط الحسن صاحب لکھنوی اسٹڈنٹ لائبریری من شعبہ  
مخطوطات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کا اور ادیب شہیر مولانا اعلیٰ علی خان صاحب عرشی،  
رضا لائبریری رام پور کا اور پروفیسر مولانا سعید احمد صاحب اکبر آبادی فلا لوجیکل جاسٹس  
سکرٹری ایشیاٹک سوسائٹی گلکٹر کا دل سے ممنون و متشکر ہوں جنہوں نے ان نسخوں کی  
نشان دہی فرمائی اور میں ان سے استفادہ کر سکا۔ اور ناظرین سے بھی میری درخواست  
ہے کہ اگر ان کے علم میں سیر الاولیاء کا کوئی قدیم نسخہ ہو تو مجھے مطلع فرما کر ممنون فرمائیں۔  
بلاشبہ یہ صحیح ہے کہ چرنجی لال ایڈیشن الحاق و تحریف کی گندگی سے پاک نہیں لیکن  
پھر بھی انجہانی لالہ چرنجی لال جین لائق تحسین ہیں کہ ان کی بدولت ہمیں سیر الاولیاء کے  
مطالعہ کی نعمت نصیب ہوئی۔ اور یہ کتنے افسوس کی بات ہے کہ نظامی لکھنے والے

کثیر تعداد میں ہیں اور حضرت محبوب الہیؑ سے عقیدت رکھنے والوں کا تو کوئی شمار ہی نہیں  
 لیکن آج تک مجھ سمیت کسی کو یہ توفیق نہیں ہوئی کہ اس بے مثل و بے نظیر کتاب کو  
 اس کے نمایاں شان شائع کرا دیتا جو کتابت و طباعت اور صحت و کاغذ اور جلد کے  
 اعتبار سے بھی بے مثل ہوتی اور اشاریہ اور مقامات و اشخاص سے متعلق حواشی سے  
 بھی آراستہ ہوتی۔ اور ایسا ہی کوئی بلند پایہ اس کا ترجمہ بھی ہوتا۔ جو بجا طور پر عروس  
 جمیل و بلباس حریر کی مصداق ہوتا۔ میری یہ خواہش بھی ہے اور یہ کوشش بھی ہے۔  
 ناظرین دعا فرمائیں کہ مجھے اس میں کامیابی نصیب ہو۔ آمین!

## آستانہ شریف

امیر خور و کرمانیؑ لکھتے ہیں کہ جہاں حضرت محبوب الہیؑ کا روضہ متبرکہ ہے۔ یہ جنگل و  
 صحرا تھا۔ آپ کے وصال کے بعد سلطان محمد تغلق بن غیاث الدین تغلق نے آپ کے  
 روضہ متبرکہ پر ایک عالی شان گنبد تعمیر کرایا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے حظیرہ متبرکہ کو  
 بے نظیر اور بلند ترین عمارتوں اور فلک بوس گنبدوں سے آراستہ فرما دیا۔ جو اپنی  
 صفائی اور لطافت کے اعتبار سے اقصائے عالم میں بے مثل و بے نظیر ہے۔  
 بعض تذکرہ نویسوں کا بیان ہے کہ سلطان محمد تغلق کا بنوایا ہوا گنبد منہدم ہو گیا۔  
 تو صرف مچر بنا دیا گیا تھا۔ بعد ازاں عہد اکبری ۹۷۰ھ میں نواب سید فرید خاں نے

۱۔ سیر الاولیا ص ۱۵۴ پرچ شواہد نظامی ص ۱۳۹ میں یہ اضافہ ہے کہ جس مقام میں کہ روضہ حضرت  
 سلطان المشائخ قدس سرہ کا ہے۔ ایک حوض تھا مصفا۔

۲۔ سیر الاولیا ص ۱۵۴ پرچ۔

۳۔ آثار الصنادید پہلا باب ص ۲۵

بارہ ستونوں پر ایک گنبد تعمیر کرایا۔ اور ستونوں کے دروں میں سنگ مرمر کی جالیاں لگوائیں  
اور سرہانے ایک لوح نصب کرائی جس پر کلمہ طیبہ کے بعد یہ اشعار کندہ کرائے۔

شکر کہ در روضہ حضرت غوث الام

از پتے تعمیر شد خان فلک احتتام

مہر نسب اشرف اوج شرف راشہاب

سید عالی نسب میر فلک احترام

بانی او ہاشمی ساعی او ہاشمی

آں کہ بدوران شاہ ہست سخن رانظام

از پتے تاریخ آں چوں متفکر شدم

گلک خرد در رقم قبلہ گئے خاص و عام

روے بدر گاہ او آں فریدوں بصدق

شاید از الطاف پیر کار تو گرد نطنام

(کاتب حسین احمد چشتی)

اس کے بعد عہد جہانگیری ۱۱۱۷ھ میں نواب فرید خاں المتخاطب برسید ترضی خاں

بانی فرید آباد نے سید کے کام کا ایک چوبی چھپر کھٹ مزار پر انوار پر نصب کرایا اور اس

میں سید کی چھپے کاری سے بارہ اشعار کندہ کرائے۔

شیخ دہلی نظام رادو فرید

کار دنیا و دین مہیا کرد

یک فریدش مقام فانی داد

یک فریدش مقام احیا کرد

مرتضیٰ خان فراز مرقد او

قبر چوں سپہر برپا کرد

گیارہواں شہریہ ہے سے

سالِ تاریخِ این بنا جستم

قبرِ شیخِ عقلِ القا کرد

۱۰۱۷ھ

اس کے بعد شاہجہانی عہد ۱۰۶۳ھ میں خلیل اللہ خاں ابن میر میراں حسینی نعمت اللہی  
حاکم شاہجہاں آباد نے گنبد کے گرد غلام گردش بنوائی جسے بیسیت درمی کہتے ہیں۔ اس  
کے ستون سنگ سرخ کے تھے۔ ۱۱۶۹ھ میں عزیز الدین عالمگیر ثانی نے چار شجر  
سنگ مرمر پر کندہ کر کے گنبد کے اندر پائنتیں کی جانب نصب کرائے۔ اور وہ یہ ہیں۔

جو ہوئے خادم نظام الدین کا دل سے لے غریب

اس کے تئیں ہوتا ہے تاج خسروی جگ میں نصیب

خادمی کی تھی عزیز الدین نے باصدق و یقین

تاج شاہی ہند کا مجھ کو دیا ہے عنق سرب

مرض دل فگار میرے کا وہ صحت بخش ہے

بے غذاؤ بے دواؤ بے طبیب

۱۔ آثار الصنادید پہلا باب ص ۳۶ بیسیت درمی کے جنوبی دروں پر کتبے کندہ ہیں :

(۱) کتبہ در دوم۔ در عہد اعلیٰ حضرت صاحب قرآن ثانی اسحق العباد خلیل اللہ خاں ابن میر میراں نعمت اللہی

(۲) کتبہ در چہارم۔ فی ۱۰۶۳ھ کہ حاکم شاہجہاں آباد بود۔ این ایوان را بردوزر روضہ متبرکہ مرتب بود۔

۲۔ آثار الصنادید پہلا باب ص ۳۶

بس پریشاں حال ہے اب خلق پر محبوب حق  
فضل کر تفصیر واروں پر تم ہو حق کے حبیب

(باہتمام غلام ہوشیار علی خاں محلی ۱۶۹ھ)

۱۲۳۶ھ میں نواب فیض اللہ خاں بگمش نے بسیت درمی کی چھت کو اندر کی طرف سے تانبے کے پتروں سے منڈھوا دیا اور اس پر سنہری اور روپہلی گل کاری کرائی تعمیر چھت کی تاریخ بھی دیوار پر کندہ کرائی تھی جو لوہنی لگ لگ کر جھڑ گئی ہے۔ مقبرے کا گنبد چونے کا بنا ہوا تھا۔ اور غلام گردش کے بن جانے سے پست ہو گیا تھا۔ بادشاہ اکبر ثانی نے ۱۲۳۹ھ میں اسے سنگ مرمر کا نہایت خوشنما بنوا دیا اور اس پر سنہری کلس بھی لگوا دیا۔ اور یہ عمارت بے مثل ہو گئی۔ اس کے علاوہ عہد اکبر ثانی ۱۲۲۲ھ میں نواب احمد بخش خاں رئیس لوہارو نے حضرت مولانا فخر الدین کے ایما کے مطابق بسیت درمی کے سنگ سرخ کے ستون بدلو کر سنگ مرمر کے لگوا دیئے تھے۔ مزار شریف کے گرد ایک سنگ مرمر کا کٹھرا ہے جو نواب خورشید جاہ رئیس حیدر آباد کن نے لگوایا تھا اور اس پر یہ تاریخ کندہ ہے :

گزرا تیدہ غلامان غلام فدوی محی الدین بہادر شمس الامراء امیر کبیر خورشید جاہ  
بسیت ویکم ماہ صفر المظفر ۱۳۰۰ھ ہجری۔

درگاہ شریف میں پورا فرش سنگ مرمر کا ہے جس کے تین طرف خوب پورا مرمریں حاشیہ ہے جس پر آسانی نماز پڑھی جاسکتی ہے۔ اور یہ فرش محمد شاہ بادشاہ نے بنوایا تھا درگاہ شریف کے کیواروں پر چاندی کی چادر چڑھی ہوئی تھی اور اس کے علاوہ اگر دان

۱۔ آثار الصنادید پہلا باب ص ۲۷

۲۔ آثار الصنادید پہلا باب ص ۲۷، ۲۸

اور عود سوز۔ شمع دان اور قنادیل اور دوسرے ظروف چاندی سونے کے تھے جو ۱۱۷۳ھ  
میں سدا شیوا بہاؤ مرہٹہ نے لوٹ لیے تھے یہ

## درگاہ شریف کا گرد و پیش

درگاہ شریف کا غربی دروازہ باؤلی دروازے کے نام سے مشہور ہے۔ یہ نہایت  
ہی شان دار دروازہ ہے۔ اور اس فصیل میں ہے جو کبھی اس بستی کے چاروں طرف  
تھی۔ اور اب کہیں کہیں اس کے نشانات باقی ہیں۔ اس دروازے کی پیشانی پر یہ مصرع  
کندہ ہے۔

شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدارا

یہ دوسرا دروازہ کا چھتہ دار دروازہ ہے۔ اور اس خوبی سے بنایا گیا ہے کہ نہ معلوم گھاؤ  
سے جنوب رو یا ہو جاتا ہے۔ اس سے نکلتے ہی باؤلی کا وسیع چوک آتا ہے جس کے دو  
طرف زینے اور دو نہایت بلند گنبد ہیں۔ اب سے پہلے ان گنبدوں میں مکتب تھا اور  
بچے پڑھتے تھے یہ

چوک سے جانب جنوب باؤلی کی سنگین میڑھیاں ہیں اور سامنے ہی نہایت  
وسیع اور عالیشان باؤلی ہے۔ باؤلی کے مغربی جانب چینی کا گنبد ہے اور ایک قدیم  
مسجد ہے اور کوکلا بائی کا مقبرہ ہے۔ اور مشرق کی طرف سات میڑھیاں اتر کر درگاہ شریف  
میں جانے کا راستہ ہے جو پہلے مشرق کی طرف مڑتا ہے اور پھر جنوب کی طرف مڑ جاتا  
ہے۔ بائیں طرف ایک زینہ ہے اور سامنے ہی چھتہ دار راستہ آ جاتا ہے جو مغرب کی

۱۔ تاریخ ہندو کار اللہ ص ۱۱۴۲ آخری عہد مغلیہ وسیر المتاخرین جلد ۳ ص ۹۱۲

۲۔ واقعات دار الحکومت دہلی جلد ۲ ص ۷۸۹

طرف مڑ جاتا ہے۔ اس کے دائیں طرف باؤلی کے بالائی درپہں اور بائیں طرف حجرے  
 ہیں۔ سامنے ہی قاضی صفدر علی صاحب کا حجرہ ہے۔ اسی کے پاس بائیں طرف ایک چھتہ دار  
 دروازہ ہے اس میں سے گزر کر مشرق کی طرف راستہ چلا جاتا ہے۔ اس دروازے کی دائیں  
 طرف بھی حجرے اور راستہ ہے اسے زمانی ڈیورھی کہتے ہیں اور یہ دروازہ اور یہ سب حجرے  
 خواجہ معروف نے عہد فیروز شاہی میں بنوائے تھے۔ تعمیر کی تاریخ دروازے کی پیشانی پر  
 تحریر ہے جو اشعار میں ہے۔ اس کا پہلا شعر یہ ہے

بعہد دولت شاہ معظم  
 خجستہ خسرو اولاد آدم

کل گیارہ اشعار ہیں اور آخری شعر یہ ہے

زہرت ہفت صد و ہشتاد و یک بود

مرتب شد بنا واللہ اسلم

اگے چل کر جو راستہ مشرق کو مڑا تھا وہی جنوب کو مڑ جاتا ہے موڑ ہی پر بائیں جانب زینہ  
 ہے اور جنوب کو مڑتے ہی بائیں طرف مرزا معزالدین کا قبرستان اور حجرے ہیں۔ سامنے  
 ہی چھوٹا سا چوک ہے اس کے مشرق میں زینہ ہے اور مغرب میں جالی دار سنگیں کٹھرا ہے  
 اور جنوب میں ایک خوبصورت دروازہ ہے۔ جسے مالن دروازہ کہتے ہیں۔ اس سے  
 نکلنے ہی آستانہ شریف کا مہر میں فرش ہے اور سامنے ہی روضہ متبرکہ ہے۔ مالن دروازے  
 سے بائیں طرف شربت خانہ ہے جو جنوب رویا ہے۔ اور اس کے سامنے ہی مرادوں کا  
 پیالہ ہے جو سنگ مرمر کا ہے اور اتنا بڑا ہے کہ اس میں کئی من دودھ آ جاتا ہے۔ جس کی  
 مراد بر آتی ہے وہ دودھ سے یا شربت سے یا پھلوں سے اسے بھرتا اور خیرات کرتا،  
 اور دائیں طرف مجلس خانہ ہے جس کا دوہرا اور وسیع دالان ہے اور جنوب رویا ہے۔  
 اور اب نہایت خستہ حالت میں ہے۔ یہ عالمگیر کا بنوایا ہوا بتایا جاتا ہے۔ مجلس خانہ ہی



میں سے نواب مصطفیٰ خاں شفیقہ مرحوم کے خاندانی قبرستان کا راستہ ہے۔

## مسجد خلجی

درگاہ شریف کے مغرب میں بڑی عالیشان مسجد ہے۔ اس کے پانچ گنبد ہیں۔ بیچ کا گنبد نہایت وسیع اور نہایت بلند ہے اور اپنی بلندی اور پھیلاؤ کے لحاظ سے بے نظیر ہے۔ کوئی گنبد اتنا وسیع دیکھنے اور سننے میں نہیں آیا اس کا صدر دروازہ بھی نہایت بلند اور بہت ہی شان دار ہے دروازے کے دونوں جانب خوش نما محرابیں ہیں جن میں خوبصورت سنگین جالیاں لگی ہوئی ہیں اور مشرقی رخ پر جنوبی محراب کے پاس قطعہ تاریخ وصال کندہ ہے۔ اور یہ عمارت تمام تر سنگِ سُرخ کی بنی ہوئی ہے۔ اس میں قرآن پاک کی آیتیں بھی منقوش ہیں اور احادیث پاک بھی۔ اور بیچ میں ایک کٹورا لٹکا ہوا ہے جسے سونے کا بتایا جاتا ہے۔ اور اس میں ایک طرف ایک سوراخ بھی ہے جسے گولی کا نشان کہا جاتا ہے۔

۱۔ آثارِ دہلی ص ۴۳ میں لکھا ہے کہ درگاہ کی مسجد کی بابت مشہور ہے کہ اس کا درمیانی گنبد آپ کے مقبرے کے لیے بنایا گیا تھا مگر یہ صحیح نہیں، کیونکہ مقبرے کا دروازہ جانب جنوب ہوا کرتا ہے اور اس کا سبب دروازہ مشرق میں ہے۔ اس کے علاوہ مغربی دیوار کی محرابوں کی پیشانی پر جو احادیث کندہ ہیں ان سے بھی یہ ثابت ہے کہ یہ عمارت مقبرے کے لیے نہیں تھی بلکہ یہ مسجد ہی ہے اور غالباً اسی عمارت کو امیر خوردر کمانی نے گنبد بزرگ لکھا ہے جس میں محفل سماع منعقد ہوتی تھی جس میں مخدوم نصیر الدین محمود پراغ دلی اور شیخ قطب الدین سنور اور مولانا شمس الدین بھٹی شریک تھے۔ (سیر الاولیاء ص ۲۲۶ چ) کتاب واقعات دار الحکومت دہلی حصہ دوم ص ۸۰۳ میں اس عمارت کو جماعت خانہ لکھا ہے۔ یہ مولف کی بھول ہے۔ جماعت خانہ حضرت محبوب الہی کی خانقاہ کی ایک عمارت کا نام تھا جو مقبرہ ہالیوں دلی کے قریب ہے۔

کہتے ہیں کہ بیچ کا گنبد سلطان علاء الدین خلجی کے لڑکے خضر خاں نے حضرت محبوب الہیؒ کی حیات میں تعمیر کرایا تھا۔ اور اس کے دائیں بائیں جو دو دو گنبد کی عمارت ہے یہ حضرت محبوب الہیؒ کی وفات کے بعد تعمیر ہوئی ہے۔

مسجد کے جنوبی گوشے سے متصل شرقاً غرباً جالی دار سنگین کٹھرا ہے اور مشرقی رخ پر ختم ہونے سے پہلے چھوٹا سا خوبصورت سنگین دروازہ ہے جس میں سے گزر کر حضرت امیر خسروؒ کے روضے میں چلے جاتے ہیں۔ پھر یہ جالی دار سنگین کٹھرا جنوب کی طرف مڑ جاتا ہے اور مرزا جہاںگیر کے مہجر سے جا ملتا ہے۔

### مرزا جہانگیر کا مہجر ۱۲۲۸ھ

مرزا جہانگیر بادشاہ اکبر ثانی کے صاحبزادے تھے۔ اور انگریزوں کے سخت مخالف تھے۔ انھوں نے ۱۲۲۲ھ میں دہلی کے انگریز ریزیڈنٹ مسٹر سٹین پرگولی چلا دی تھی جس کی سزا میں کمپنی بہادر کی حکومت نے الہ آباد لے جا کر نظر بند کر دیا تھا۔ اور وہیں ۱۲۳۷ھ ۱۸۰۸ء میں بحالت قید فرنگ ان کا انتقال ہوا۔ ان کی والدہ نواب ممتاز محل بیگم نے یہ مہجر تعمیر کرایا اور لاش کو الہ آباد سے منگوا کر اس مہجر میں دفن کرایا۔ یہ مہجر نہایت خوب صورت سنگ مرمر کا بنا ہوا ہے۔ نقاشی کا کام نہایت نازک اور دل فریب ہے۔ کیوار بھی منقش مرمر میں ہیں۔ غرض کہ بہت ہی پرکیت مہجر ہے۔ آزادی ہند کے متوالوں کے لیے تو اس میں اور بھی کشش ہے کیونکہ سلاطین تیموریہ میں یہ پہلے مجاہد ہیں جنھوں نے انگریزوں کے خلاف اقدام کیا تھا۔ ان ہی کے ساتھ ان کے حقیقی بھائی مرزا بابر کی قبر ہے۔ جو دیوار

۱۔ واقعات دار الحکومت دہلی حصہ دوم ص ۷۹۷ میں لکھا ہے کہ مفسدانہ طبیعت رکھتے تھے۔ چنانچہ ۱۸۰۸ء میں انھوں نے مسٹر سٹین ریزیڈنٹ دہلی پر تلخچہ سر کیا تھا۔ مفسدانہ طبیعت خیال کرنا صحیح نہیں۔

سے ملی ہوئی ہے۔ اس کے پاس ہی مرزا جہانگیر کی قبر ہے۔ جس پر زمانہ تعویذ ہے مرزا  
 بابر کی قبر کا بھی اصل تعویذ نہیں ہے بلکہ کسی اور ہی کی قبر کا تعویذ اکھیر کر لگا دیا گیا ہے۔  
 مولوی بشیر الدین مرحوم لکھتے ہیں :

”خدا جانے یہ کیا مصلحت تھی کہ قبر کسی کی اور تعویذ کسی کا۔“

(واقعات دارالحکومت دہلی حصہ دوم ص ۷۹۹)

گمان غالب یہ ہے کہ جن مجاوروں نے جاسوسی کر کے بادشاہ بہادر شاہ ظفر کو گرفتار  
 کرایا تھا، ان ہی نے انگریزوں کی خوشنودی کے لیے اور انگریزوں کے مخالفوں کا  
 نام و نمود مٹانے کے لیے یہ تدبیر کی ہوگی۔

بہر حال یہ نہایت خوبصورت مچھر ہے اور درگاہ شریف کے صحن سے کوئی ڈیڑھ گز  
 بلندی پر ہے اور یہ بلندی ادب کے منافی اور ناگوار ہے۔ اس مچھر کے دو دروازے ہیں  
 ایک مغرب میں ہے اور دوسرا مشرق میں۔ مشرقی دروازے کے باہر دانتیں باتیں دالان  
 ہیں اور سامنے ہی ایک بڑا دروازہ ہے اور متعدد قبریں ہیں۔ مولوی یاسین علی مرحوم  
 لکھتے ہیں :

مرزا جہانگیر و مرزا بابر پسران اکبر شاہ ثانی کا مچھر ہے یہ مچھر بھی نہایت  
 نفیس اور خوش نما اور سنگ مرمر کے کیواروں سے آراستہ ہے۔ اس

۱۔ مرقع اسناد ص ۱۸۱

۲۔ اس احاطہ میں خواجہ عبدالرحمن کا مزار ہے جو حضرت محبوب الہی کے خادم تھے۔ مرزا بابر کی  
 اہلیہ کی قبر ہے اور مرزا الہی بخش خان المتوفی ۳ مارچ ۱۲۹۵ھ کی قبر ہے۔ مرزا سلیمان جاہ المتوفی ۱۱ مئی  
 ۱۳۰۸ھ کی قبر ہے اور مرزا ثریا جاہ المتوفی ۸ فروری ۱۳۳۲ھ کی قبر ہے۔ اور شہزادی قیصر نجاں بیگم  
 المتوفی ۱۱ محرم ۱۳۴۸ھ کی قبر ہے۔

کی زمین بھی ممتاز محل بیگم صاحبہ نے ہمارے بزرگوں یعنی پیر زادگان درگاہ سے خریدی تھی۔ اس مہجر کے باہر جانب شرق بالمقابل دو دالان اور ایک دروازہ کلاں بھی ان ہی کا تعمیر کیا ہوا ہے۔

(سیرت نظامی ص ۳۱۲)

## مہجر محمد شاہ بادشاہ ۱۱۶۱ھ

مرزا جہانگیر کے مہجر سے جانب غرب ذرا فاصلے پر محمد شاہ رنگیلے کا مہجر ہے جو حضرت محبوب الہی کے روضہ متبرکہ کے پائیں میں ہے اور سرتاپا مرمریں ہے۔ اور نقاشی کا کام نہایت لطیف اور جاذب نظر ہے۔ کیوار بھی مرمر ہی کے ہیں۔ اس مہجر کا پتھر سیپ کی طرح آب دار ہے اس کی زمین محمد شاہ بادشاہ نے اپنی حیات میں صاحبزادگان درگاہ سے ایک لاکھ روپے میں خریدی تھی۔

## مہجر جہاں آرا بیگم ۱۰۹۲ھ

جہاں آرا بیگم شاہجہاں بادشاہ کی چہیتی بیٹی تھی اور بہت ہی خوبوں کی مالک تھی۔ جہاں آرا بیگم کا مہجر محمد شاہ کے مہجر سے غرب میں ہے اور مسجد خلجی کے جنوبی گوشے کے پاس تک ہے یہ بھی تمام مرمریں ہے۔ اور نہایت لطیف و نازک نقش و نگار سے آراستہ ہے۔ جہاں آرا بیگم کی قبر بیچ میں ہے اور لوح مزار پر ایک شعر اور کچھ عبارت کندہ

۱۔ سیرت نظامی ص ۳۱۱ واقعات دار الحکومت دہلی حصہ دوم ص ۷۹ ڈاکٹر اقبال نے کیا خوب کہا ہے

ہیں نگو نام جو قبروں کی تجارت کر کے

کیا نہ بیچیں گے جو مل جائیں صنم پتھر کے (بانگ درا)

اور وہ یہ ہے :

ہو الحی القیوم

بغیر سبزہ نہ پوشد کے مزار مرا

کہ قبر پوش غریباں ہمیں گیاہ بس است

الفقرۃ الفانیہ جہاں آرا مرید خواجگان پشت بنت شاہ جہاں بادشاہ غازی

انار الشہر بہانہ ۱۰۹۲ھ

اس حجر کے لیے جہاں آرا بیگم نے اپنی حیات ہی میں خدام درگاہ کو رقم کثیر ادا کر کے زمین خریدی تھی اور خود ہی یہ حجر تعمیر کرا دیا تھا۔

مرزا جہانگیر کے حجر کے شمال میں جالی دار سنگین کھڑا ہے جو شربت خانے کی عمارت سے جا ملا ہے اس کھڑے کے درمیان میں ایک سنگین کھڑکی اور ایک چھوٹا سا سنگین دروازہ ہے جس پر کچھ عبارت کندہ ہے اور جو خواجہ جہاں احمد ایاز کے گنبد اور شمس الدین آکر خاں کے مقبرے کی زیریں عمارت کی طرف چلا جاتا ہے۔ اور اس طرح درگاہ شریف کی چاروں حدود مکمل ہو جاتی ہیں۔ درگاہ شریف کا منظر نہایت دیدہ زیب اور دل فریب ہے، ہر وقت نور کا عالم نظر آتا ہے مگر چاندنی رات میں اور عین دوپہر کے وقت جب سورج نصف النہار پر ہوتا ہے تو ایسی تابندگی ہوتی ہے کہ نظر نہیں جمتی۔ مگر شانِ محبوبی کی کیفیت تو ہمہ وقت دل کو موہ لیتی ہے۔ سبحان اللہ!

### درگاہ حضرت امیر خسروؒ

حضرت محبوب الہیؒ کے آستانے کے جنوبی کھڑے کے خوبصورت سے

۱۔ مشمولہ مضامین شواہد نظامی ص ۱۱۰ واقعات دار الحکومت دہلی حصہ دوم ص ۹۲، ۹۵،

شنگین دروازے سے گزر کر حضرت امیر خسرو طوطی بہند کی درگاہ میں جاتے ہیں۔ دروازہ اور کٹھرا عہد عالمگیر ثانی کی یادگار ہے۔ اور دروازے پر یہ دو شعر کندہ ہیں سے

بدور سعد ابو العدل شاہ عالمگیر  
برہوتیار علی خاں چہ مژدہ ہاتف داد  
بنائے ساخت ہوا ہر درے کے ثواب  
کشاد باب کرم این معنیح الابواب

دروازے سے گزرتے ہی دائیں طرف مولانا عمر کا مزار اور حضرت امیر خسرو کے روضے کی غلام گردش کا مشرقی جالی دار شنگین کٹھرا ہے۔ اور بائیں طرف سامنے ہی خواجہ ابوبکر مصلی دار کا مزار ہے اور ان کے پائیں ان کے صاحبزادے خواجہ عزیز الملہ و الدین کا مزار ہے۔ بائیں طرف ہی ذرا فاصلے پر ایک چہار دیواری میں خواجہ رفیع الدین ہارون اور خواجہ صالح کا مزار ہے۔ اور اسی چہار دیواری کی جنوبی دیوار کے پاس کھرنی کا پرانا درخت ہے۔ اور یہ مشہور ہے کہ اس کا پودا مخدوم جہانیاں جہاں گشت نے لگایا تھا۔

دروازے کے سامنے ہی ایک وسیع چبوترہ ہے۔ اور اس پر کئی قبریں ہیں اور حنیرے کے جنوب میں سر تا سر قدیم عمارت ہے۔ چبوترے کے پاس ہی سے ایک راستہ مغرب کو مڑتا ہے اور دو چار قدم چلنے کے بعد حضرت امیر خسرو کی درگاہ کا دروازہ آجاتا ہے اور برآمدے میں داخل ہو جاتے ہیں۔ داخل ہوتے ہی دائیں جانب ایک قبر ہے جو خواجہ شمس الدین ماہ رو کی بتائی جاتی ہے۔ اسی کے سرہانے حضرت امیر خسرو کے مزار پر انوار کے گنبد کا دروازہ ہے۔ اور گنبد کے بیچ میں مزار ہے۔ تاریخ وصال ۱۰۶۲۵ھ ہے۔

کتے ہیں کہ آپ کا مزار بلا گنبد اور بلا حجر کے تھا۔ ۹۳۴ھ عہد بابر میں سید مہدی مرحوم نے چوٹی کٹھرا بنوایا اور مزار کے سرہانے لوح نصب کرائی جس پر

کلمہ طیبہ اور پھر شعر کندہ ہیں۔ آخری شعر یہ ہے :-  
 شد عدیم المیشل یک تاریخ او  
 دیگرے شد طوطی شکر مقال  
 ابن کے بعد تین شعر اور ہیں اور آخر میں یہ عبارت ہے :-  
 ”حدرہ شہاب الدین المعانی الہروی“

بعد ازاں ۱۰۱۲ھ ۱۶۰۵ء عہد جہانگیر میں طاہر محمد عماد الدین حسین مرحوم نے آپ کے مزار پر انوار  
 کے گرد مچھر اور مرمریں بڑج تعمیر کرایا جو نہایت خوبصورت اور بہت دیدہ زیب ہے  
 گنبد کے اندرونی دیوار کے سرے پر بھی اشعار کندہ ہیں ان میں سے ایک شعر یہ ہے :-  
 تاریخ بنائیش عقل گفت  
 یا روضہ بگو کہ جاے رازست

اور یہ عبارت بھی ہے :-

قاتل این کلام و بانی این مقام طاہر محمد عماد الدین حسین  
 ابن سلطان علی سبزواری ۱۰۱۲ھ غفر ذنوبہ و منزع عیوبہ الکاتب  
 عبدالنسی بن ایوب ۔

اس کے علاوہ سنگ سرخ کی جالیوں کی پیشانی پر بھی اشعار کندہ ہیں اور کیواروں پر بھی اور  
 طاق میں بھی ایک کتبہ ہے ۔

حضرت امیر خسروؒ کے روضے کے باہر جانب شمال و غرب جالیوں سے ملا ہوا مزار  
 خواجہ بلشہرؒ کا ہے جو حضرت محبوب الہیؒ کے خادم تھے۔ ان ہی کے پاس جانب غرب  
 ان کے صاحبزادے خواجہ نور الدینؒ کا مزار ہے۔ کچھ فاصلے پر خطیرے کی مغربی دیوار کے  
 پاس ایک چبوتیے پر خواجہ اقبالؒ کا مزار ہے یہ بھی حضرت محبوب الہیؒ کے خادم خاص  
 تھے جنہیں حضرت محبوب الہیؒ سلطان قطب الدین مبارک خلجی کے ہاں ماہ نو کی مبارکباد

دینے کے لیے بھیجا کرتے تھے یہ

خواجہ اقبال کے مزار سے جانب جنوب قطبی دروازے کی طرف جانے کے لیے دروازہ ہے۔ اس کے باہر نواب خاں دو درواں خاں کی مسجد ہے۔ جسے جنوں کی مسجد بھی کہتے ہیں اور اس کے سامنے خواجہ ابو بکر مندہ کا مزار ہے جو حضرت محبوب الہی کے سب سے پہلے مرید تھے۔

حضرت امیر خسرو کے روضے کے سامنے مردہ اکرم کی سردری ہے۔ جس میں کئی قبریں ہیں۔ اس کی پشت پر ایک قدیم سنگین عمارت ہے۔ جس میں خواجہ حسن ثانی ابن خواجہ حسن نظامی کا دفن ہے اور اس میں ایک مزار بھی ہے اس کے دروازے کے دائیں بائیں ضیاء برنی اور شمس سراج عقیف تاریخ فیروز شاہی کے مصنفین کے مزارات ہیں۔ اس عمارت سے ملحق مشرق میں ایک زینہ ہے اس سے ملحق ایک قدیم عمارت ہے جو دو حجروں میں منقسم ہے دوسرے حجرے میں درگاہ شریف کی مسجد کے امام

۱۔ سیر الاولیاء ص ۱۵۵ اچ

۲۔ امیر خسرو نے لکھا ہے: در حقیقۃ سلطان المشائخ در میان چو ترہ یاراں (سیر الاولیاء ص ۲۹۲) اور وہ اس سمت کو پایاں روضہ سلطان المشائخ لکھا کرتے ہیں۔ لہذا یہ محل وقوع مشکوک ہے مشرقی حصے میں ہونا چاہیے۔ ملاحظہ ہو کتاب ہذا کا ص ۱۱۳۔

۳۔ غالباً یہ عمارت طاق بزرگ کے نام سے موسوم تھی چنانچہ امیر خسرو لکھتے ہیں کہ وطائفہ مسافراں و حیدریاں و قلندراں در طاق بزرگ کہ در پایاں روضہ است اں جاسماع می شنیدند و رقص می کردند۔ (سیر الاولیاء ص ۲۲۴) یہی عمارت پایاں روضہ میں ہے۔

۴۔ بعض اہل علم کا بیان ہے کہ یہ ایک شطاری بزرگ ابراہیم ایرچی کا مزار ہے۔

۵۔ مزار کا محل وقوع مشکوک ہے۔ ملاحظہ ہو کتاب ہذا کا حاشیہ ص ۱۱۳۔



صاحب کی نشست گاہ ہے۔ اس عمارت سے چپاں ایک اور قدیم عمارت ہے۔ اور یہ بھی اب تین حجروں پر منقسم ہے۔ پہلا حجرہ چودھری حسن ثنی صاحب کی نشست گاہ ہے دوسرا حجرہ سید عبداللطیف دہلوی مرحوم کے درشا کی قیام گاہ ہے اور تیسرا حجرہ درگاہ کا مشعل خانہ ہے۔ جو اب ویران پڑا ہے۔ اس کے پاس قدیم لسنگر خانے کی عمارت ہے جو جانب جنوب وسیع حصہ زمین پر مشتمل ہے اس کے جنوب مشرقی گوشے میں درگاہ امیر خسرو کا شرقی دروازہ ہے۔ جو دہرا اور بلند ہے۔ جنوب میں کھرنی کا درخت اور دیوار ہے۔

## صفہ ستون

اب اسے قدیم لسنگر خانہ کہتے ہیں اور اس کے بعض دروں کی پشت پر تیغہ لگا کر ان کا رخ حضرت امیر خسرو کی درگاہ میں کر لیا ہے جن میں سے ایک میں جاروب خانہ ہے۔ دوسرے میں فراش خانہ ہے اور تیسرے میں درگاہ شریف کا تعمیر سامان رہتا ہے کسی نے جاروب خانے پر طاق بزرگ لکھ دیا ہے جو نہایت مضحکہ خیز امر ہے۔

مشرقی دروازے کے نزدیک ہی حضرت حاجی لعل محمد شاہ (المتوفی ۱۲ رمضان ۱۲۲۰ھ) کا مریں مزار ہے اور اس سے ملا ہوا جانب جنوب قاضی قطب الدین کاشانی کا مزار ہے۔ اس دروازے کے باہر جانب جنوب ایک قدیم عمارت ہے جو لنگر خانے کے نام سے مشہور ہے۔ ممکن ہے کہ یہ وہی عمارت ہو جسے امیر خسرو کرمانی نے صفحہ ستون کے نام سے یاد کیا ہے اور جہاں شیخ الاسلام مولانا کرن الدین ملتانی نے حضرت

۱۳۴ سیر الاولیاء

۱۳۴ : مولانا محمد علی خاں صاحب ہوشیار پوری کی طرف سے سالانہ عرس ہوتا ہے۔

محبوب الہی سے ملاقات فرمائی تھی۔ یہ ایک نہایت مضبوط عمارت ہے۔ اس میں متعدد ستون ہیں۔ اور اسی کے ایک چوتھائی حصے میں تیغہ دے کر جاوہ خانہ وغیرہ بنایا گیا ہے۔ اس عمارت کے مشرق میں شمال رو یا زیمہ ہے۔ اس عمارت پر درگاہ شریف کے گرد و پیش کے حالات کی تکمیل ہو جاتی ہے۔

## بیرونی عمارتیں اور مزارات

درگاہ شریف کے قریب و جوار میں بے شمار مزارات، مقبرے اور عمارتیں ہیں۔ بقول حالی سے

پچھے پچھے یہ ہے یاں گوہر یکیا تہہ خاک  
دفن ہو گا نہ کہیں امنا حنڈانہ ہرگز

اگر ان سب کے حالات لکھے جائیں تو کئی کتابیں مرتب ہو جائیں۔ لہذا یہاں سرسری سا ذکر کیا جاتا ہے :

## شمع برج

یہ عمارت درگاہ شریف کے باؤلی دروازے کے سامنے ایک و صند ارگنبد کی شکل میں ہے۔ گنبد شمع کی صورت اُبھرا ہوا ہے۔ اس لیے اس کو شمع برج کہتے ہیں۔ گنبد کے گرد و گسگورا اور تین دروازے ہیں۔ مغرب کی طرف دروازہ نہیں ہے۔ صدر دروازہ مشرق کی طرف ہے۔ جو کبھی بہت خوبصورت ہو گا۔

بقول خاقانی سے

از نقش و نگارِ درو دیوار شکستہ  
آثار پدید است صنادیدِ عجم را

دائیں پائیں دو نشین ہیں جو اب ٹوٹ گئے ہیں۔ اور یہ دراصل اس قبرستان کی مسجد ہے۔ جو اس کے گرد و پیش ہے۔ صدر دروازے کی پیشانی پر گنج سے کتبہ منقوش تھا جو اب بہت کچھ جھڑ گیا ہے۔ اس کتبے میں کئی آیتیں اور حدیثیں منقوش تھیں جن میں سے بعض پڑھی جاتی تھیں اور ان میں سے دو آیتیں یہ تھیں :

اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ط

وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَادَّكَّرُوا مَعَ الرَّاٰكِعِيْنَ ط

گنبد کے اوپر جانے کے لیے دو طرفہ زینہ ہے جس میں پچیس پچیس سیڑھیاں ہیں اسی لیے اس کو دو سیڑھیاں گنبد بھی کہتے ہیں۔ اس کے ساتھ کنواں اور نیچتہ احاطہ بھی ہے جو اب شکستہ ہو گیا ہے۔ اور اس میں میرے خاندان (عرب سراسے دلی) کی بکثرت قبریں ہیں۔ گنبد کے جنوب مشرقی گوشے میں ایک پرانا نیم کا درخت ہے اور اس کے نیچے میرے ایک بزرگ میرامانی کی قبر ہے جس کا حوضہ کچا ہے۔ ان کے پائیں میرے خسر سید دولت علی بیگل کی قبر ہے۔ ان کے پائیں میری اہلیہ مسماۃ اقبال جہاں بیگم کی قبر ہے اور ان کے دائیں

۱۔ پارہ ۱۰ سورہ توبہ رکوع ۸ اللہ کی مسجدیں وہی آباد کرتے ہیں جو اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور قیامت پر۔  
 ۲۔ پارہ ۱ سورہ بقرہ رکوع ۵ نماز پڑھو اور زکوٰۃ دو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔ یہ اور اس کے علاوہ کئی اور آیتیں اور واقعات دار الحکومت دہلی حصہ ۲ ص ۸۷ میں بھی نقل کی ہیں۔

۳۔ جمرات ۹ اردی الحجہ ۱۳۷۳ھ بمطابق ۱۹ اگست ۱۹۵۲ء علی الصباح اللہ کے گھر سدھاریں بہت ہی سلیقہ شعار اور شائستہ خاتون تھیں۔ ادبی ذوق بھی بہت ستھرا تھا میرے مسودات پر نظر ثانی کر لیا کرتی تھیں بچوں کے لیے ہلکی ہلکی زبان میں کہانیاں بھی لکھا کرتی تھیں آخری کہانی رسالہ پھول دلی دسمبر ۱۹۵۲ء میں چھپی تھی کہ خود کہانی ہو گئیں تیسرے دن نوزائیدہ بچہ حسین موسیٰ بھی ان ہی کی آغوش میں جا سویا۔ اب ان کی یادگار میری پیاری بچی محمودہ بانو ہے اللہ تعالیٰ عمر دے اور اپنی رضا سے نوازے۔ آمین!

طرف میرے لڑکے حسین موسیٰ کی قبر ہے۔ حسین موسیٰ کے سرہانے میرے ایک درویش دوست عارف شاہ حیدر آبادی کی قبر ہے۔ اور ان کے دائیں جانب الحاج سید مقبول حسن زیدی کے نومو لو د بچے کی قبر ہے۔ حسین موسیٰ کی پائیں میری نینا ساس مسماۃ زہرہ بیگم زوجہ سید سلیمان مارہر روی کی قبر ہے اور ان کے بائیں جانب الحاج سید مقبول حسن زیدی کی ہمیشہ مسماۃ صنعوی بیگم کی قبر ہے اور اسی طرح بے شمار اہل خاندان کی قبریں ہیں بعض خاندانی مصالح کی بنا پر گنبد کے وسط میں ایک صاحب کو دفن بھی کر دیا گیا تھا۔ اور یہ قبر خام ہے۔ اس گنبد کے شمال میں ایک شکستہ مسجد ہے۔ حال میں کچھ بے گھروں نے اس میں گھر بنا لیا ہے۔ دلی وقف بورڈ کو اس طرف متوجہ ہونا چاہیے۔ اس کے سامنے ہی ایک شکستہ مسجد کی باقی ماندہ دیوار کھڑی نوٹہ خوانی کر رہی ہے۔ اسی طرح ایک اور عمارت پینڈے کے بل بیٹھ گئی ہے۔ مگر کوئی پرسان حال نہیں۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے

جن کے محلوں میں ہزاروں رنگ کے فانوس تھے  
جھاڑان کی قبر پر ہیں اور نشاں کچھ بھی نہیں

### بارہ کھمبہ

یہ عمارت شمع برج سے جانب شرق اس سڑک کے تراہا پر ہے۔ جو لودھی روڈ سے درگاہ شریف کو جاتی ہے۔ اس عمارت کی ساخت بتاتی ہے کہ یہ لودھی عہد کی یادگار ہے۔ بیچ میں ایک گنبد ہے جس کے بارہ ستون ہیں۔ غالباً اسی لیے اس کو بارہ کھمبہ کہنے لگے ہیں۔ گنبد کے چو طرف غلام گردش ہے۔ یہ عمارت نہایت سنگین اور چوکور ہے بیچ میں دو قبریں تھیں مگر اب ان کا نشان بھی نہیں۔ نصف صدی پہلے اس میں مڈل سکول بھی تھا۔ یہ عمارت ممکنہ آثار قدیمہ کی نگرانی میں ہے۔

## لال محل

بارہ کھجے سے جانب شرق سرک کے کنارے سرخ پتھر کی خوشنما عمارت ہے۔ اس کی ساخت مونڈر سے پڑی بول رہی ہے کہ یہ عہد بلبن کی یادگار ہے اور عہد خلجی سے پہلے کی ہے۔ میں نے دیرینہ سال بزرگوں کی زبانی سنا ہے کہ اس کے آس پاس اور بھی عمارتیں تھیں اور اس کا احاطہ مقبرہ ہمالیوں تک وسیع تھا۔ گمان غالب یہ ہے کہ یہ اسی عمارت کا باقی ماندہ حصہ ہے جسے عہد وزارت میں سلطان غیاث الدین بلبن نے تعمیر کرایا تھا۔ اور جس کی تعمیر مکمل نہیں ہوئی تھی۔ اور جسے قلعہ سرزغن سے تعبیر کیا جاتا تھا اور اسی کے محل وقوع کا نام غیاث پور تھا یہ

اسے کوشک لال تصور کرنا خالی از خطا نہیں۔ تاریخ فیروز شاہی برنی کے بیان کے مطابق کوشک لال قدیم دلی میں تھی جو قلعہ پتھورا کے نزدیک تھی اور اسی کوشک لال سے سلطان غیاث الدین بلبن کے جنازے کو دارالامان میں لے جا کر دفن کیا تھا۔ اور قدیم دلی مہرولی کے شمال مشرق میں ایک بڑا شہر تھا اور آخری عباسی خلیفہ کا پوتا اس محل میں نہیں بلکہ سیری<sup>۱</sup> کے ایک محل میں ٹھہرا تھا اور سلطان محمد تغلق نے سیری کا تمام شہر ابن خلیفہ کو بخش دیا تھا اور ابن بطوطہ نے بھی کوشک لال کو شہر دلی ہی میں لکھا ہے۔ اور اسی میں سلطان محمد تغلق کی بہن کی شادی ہوئی تھی۔ کوشک لال کے واقعات کو لال محل

۱۔ آثار الصنادید پہلا حصہ ص ۲۵

۲۔ تاریخ فیروز شاہی برنی ص ۱۲۲، ۱۳۰، ۱۸۰

۳۔ واقعات دارالحکومت دہلی حصہ سوم ص ۳۲۸، ۳۲۹

۴۔ ترجمہ سفرنامہ ابن بطوطہ جلد دوم ص ۱۲۵، ۱۳۱، ۱۳۲

سے خلط ملط کرنا تاریخی لغزش ہے۔

بہر حال یہ ایک خوش نما عمارت ہے اور عہد مغلیہ میں یہ عمارت میر محمد علی عرف میر محمدی بیدار دہلوی کی ملک تھی جو عرب سر اسے دہلی کے عربوں میں سے تھے اور راقم کے اجداد میں سے تھے اور حضرت مولانا فخر الدین فخر جہاں کے خلفا میں تھے۔ بادشاہ گروہی کے زمانے میں اگرے چلے گئے تھے وہیں ۱۲۰۹ھ میں انتقال ہوا یہ سیدب کے بازار اگرہ میں مزار ہے اور مقبرے کا راستہ اب ایک دکان میں سے ہے یہ یہ محل انھوں نے اپنے مرشد کی اہلیہ کو سونپ دیا تھا۔ اب یہ ان ہی کے ورثا کے قبضے میں ہے۔ ۱۸۵۶ء کے انقلاب میں نظام الدین نامی ایک صاحب نے جو حضرت محبوب الہی کی درگاہ کے متوسلین میں تھے اور انگریزوں کے بھی خواہ تھے اس محل کی ضبطی کے لیے درخواست دی تھی لیکن چونکہ یہ میاں کالے صاحب کی اہلیہ کے ترکہ میں آیا تھا اس لیے واگزار ہو گیا تھا۔ بہر حال راقم مدت مدید سے مع عزیزان و برادران اس محل میں مقیم ہے۔ چوسٹھ کھمبہ ۱۰۲۲ھ

تبلیغی مرکز کے جنوب میں چوسٹھ کھمبہ کی عالی شان عمارت ہے۔ یہ دراصل عزیز کوکلتاش کا مقبرہ ہے۔ جو شہنشاہ اکبر اعظم کا دودھ شریک بھائی تھا۔ اس کی ماں ماہم انگر نے اکبر بادشاہ کو دودھ پلایا تھا۔

اس کا شمالی دروازہ نہایت پختہ اور سنگین ہے۔ دروازہ ڈہرا ہے اور دونوں جانب نشیمن ہیں۔ دروازے کے سامنے وسیع صحن ہے اور مغرب کی طرف ایک بلند چبوترے پر چوسٹھ کھمبے کی عمارت ہے جو تمام تر سنگ مرمر کی ہے عمارت کیا ہے ایک ہال ہے جو کھمبوں پر مشتمل ہے۔ کھمبے اس خوبی سے نصب کیے ہیں کہ آسانی سے چوسٹھ گئے نہیں جاتے۔ بیرونی دروں میں مرمریں جالیوں لگی ہوئی ہیں

شہ: تذکرہ گلستان بیخزان باطن ص ۳۶، ۳۷۔ باطن بھی عرب سر اسے ہی کے تھے اور میاں کالے صاحب سے بیعت تھے۔ شہ: خم خانہ جاوید جلد ۱ ص ۶۲ تذکرہ ہندی مصنفی ص ۳۱ شہ: مرقع اسناد

اور عمارت میں داخل ہونے کے لیے چاروں طرف چار دروازے ہیں۔ فرش بھی مرمری ہے لیکن کہیں کہیں سنگ مرمر لگا ہوا ہے اور یہ بعد میں لگایا گیا ہے۔ اس کے احاطے کا ایک چھوٹا سا دروازہ مغرب میں ہے۔ یہ عمارت کو کلتاش نے اپنی حیات میں تعمیر کرائی تھی۔ مرزا کو کلتاش کی قبر پر ان کا نام اور سن وفات کندہ ہے۔ اور اب یہ عمارت محکمہ آثار قدیمہ کی نگرانی میں ہے۔

## مرزا غالب

چوٹھ کھبے کی شمالی دیوار کے نیچے مرزا غالب کا مزار ہے۔ مرزا غالب اردو فارسی کے مشہور شاعر گزرے ہیں اور فارسی اردو نثر نگاری میں بھی انھیں کمال حاصل تھا

(بقیہ حاشیہ صفحہ نمبر ۱۹۹)

۱۷: یہ عمارت چوکور ہے ہر طرف ستونوں کی چھ چھ قطاریں ہیں۔ چاروں گوشوں پر چار چار ستون ہیں جو کل ۱۶ ہیں باہر کی طرف کی چو طرفہ قطاروں میں دو دو ستون ہیں اور یہ کل ۳۲ ہیں باقی ۱۶ ستون اکہرے ہیں اور اس طرح یہ چوٹھ چو جاتے ہیں۔  $۶۴ = ۱۶ + ۳۲ + ۱۶$

(صفحہ ۱۷) ۱۷ اگست ۱۸۲۹ء جمعہ صاحب مجسٹریٹ نے گنیشی لال محرم کشتری سے فرمایا کہ درگاہ نظام الدین کے خادم چوٹھ کھبے کے سنگ مرمر ترا کر فروخت کرتے ہیں، تحقیق کر کے اطلاع دو۔ محرم مذکور فوراً گیا اور کچھ دیر کے بعد حاضر ہو کر عرض کیا کہ اعلیٰ حضرت کی طرف سے سپاہیوں کا پہرہ وہاں رہتا ہے۔ میں نے سپاہیوں کو تاکید کر دی ہے۔ اور وہاں کے تھانے دار کو بھی اطلاع دے دی ہے۔ صاحب نے فرمایا: دریافت کر کے اطلاع دو کہ شاہی سپاہیوں کا پہرہ وہاں کب سے کب تک رہتا ہے؟ (ترجمہ سٹامس مشکاف کی ڈائری ص ۲۱۹) محرم مذکور نے کیا خوب تحقیق کی یقیناً سپاہی بھی شریک ہوں گے اور گنیشی نے بھی حصہ بنا لیا ہوگا۔ سبحان اللہ وزیر پنیں و شہر یار پنناں۔ غالب پوری شدہ پتھروں ہی کی جگہ سنگ مرمر لگا دیا گیا ہے۔

کئی کتابیں ان کی یادگار ہیں بلکہ دیوانِ غالب سے تو سب ہی واقف ہیں۔ باغ و بہار آدمی تھے۔ اور استاد ذوق کے بعد بادشاہ کے استاد ہو گئے تھے۔ ۲ ذی قعد ۱۲۸۵ ہجری بمطابق ۱۵ فروری ۱۸۶۹ء میں انتقال ہوا۔ ہر سال ان کے مزار پر یومِ غالب کا جشن ہوتا ہے۔

ان کی قبر بہت خستہ و خراب ہو گئی تھی تو مولانا محمد علی جوہر نے پبلک سے اپیل کی اور اسے از سر نو بنوایا تھا۔ ۱۳۷۵ء میں مولانا ابوالکلام آزادؒ کی توجہ سے غالب سوسائٹی کے زیر نگرانی قبر کو مرمر بنوایا گیا اور مچھریں مرمر بنوایا گیا۔ جو جرمنی کے مشہور فلسفی شاعر گوٹے کے مقبرے جیسا ہے نقش و نگار نہایت خوشنما اور بہت ہی دیدہ زیب ہیں۔

مرزا غالب کے احاطے کی شرقی دیوار کے نیچے ایک احاطہ میں مرزا غالب کے خسر نواب الہی بخش معروف کی قبر ہے۔ معروف اردو کے مشہور شاعر تھے اور استاد ذوق سے مشورہ سخن کیا کرتے تھے۔ اور صاحبِ دیوان شاعر گزرے ہیں۔ مغربی دیوار کے نیچے ایک میکوئیہ قبرستان ہے جو قبرستان خاندان اموجان کے نام سے مشہور ہے۔

### خواجہ محمد امامؒ

چوسٹھ کھجے کے مغربی دروازے کے سامنے ایک احاطے میں خواجہ محمد امامؒ کا مزار ہے جو مولانا بدرالدین اسحاق دہلوی کے صاحبزادے اور حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کے نواسے تھے۔ اور حضرت محبوب الہیؒ کے امام و خلیفہ تھے۔

### کمرہ مرزا سلیمان جاہ

مرزا سلیمان جاہ دلی کے نامور رئیس اور شاہی خاندان کے معزز رکن تھے۔

۱۔ یادگار غالب حالی ص ۹



ان کا بنایا ہوا کمرہ تو اب رہا نہیں لیکن طلبہ اس کا موجود ہے۔ اسی کی اراضی مزارِ غالب سے شمال میں ہے اور درمیان میں سڑک حائل ہے۔ جو مغرب میں چبوترہ یاراں تک وسیع ہے اس اراضی کے مغربی حصے میں حافظ محمد حیات کا مزار ہے جو زمین دوز تھا۔ اب اسے نکلوادیا ہے۔ مرزا مرحوم کی نو اسی شہزادی تیمور جہاں بیگم صاحبہ نے جو ایک معزز خاتون ہیں اور قومی و وطنی خدمات میں فراخ دلی سے حصہ لیتی ہیں اس اراضی کو آزادی کے علمبردار مسٹر آصف علی مرحوم کی یادگار کے لیے مخصوص کر دیا ہے۔ اسے اور ایک کمیٹی کے حوالے کر دیا ہے۔ جس کی ایک رکن وہ خود بھی ہیں اور اس کے کنوینر حکیم سید حسن دہلوی ہیں۔ اسی اراضی کے شمالی رخ پر شیر کشمیر شیخ محمد عبداللہ صاحب کی محترمہ خوش دامن مسماۃ الحاجہ میر جان بیگم کی قبر ہے۔ جو نیک سیرت خاتون تھیں اور دلی کے سفر میں ۹ شعبان ۱۳۷۹ھ کو اچانک ان کا انتقال ہو گیا تھا۔ محترمہ کے مزار کے مغرب میں تیموری خاندان کے شہزادوں کے مزارات ہیں۔ ان ہی میں مرزا سلیم محمد شاہ کا مزار ہے جو شہزادی تیمور جہاں بیگم صاحبہ کے والد محترم تھے۔ تاریخ وفات ۱۲ ستمبر ۱۹۲۵ء ہے۔

## مزارِ آصف

کمرہ مرزا سلیمان جاہ کی اراضی کے مشرق میں خواجہ حسن نظامی کے خاندان کا قبرستان ہے جو تبلیغی مرکز کی لپشت پر ہے۔ اسی میں مسٹر آصف علی بیرسٹریٹ لا کی قبر ہے جو بہت قیمتی سنگ مرمر کی بنی ہوئی ہے۔ مسٹر آصف علی اچھے ادیب اور شاعر

۱: وطن دشمن عناصر اس کوشش میں ہیں کہ یادگار آصف تعمیر نہ ہو۔

۲: اسی قبرستان میں سید رضی حسن صاحب مالک کتب خانہ رضوی دلی کے والد سید ممتاز حسن

صاحب کا بھی مزار مبارک ہے۔

بھی تھے اور آزادی ہند کے علم برداروں میں بھی تھے۔ عمر کا بڑا حصہ قید و بند میں گزارا۔ آزادی ہند کے بعد پہلے امریکہ میں سفیر رہے پھر اٹلیہ کے گورنر ہوتے پھر سوتزلینڈ کے لیے سفیر بنا دیتے گئے۔ سوتزلینڈ ہی میں تھے کہ انتقال ہو گیا۔ پھر حکومت ہند نے ان کی میت کو دہلی منگالیا اور سپرد خاک کیا۔ وزیر اعظم پنڈت نہرو نے اور حکومت کے ذمہ دار عہدہ داروں نے اور شہر کی عام پبلک نے دفن میں شرکت کی۔ ۱۱ مئی ۱۸۸۸ء تا ۱۳۰۶ھ تاریخ پیدائش ہے اور ۲ اپریل ۱۹۵۳ء تا ۱۳۰۶ھ تاریخ وفات کتدہ ہے۔

## مزارات اولیاء

کمرہ مرزا سلیمان جاہ بلکہ اراضی قبرستان مرزا مقام الدین کے مغرب میں ایک طویل احاطہ ہے۔ جو بری کے گنبد کے شمال میں ہے۔ اس احاطے میں مولانا علاء الدین نیلی، مولانا شمس الدین سحبی اور مولانا فخر الدین مردومی کے مزارات ہیں۔ یہ حضرات سو فی کامل اور جلیل القدر بزرگ تھے۔ اور پہلے دونوں بزرگ حضرت محبوب الہی کے معزز خلیفہ تھے۔

## خواجہ تقی الدین لوح

حضرت محبوب الہی کے پسر خواہر زادہ بھتی تھے، حافظ قرآن تھے اور شب جمعہ کو ایک قرآن پاک ختم کر لیا کرتے تھے۔ حضرت محبوب الہی نے ایک دفعہ حاضرین مجلس سے فرمایا کہ یہ بہت ہی نیک ہے۔ اسے عزیز رکھا کرو غرض کہ ان کی نکو کاری کی بہت

ہی تعریف کی اور ایسے محبت بھرے لفظوں میں کی کہ پڑھنے سے رشک آتا ہے۔ ۱۲ سوال  
۱۲۷ میں حیات تھے۔ اور حضرت محبوب الہیؑ سے مشارق الانوار پڑھا کرتے تھے جو  
حدیث کی بلند پایہ کتاب ہے۔ حضرت محبوب الہیؑ نے انھیں خلافت بھی عطا فرما  
دی تھی یہ

## امیر خور دکرمانیؑ

خواجہ نوحؒ کے مزار سے آگے جانب غرب مزار بخش اللہ بیگ اور دیگر بزرگوں  
کے مزار میں پھر درگاہ تشریف کی باؤلی کے مشرقی رخ پر ایک بڑے احاطے میں کرمانیؑ  
خاندان کے مزارت ہیں۔ ان ہی میں امیر خور دکرمانیؑ کا مزار ہے۔ جو حضرت محبوب الہیؑ  
کے خور و سال مریدوں میں تھے۔ لیکن حضرت محبوب الہیؑ کی عظمت و محبت ان کے  
رگ و ریشہ میں پیوست تھی۔ نہایت اچھے شاعر اور شاعر گار تھے۔ انھوں نے حضرت  
محبوب الہیؑ کی بے مثل سوانح حیات لکھی ہے۔ جس کا نام سیر الاولیاء ہے مگر اس کی وہ  
نقل جو ۱۱۵ھ میں تیار ہوئی اور اس سے جو نقلیں لی گئیں وہ سب الحاق اور تشریف سے  
بھر پور ہیں۔ (اس کی ایک نقل چرنجی لال ایڈیشن ہے)

## بری کا گنبد

یہ گنبد مولانا علاؤ الدین نیلیؒ کے مزار سے جنوب میں ہے۔ امیر خور دکرمانیؑ نے  
مولانا علاؤ الدین نیلیؒ کے مزار پر انوار کی نشان دہی میں لکھا ہے: پیش در گنبد دہلیز  
درونی چہوترہ است متصل مقابر یاراں۔ مدفن یافت گویا کہ جس کو اب بری گنبد

سیر الاولیاء ص ۲۰۲  
بہ : ایضاً ص ۲۷۸

کہتے ہیں۔ یہ دراصل گنبد دہلیز ہے۔ غالباً اسی کے متعلق یہ لکھا ہے کہ درگنبد دہلیز  
میانگلی کہ نزدیک چبوترہ مقابر یاراں است۔ اب اس گنبد میں صاحبزادہ احمد علی  
جمال شاہ کیل پوش کا مزار ہے۔ یہ بزرگ میرے والد بزرگوار کے بچپن کے دوست  
تھے۔

## خانقاہ مرزا بہرام شاہ

مرزا بہرام شاہ شاہ عالم بادشاہ کے صاحبزادے تھے۔ اور مرزا ابلاقی مرحوم  
کے نانا تھے۔ درویش صفت شہزادے تھے۔ ان کی خانقاہ برمی کے گنبد سے  
جنوب مغرب میں ہے۔ اس کا راستہ اس سڑک سے ہے جو کمرہ مرزا سلیمان جاہ کے  
پاس سے گزرتی ہوئی مغرب کی طرف چلی گئی ہے۔ سامنے ہی ایک بڑا دروازہ ہے  
پھر تنگ گلی سے نکل کر سامنے ہی خانقاہ کا چھوٹا سا دروازہ ہے۔ اس خانقاہ میں کئی  
قبریں ہیں۔ جن میں سے دو پر لمبی لوح مزار لگی ہوئی ہیں۔

## مقبرہ اتکہ خاں ۱۷۷۲ء

خواجہ شمس الدین نام اور خان اعظم اور اتکہ خاں خطابات تھے۔ ان کی اہلیہ ماہم انگہ  
نے شہنشاہ اکبر اعظم کو دودھ پلایا تھا۔ مرزا عزیز کو کلکٹاش ان ہی کے صاحبزادے تھے  
اتکہ خاں کو ادھم خاں نے شہید کر دیا تھا۔ ان کی لاش کو آگرے سے لا کر دہلی میں دفن  
کیا اور عزیز کو کلکٹاش نے مقبرہ تعمیر کرایا۔ یہ مقبرہ درگاہ شریف کے مشرق میں ہے۔ خانقاہ  
مرزا بہرام شاہ میں سے راستہ ہے۔ اور یہ نہایت خوشنما عمارت ہے۔ سنگ مرمر

اور رنگِ سرخ کے ساتھ اور بھی رنگِ رنگ کے پتھروں کی آمیزش ہے۔ گل کاری نہایت لطیف اور جاذبِ نظر ہے۔ قرآنِ پاک کی آیتوں کو اس خوبی سے منقش کیا ہے کہ حروف کی نوک پلک کو گویا چار چاند لگا دیتے ہیں۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے دیکھ کر حیرت سے کہا کہ خطِ نادراتِ زمانہ ہے ایسا خوشنما کہیں دیکھنے میں نہیں آیا، اس کا احاطہ وسیع اور بچہ ہے اور اس میں ایک دہری سہ دری بھی ہے اور اب یہ عمارت محکمہ آثارِ قدیمہ کی نگرانی میں ہے۔

## مکانِ منشی سعادت علی مرحوم

یہ عمارت حضرت امیر خسروؒ کی درگاہ کے مشرقی دروازے کے باہر راستے سے جانبِ شرق ہے۔ سرخ پتھر کا بنا ہوا نازک سا مکان ہے۔ اس کے زیریں حصے میں منشی سعادت علی خاں مرحوم کے خاندان کی قبریں ہیں۔ ان کے درشا کچھ تو حیدرآباد میں ہیں اور ایک وارث سید عزیز الحسن صاحب کو چہ چیلان دلی میں رہتے ہیں۔ یہ مکان وقف ہے۔ اس کے بالائی حصے میں راج رہنے لگے ہیں۔

## عقب لنگر خانہ

صفہ ستون جسے اب لنگر خانہ قدیم کہتے ہیں۔ علیہ پڑتے پڑتے اس کا پچھوڑا چھت سے جا ملا ہے۔ وابستگانِ درگاہ کی عادت یہ ہے کہ جب قبروں کے لیے گنجائش نہیں رہتی۔ تو پرانے قبرستان میں کئی کئی فٹ علیہ بھر وادیتے ہیں اور پھر اس میں دفن کرانے لگتے ہیں۔ اسی لیے سطح زمین بے حد بلند ہو گئی ہے یہی حال عقب لنگر خانے کا ہے لنگر خانے کے پچھوڑے راستے سے جانبِ شرق شمس العلماء خواجہ حسن نظامی کے والد ماجد حضرت سید عاشق علی مرحوم کا مزار ہے جو ایک راوٹی میں ہے۔

## مسجد

سید عاشق علی مرحوم کے مزار کے شرق میں ایک چھوٹی سی مسجد ہے جسے اب نل والی مسجد کہتے ہیں، کیونکہ اس کے قریب ہی پبلک ہائی ڈنٹ لگا ہوا ہے۔ پہلے اسے لکھوا والی مسجد کہتے تھے۔ دالان کی پیشانی پر ایک کتبہ بھی لگا ہوا ہے جس میں اس کا نام شرف المساجد کندہ ہے مگر یہ کتبہ کچھ زیادہ قدیم نہیں ہے۔

## مشائخ منزل

یہ عمارت سید عاشق علی مرحوم کے مزار سے جانب جنوب ہے۔ اس کے نام سے ظاہر ہے کہ یہ قیام گاہ ہے۔ اس کے شمالی حصے میں مختصر سا مسقف دالان ہے۔ اسی میں صاحبزادہ شرف الدین اور ان کے صاحبزادے غلام معین الدین کے مزارات ہیں۔ صاحبزادے شرف الدین سے میرے والد مرحوم سید ابراہیم حسین حسینی قاورمی حسینی کے بے تکلفانہ تعلقات تھے۔ جب ملاقات ہوتی مجھ سے فرماتے چچا کو سلام کیا۔ صاحبزادے صاحب فرماتے: بر خور دار نے سلام کر لیا۔ پھر والد مجھے ایک اٹھنی دیتے اور فرماتے چچا کی نذر کرو۔ وہ قبول فرمالتے، سر پر ہاتھ پھیرتے اور دعا دیتے پھر دونوں میں خوشگوار گفتگو ہونے لگتی۔ تھوڑی سی دیر میں یہ مجلس برخواست ہو جاتی اور بقول شخصیکہ

ع۔ بلاکشان محبت بکو سے بار روند

کامضمون صادق آتا۔ اللہ اللہ کیا گمبھیر وضع کے بزرگ تھے۔ آنکھیں آج بھی دیکھنے کو ترستی ہیں۔

صاحبزادے غلام معین الدین تو کل کی سی بات ہے۔ آنکھوں دیکھتے سامنے

سے اٹھ گئے۔ بڑے ہی رکھ رکھاؤ کے آدمی تھے اور بار سوخ بھی تھے۔ تین بیویوں کی سائیکل پر سواری کیا کرتے تھے۔ کیسے بے زبان اور باادب تھے کہ سبحان اللہ ان کے والد بازار ہو یا محل جو مونہ میں آتا کہہ دیتے۔ مگر کیا مجال جو پیشانی پر بل آئے یا مونہ سے کچھ نکل جائے یہ اپنے اوصاف کے اعتبار سے نادر زمانہ تھے۔

## نواب مغل بیگ خان عرب

خان عرب کا نام میر محمد عوض تھا۔ اور مغل بیگ عرف اور نان عرب خطاب تھا۔ عرب ہمسائے دلی کے عربوں میں سے تھے۔ اور میری دادی محترمہ ولایتی بیگم مرحومہ کے سگے ماموں تھے اور حاجی لال محمد شاہ سے بیعت و مجاز تھے۔ صوم و صلوات کے پابند اور اہل علم تھے۔ حاجی لال محمد شاہ کے حالات و کرامات سے متعلق ایک مختصر سی کتاب بھی ان کی لکھی ہوئی تھی جس کا قلمی نسخہ میرے پاس تھا جو ۱۹۲۷ء کی لوٹ مار میں میرے اثاثہ البیت کے ساتھ لٹ گیا۔ یاد آتا ہے تو دل ملاتا ہے اور آنکھیں اسے دیکھنے کو ترستی ہیں۔ ان کا مزار قدیم نگر خانے کی پشت پر ہے اور خواجہ حسن نظامی کے والد بزرگوار کے مزار سے جانب غرب ہے۔ سنگ باسی کا تعویذ ہے اور لوح مزار پر یہ عبارت کندہ ہے۔

هو الغفار

شد مغل بیگ خان عرب داخل بہ بخلد

ان کے پہلو میں ان کی عزیز صاحبزادی اولیا بیگم کی قبر ہے۔ میں نے انھیں خوب دیکھا ہے۔

۱۷: حاجی لال محمد شاہ کا سالانہ عرس ۱۲ رمضان شریف کو حضرت مولانا علی محمد خاں صاحب ہوشیار پوری مدظلہ کی طرف سے کیا جاتا ہے۔ اور سجاد حسین صاحب انتظام کرتے ہیں۔

بلکہ ان کی گودوں کھلایا ہوں بہت ہی ضعیفہ اور عقیقہ تھیں۔ صوم و صلوات کی پابند تھیں۔  
 بڑھاپے میں بھی میدہ و شہاب تھیں۔ میری تو دادی ہوتی تھیں۔ مگر میری والدہ مرحومہ کی نانی  
 تھیں۔ وہ نانی جان کہتی تھیں تو میں بھی نانی جان ہی کہتا تھا۔ عزیز میاں صاحب نیازی ان  
 ہی کے حقیقی پوت داماد ہیں۔ غرض کہ اُس پاس جتنی قبریں ہیں وہ سب میرے ہی خاندانی  
 بزرگوں کی ہیں۔ ان میں سے بعض پر سنگ باسی کے تعویذ ہیں۔ درگاہ شریف میں قاضی سید  
 قربان علی مرحوم خان عرب کے وکیل تھے۔ جن کے خلف رشید اب قاضی سید  
 صفدر علی صاحب ہیں۔

## نواب احمد بخش خاں

خان عرب کے مزار سے جانب غرب ذرا فاصلے پر ایک احاطے میں خاندان  
 لوہارو کی قبریں ہیں۔ ان ہی میں ایک قبر نواب احمد بخش خاں رئیس لوہارو کی ہے۔ یہ  
 خان عرب کے سمجھی تھے اور ان ہی نے درگاہ شریف کی بیعت دری کے مرمریں ستون  
 لگوائے تھے اور درگاہ شریف کی بستی کے گرد فصیل بنوائی تھی۔ بڑے خلیق بامروت اور فیاض  
 شخصیت کے مالک تھے۔

## نواب ضیا الدولہ

خان عرب کی قبر سے نواب احمد بخش کی قبر پر جاتے ہوئے بائیں طرف

۱۷۰: قاضی قربان علی مرحوم انگریزی حکومت کے باغیوں میں سے تھے اور بغاوت کی سزا میں انھیں قتل  
 کر دیا گیا تھا اور ان کی جائیداد ضبط کر لی گئی تھی جیسا کہ مثل بند و بست ۱۸۸۰ء سے ظاہر ہے۔ یہ بزرگ قاضی  
 سید صفدر علی صاحب کے پردادا کے گے بھائی تھے۔

۱۷۱: نواب الہی بخش معروف ان کے بھائی تھے جو مرزا غالب کے خسر تھے۔



ایک پختہ مکان ہے جس کا دروازہ شرق رویا ہے۔ اس مکان میں جانب جنوب ایک چبوترہ، کمرہ اور دیگر عمارت ہے اور جانب شمال ایک چبوترے پر نواب سعید الدین احمد خاں ضیاء الدولہ کی قبر ہے اور ان کے اقربا کی قبور ہیں۔ ان ہی میں ایک مرزا خواجہ تاج الدین داوری کا بتایا جاتا ہے۔ جو حضرت محبوب الہیؒ کے مرید اور یارانِ اعلیٰ میں سے تھے۔

### مقبرہ خواجہ حسن نظامیؒ

خواجہ صاحب کی باکمال شخصیت سے کون واقف نہیں۔ ان کے کمالات کا لوہا سب ہی مانتے ہیں۔ سحر نگار اہل قلم اور جادو بیان مقرر تھے۔ بہت ہی بااخلاق بہت ہی فیاض اور غریب پرور تھے۔ میرے والد مرحوم کے اگے کے بچے تھے۔ بزرگوں کی بھی کیا باتیں ہوتی ہیں۔ جب کبھی خواجہ صاحب کا ذکر آتا۔ تو فرماتے یہ تو بچپن ہی سے روشن دماغ ہے خواجہ صاحب میرے والد سے بڑے ادب سے پیش آتے تھے۔

حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

خواجہ صاحب کی اولاد بھی صالح ہے۔ اور خواجہ حسن ثانی صاحب خواجہ صاحب کے جانشین اور بہت ہی متواضع غریب پرور اور اہل دل نوجوان ہیں۔

۱۔ نظامی نسری ص ۲۸۵ مگر امیر خور و کا بیان یہ ہے کہ در خطیرہ سلطان المشائخ بر چبوترہ یاراں مدفون یافت۔ سیر الاولیاء ص ۳۱۲ اگر سیر الاولیاء کا بغور مطالعہ کیا جائے تو یہ پتہ چلتا ہے کہ امیر خور و اس سمت کو دریاں روضۃ سلطان المشائخ کہتے ہیں (ص ۳۰۵، ۳۱۱) اور باولی کے مشرقی حصے کو در سر آں چبوترہ یاراں کہتے ہیں (ص ۲۱۰، ۲۱۴، ۲۱۵) اور باقی حصے کو در خطیرہ سلطان المشائخ کہتے ہیں (ص ۲۹۹، ۲۹۴، ۳۱۳) لہذا مزار کا موجودہ محل وقوع مشکوک ہے۔

نواب ضیاء الدولہ کے مکان سے گلی مغرب کو مڑ گئی ہے۔ اسی میں جانب جنوب  
قوالی ہال ہے۔ قوالی ہال ہی میں خواجہ صاحب کا عالی شان مقبرہ تعمیر ہو رہا ہے۔ جانب  
شمال خواجہ صاحب کا عالی شان رہائشی مکان ہے۔

پھر یہ راستہ سیدھا مغرب کی طرف چل کر جنوب و شمال کو مڑ گیا ہے۔ مغرب میں  
سرتا سربرا درم حکیم سید حسین سلمہ کے مکانات ہیں۔ پھر جو راستہ جنوب کو مڑتا ہے اسی  
کے مغرب کی طرف امام علیم الدین مرحوم کی خام قبر ہے۔ یہ درگاہ شریف کی مسجد کے امام  
تھے۔ اور بڑے ہی علم دوست آدمی تھے۔ میرے والد کے بچپن کے دوست اور میرے  
دادا بزرگوار کے دیکھنے والوں میں تھے۔ میں بھی ان کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا۔ اکثر دادا  
بزرگوار کا تذکرہ کیا کرتے تھے۔ ان کی معلومات بہت وسیع تھیں اور دلی کے چھپے چھپے  
سے واقف تھے اور یہ خوب جانتے تھے کہ کس بزرگ کا مزار کہاں ہے۔ بہت خوبوں  
کے مالک تھے۔ خدا مغفرت فرمائے۔

امام صاحب کے مزار سے جانب جنوب راستے کے غزنی سرے پر حکیم علوی خاں  
کی قبر ہے، ہے تو پختہ مگر اچھی حالت میں نہیں ہے۔ لوح مزار کو لونی لگ گئی ہے۔ ذرا  
آگے چل کر یہ راستہ مغرب کو مڑ جاتا ہے اور فصیل سے باہر اس سڑک سے جا ملتا ہے،  
جو باؤلی دروازے کو چلی گئی ہے موڑ ہی پر دائیں جانب کنواں ہے جو وقف ہے۔ پھر  
یہ شمالی راستہ بھی قطبی دروازے سے گزرتا ہوا اسی سڑک پر آ ملتا ہے۔ پہلے کبھی یہاں  
ایک دروازہ تھا جسے پھوٹا دروازہ کہتے تھے۔ فصیل کے ساتھ ہی برج حسن اور کوٹ کی  
عمارت ہے فصیل کے غرب میں بستی کا بیرونی علاقہ ہے۔ اور جنوب مغرب میں بارہ  
پلے کا نالہ ہے پہلے یہ برساتی نالہ تھا اب اس میں بدرو کا پانی گزرتا ہے۔ اسی اراضی  
میں جانب جنوب ایک کنواں ہے۔ جسے پھول کنوئیں کہتے ہیں۔ پہلے اس کا پانی ہلکا پھلکا  
خوش ذائقہ اور ٹھنڈا تھا مگر اب بدرو کے اثر سے پہلا سا نہیں رہا ہے۔ نالے کے

جنوبی گوشے سے لودھی روڈ تک سراسر قدیم قبرستان ہے جس میں حضرت محبوب  
الہی کے عقیدت مندوں کی اور تیموری شہزادوں کی اور دوسرے امر کی پرانی پرانی قبریں  
ہیں اور گنبد اور مچھر بھی ہیں۔ اسی قبرستان میں میری والدہ بی بی صفیری بیگم اور میرے  
ایک عزیز دوست حکیم محمد عظیم دہلوی کی قبر ہے۔ جو میری والدہ کے گودیوں کے کھلاتے  
تھے۔ اللہ تعالیٰ متعزت فرماتے۔

اسی خطہ زمین میں ایک قدیم زمانے کا پل ہے جو سنگین اور پختہ ہونے کے  
باوجود ناکارہ پڑا ہے۔ یہ قبرستان بہت ہی وسیع رقبے میں ہے۔ مگر بہت ہی بُری  
حالت میں ہے۔ مقبروں اور مچھروں میں کہیں اُپلے بھر لیے ہیں اور کہیں رہائش اختیار  
کر لی ہے۔ اور مویشیوں کی کھوریں جا بجا بنالی گئی ہیں۔ جن کے گوبر اور لیدھ سے  
قبرستان کی حالت ناگفتہ بہ ہو گئی ہے۔ اگر دلی وقف بورڈ ذرا بھی توجہ کرے تو حالت  
سدھر سکتی ہے۔ بلکہ اگر اس میں گل بوٹے لگوا دیئے جائیں تو یہ اتنا وسیع رقبہ ہے کہ  
مصارف ضروری کا خود ہی کفیل ہو سکتا ہے۔ اس قبرستان کے مغرب میں کٹڑہ ارادت مند  
خاں کی عمارت ہے اور اس کے شمال میں ایک شکستہ چہار دیواری ہے بزرگ تو  
اسے عید گاہ بتاتے تھے۔ مگر اب اسے گلابی باغ کہتے ہیں خدا ہی بہتر جانے کہ کیا  
ہے اور کیا نہیں۔

## مقبرہ تلنگی

خان جہاں تلنگی کے مقبرے کے احاطے کو کوٹ اور کوٹلہ کہتے ہیں۔ یہ چوکور پختہ

سہ، اسی قسم کا ایک پل لودھی ٹومز کے پاس ہے جو ناکارہ پڑا تھا اب اس پر سڑک بنا کر اسے  
کار آمد بنالیا ہے۔ اور ایسا ہی ایک پل تیمورنگر میں ناکارہ پڑا ہے۔

اور سنگین ہے اس کی شمالی دیوار پھوٹے دروازے سے شروع ہو کر دوڑ تک مشرق میں چلی گئی ہے اور پھر مشرقی دیوار سے مل گئی ہے جو جنوب کو چلی گئی ہے۔ پھر جنوبی دیوار مغربی دیوار سے جا ملی ہے اور مغربی دیوار پھوٹے دروازے کے پاس شمالی دیوار سے آ ملی ہے۔ اس کوٹ کے دو دروازے ہیں ایک مغربی دیوار میں ہے جسے نالہ دروازہ کہتے تھے جو پھول کنوئیں کے سامنے ہے اور اب بند ہے۔ کہتے ہیں کہ جب سورج مل جاٹا ہے ۱۱۶۶ھ میں بستی کو لوٹا تھا تو وہ اسی دروازہ سے داخل ہوا تھا۔ دوسرا دروازہ اس کا شمالی دیوار میں ہے اور مشرقی دیوار کے نزدیک ہے۔ یہ دروازہ مغربی دروازہ سے زیادہ بچھا اور سنگین ہے۔ پہلے اتنا اونچا تھا کہ کئی سیڑھیاں پڑھتی پڑتی تھیں۔ اب ملے پڑتے پڑتے دلیر کا پتھر بھی دب گیا ہے۔ اور اس پر اینٹ کا فرش کر دیا گیا ہے۔ اس دروازے کے سامنے شمالاً جنوباً ستر ستر بستی کا بازار ہے۔ اسی دروازے سے اندر جا کر شمال مغربی حصے میں خان بہاں تلنگی کا مقبرہ ہے جو سنگ سرخ سے بنا ہوا ہے۔ بیچ میں گنبد ہے اور ارد گرد غلام گردش ہے مقبرے کی حالت اندر سے درست ہے۔ گنبد خوب بلند ہے اور گنچ کا بت ہوا ہے اور اس پر گھاس اُگ آتی ہے۔ اس مقبرے کی غلام گردش کے ساتھ ساتھ مکانات بنائے گئے ہیں جو نہایت خراب و خستہ ہیں اور مقبرے کے اندر جانے کا راستہ بھی ایک مکان ہی میں ہے۔ اس لیے کوئی سیاح اندر جا کر دیکھ نہیں سکتا۔ میں نے کوئی بارہ برس ہوئے جب ایک دفعہ اندر جا کر دیکھا تھا۔

کوٹ کے اندر کوئی چار سو برس سے آبادی ہے۔ اور حوض و چمن کی نمود بھی نہیں

۱۔ سیر المتاخرین جلد ۳ ص ۸۹۲

۲۔ مثل بندوبست ۱۸۸۹ء  
۱۲۹۸ھ

رہی ہے۔ البتہ جب کوئی بنیاد کھودی جاتی ہے تو کہیں کہیں آثار نمودار ہو جاتے ہیں۔  
مقبورے کے تحفظ کے لیے محکمہ آثار قدیمہ کو متوجہ ہونا چاہیے۔

## خان جہاں تلنگی مقبول

یہ تلنگانہ کا رہنے والا تھا اور کتواس کا نام تھا اور راستے تلنگ کے مقبروں میں تھا۔  
جب سلطان محمد تغلق نے راستے تلنگ کو دلی بھیجا اور وہ راستے میں مر گیا۔ تو یہ محمد تغلق سے  
والستہ ہو گیا اور سلطان محمد تغلق کے روبرو اسلام قبول کیا۔ سلطان نے مقبول کا نام رکھا  
اور خوب نوازا۔

خان جہاں بڑا دانا اور ہوشمند تھا۔ اور بہت لائق تھا۔ لہذا دلی کا نائب وزیر بنا دیا  
گیا۔ اور خواجہ جہاں احمد ایاز (راجمار ہریو) کی نیابت میں کام کرتا رہا اور پورے  
محکمے پر چھا گیا چنانچہ بادشاہ نے اسے قوام الملک کا خطاب اور ملتان کا صوبہ  
عمایت فرمایا۔

اس کے بعد عہد فیروز شاہی میں بھی بڑی وفاداری کا ثبوت دیا لہذا سلطان فیروز  
شاہ تغلق نے خان جہاں کا خطاب عطا فرمایا اور وزیر اعظم کے عہدے پر سرفراز کیا یہ  
خان جہاں مخدوم نصیر الدین چراغ دہلی کا مرید تھا۔ حضرت مخدوم نے با وضو  
رہنے کی ہدایت فرمائی تھی اور اس پر یہ عمل کیا کرتا تھا۔ یہاں تک کہ اگر سند پر وضو کی

۲۱۱ء : تاریخ فیروز شاہی شمس سراج عقیف ص ۳۹۲ کلکتہ

۲۱۳ء : فیروز شاہی (مذکور) ص ۳۹۵

۲۱۴ء : فیروز شاہی مذکور ص ۴۰۲

۲۱۵ء : فیروز شاہی مذکور ص ۴۲۲

ضرورت ہوتی تو بے تکلف اٹھ کر وضو کر لیا کرتا تھا۔ رات کو پنگ کے پاس لوٹے  
بھرا کر اور طشت رکھوا لیا کرتا تھا۔ جب آنکھ کھلتی تو اٹھ کر وضو کر لیتا اور پھر سو جاتا۔  
کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوتی تھی۔ صوم و صلوٰۃ کا بھی پابند تھا۔ جب ستر سال سے زیادہ  
عمر ہو گئی تو کچھ دن بیمار رہ کر <sup>۱۳۶۸ھ</sup> ۱۳۶۸ھ میں وفات پائی اور حضرت محبوب الہیؒ کی پائیں کی  
طرف دفن ہوا۔ بعد میں مقبرہ تعمیر ہوا۔ جو اب تک مقبرہ خان جہاں تلنگی کے نام سے  
مشہور ہے۔

## خان جہاں تلنگی جو نانشہ

جس زمانے میں خان جہاں مقبول ملتان کا حاکم اعلیٰ تھا۔ اور ملتان ہی میں رہتا تھا تو  
جو نانشہ پیدا ہوا۔ خان جہاں مقبول نے سلطان محمد تغلق کو اطلاع دی اور نام تجویز کرنے کے  
لیے بھی درخواست کی سلطان نے بڑی خوشی سے یہ لکھا کہ اس بچے کا نام میں نے جو نانشہ  
رکھا ہے یہ جو میرا پیدائشی نام ہے۔ چنانچہ اب وہ اسی نام سے مشہور ہے۔ خان جہاں  
مقبول اس بچے کو شیخ الاسلام مولانا رکن الدین ملتانیؒ کی خدمت میں لے گیا تو انھوں  
نے دیکھتے ہی فرمایا: قوام الملک! یہ لڑکا بڑا ہی نیک ہو گا۔ اور اسی سے مخلوق تجھے یاد  
رکھے گی یہ مولانا کی یہ پیشین گوئی پوری ہوئی کہ اس کی یادگار عمارتوں کی یاد سے خان جہاں  
مقبول کو بھی یاد کر لیا جاتا ہے۔ یہ لڑکا بھی بہت لائق نکلا اور سلطان فیروز شاہ تغلق نے

۱۔ فیروز شاہی مذکور ص ۲۲۲

۲۔ فیروز شاہی مذکور ص ۲۲۲

۳۔ فیروز شاہی مذکور ص ۲۲۲

۴۔ فیروز شاہی مذکور ص ۲۲۵

خان جہاں مقبول کی وفات کے بعد اسی کو وزیر اعظم بنایا اور خان جہاں کا خطاب بھی دیا۔ تاریخ کی کتابوں میں اس کا نام خان جہاں جو نانشہ مقبول ابن خان جہاں مقبول ہے۔ یہ سلطان فیروز شاہ تغلق کی وفات تک بلکہ اس کے بعد بھی وزیر اعظم رہا اور بہت سے کار خیر انجام دیئے اور کئی عظیم الشان مسجدیں تعمیر کرائیں۔ اپنے باپ کا مقبرہ بھی تعمیر کرایا اور اس کے مشرق میں ایک بڑی عالیشان مسجد تعمیر کرائی۔ جو جامع فیروز شاہی کے نام سے مشہور ہے۔

## جامع فیروز شاہی <sup>کالی مسجد</sup>

یہ مسجد تعمیر کے اعتبار سے فیروز شاہی مسجدوں میں بے مثل ہے۔ اور فیروز شاہی مسجدوں میں سب سے بڑی ہے۔ اور مسجد نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے نمونے کی ہے اس کو دیکھتے ہی مسجد نبوی صلعم کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ یہ کوئی چار بیگھے یعنی چار <sup>۴۰۰۰</sup> ہزار گز زمین پر بنی ہوئی ہے اس کا مغربی دالان تین گہرے کا ہے جس کا رقبہ تقریباً پانسو پچاس مربع گز ہے۔ اور اس پر تیس گہندوں کی چھت تھی۔ جو تہتر ستونوں پر قائم تھی۔ اس دالان کے نو گنبد رہ گئے ہیں باقی گر گئے ہیں۔ دالان کے گیارہ بیرونی در ہیں جو نہایت بلند اور وسیع ہیں۔ اس دالان میں بیک وقت ایک ہزار آدمی باجماعت نماز پڑھ سکتے ہیں۔ اس مسجد کے تین دروازے ہیں صدر دروازہ مشرق میں ہے جس کی پیشانی پر کتبہ نصب ہے۔ صدر دروازے سے دالان تک ایک مستقف راستہ ہے اور یہ راستے پانچ پانچ گز چوڑے ہیں۔ مسجد کے شمال و جنوب اور مشرق میں دالان ہیں وہ بھی پانچ پانچ گز چوڑے ہیں۔ مستقف راستوں کی بنا پر اس کے چار صحن ہو گئے ہیں جو

۱۔ فیروز شاہی مذکور ص ۲۶

بہت خوشنما معلوم ہوتے ہیں۔ یہ مسجد کل ۶۱ گنبدوں پر مشتمل تھی جس میں سے ۲۴ دالان کے اور ۵ جنوب مشرقی گوشے کے گرچکے ہیں۔ گویا کہ ۳۵ گنبد گرچکے ہیں اور ۴۱ باقی ہیں۔ یہ مسجد محکمہ آثار قدیمہ کے زیر نگرانی ہے۔ مگر اس کی حالت نہایت خستہ و خراب تھی فرش سب ٹوٹ چکا تھا۔ دیواروں میں بڑے بڑے خلا ہو گئے تھے چھتیں گر گئی تھیں گنبدوں کا مصالحہ بھڑ گیا تھا۔ اور پتھر ہی پتھر رہ گئے جو بس خدا کی شان ہی سے رکے کھڑے تھے۔ چمکا ڈروں کا اشیانہ اور مویشیوں کا رتنا اور عیاشی کا اڈا بنی ہوئی تھی کہ ایسا ایسی پاسہ پٹا۔ اور اس ناگفتنی حالت میں مسلمانوں نے اس کی طرح توجہ کی چنانچہ صدر دالان کا اور شمالی دالان کا اور نصف مشرقی دالان کا فرش بن چکا ہے۔ بعض دیواروں اور محرابوں کی اور ۱۳ گنبدوں کی مرمت ہو چکی ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ ایک ایک گنبد میں گیارہ گیارہ پوری سیمینٹ صرف ہوا ہے۔ اور اگرچہ ابھی تقریباً ایک چوتھائی کام ہوا ہے۔ لیکن مسجد ایسی ہو گئی ہے کہ دیکھنے سے جی خوش ہوتا ہے۔ پانی کا نل بھی لگ گیا ہے اور یہ کام زیادہ تر دلی شہر کے اہل تخریر کی توجہ سے انجام پایا ہے۔

یہ مسجد خان بہاں جو نانشہ مقبول نے اپنے باپ کے انتقال کے دو برس بعد ۱۳۷۲ھ میں تعمیر کرائی تھی جسے اب چھ سو دس برس ہوتے ہیں۔ اس کے صدر وازے کی پیشانی پر یہ کتبہ کندہ ہے۔

بکرم و فضل حق سبحانہ و تعالیٰ در عہد دولت سلطان السلاطین الزماں  
الواثق بتائید الرحمان۔ ابوالمظفر فیروز شاہ السلطان خلد اللہ ملکہ و اعلیٰ  
شانہ اس مسجد بنا کر وہ بندہ زادہ درگاہ۔ آسماں جاہ عالم پناہ جو نانشہ مقبول  
المقلب بنان بہاں ابن خان بہاں در سال ہفت صد و ہفتاد و دو از



ہجرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم خدا سے براں بندہ رحمت کند ہر کہ  
دریں مسجد نماز بگزارد این بندہ را بفتح و دعاء ایمان یاد کند۔  
یہ مسجد اندر سے چھبالیس گز آٹھ گز لمبی اور چھبالیس گز چار گز چوڑی ہے اور  
کوئی دو دو گز کے آثار ہیں اور کوئی پانچ پانچ گز دروازے عمارت سے آگے نکلے ہوتے  
ہیں۔ اور اب کوئی پانچ پانچ گز زمین ارد گرد ہے۔

مسجد کے صدر دروازے سے مشرق ہی کی طرف راستہ ہے جو تھوڑی دور چل کر  
جنوب کو مڑ جاتا ہے اور بیک دروازے سے جا ملتا ہے۔ بیک دروازہ عرب سرائے  
دلی کے مغربی دروازے کے سامنے تھا مگر اب نشان بھی نہیں رہا۔ یہاں ایک مسجد  
ہے جو شیخ صدر الدین صاحب کے بزرگوں کی بنائی ہوئی ہے۔ یہاں سے ایک  
راستہ شمال کو چلا جاتا ہے جو ننگے والی مسجد کے سامنے پہنچتا ہے اور سڑک سے جا ملتا ہے  
اسی راستے کے مغرب میں جماعت منزل کی عمارت ہے جو پیر جماعت علی شاہ کی یاد

۱: اب دالان کی چھت بھی بن گئی ہے۔

۲: مسجد کے جنوبی دروازے سے اب راستہ نظام الدین اکیسینش کی سڑک پر چلا جاتا ہے درمیان  
میں بدرو ہے جس پر عنقریب دلی کارپوریشن پلینہ بنوانے والی ہے۔ مگر جنوبی دروازے سے جو راستہ  
بیک دروازے تا پھوٹے دروازے والی سڑک پر آتا تھا وہ اب بند ہے۔ وہاں ایک شخص نے  
حال ہی میں دکان بنالی ہے حالانکہ بیعنامہ جات سے ظاہر ہے کہ وہ راستہ ہے مثلاً (۱) بیعنامہ

اقراری بھولوئی نور الدین دستاویز نمبر ۲۵۲ مصدقہ رجسٹری ۱۸ نومبر ۱۹۲۶ء (۲) بیعنامہ اقراری نور الدین

حق اللہ ویا مصدقہ رجسٹری ۱۳ مئی ۱۹۲۷ء دستاویز نمبر ۱۱۰۰۳ (۳) بیعنامہ اقراری کلہ وغیرہ

مکن مصدقہ رجسٹری ۷ اپریل ۱۹۲۵ء دستاویز نمبر ۳۱۲ - ہماری دعا ہے کہ خدا اس شخص کو توفیق

عنایت فرمائے اور وہ مسجد کا راستہ کھول دے۔

میں ان کے خلیفہ حاجی امام الدین صاحب جماعتی نے تعمیر کرائی ہے۔ دوسرا اسٹہ مغرب کو جاتا ہے۔ جو پھوٹے دروازے سے باہر نکل جاتا ہے اور درمیان میں کوٹ کے شمالی دروازے کے سامنے سے شمال کو چلا جاتا ہے اور یہ بستی کا بازار کہلاتا ہے۔ اس بازار کے جنوب مغربی گوشے میں بغدادی والی مسجد ہے اور اسی کے حجرے میں بغدادی صاحب کامزار ہے جو ایک درویش کامل اور خدا سیدہ بزرگ گزرے ہیں جنوب کی طرف تھوڑے سے فاصلے پر جانب غرب ایک گلی ہے جس میں دائیں طرف ایک احاطے میں حضرت سید کریم رضا شاہ گیاویؒ کا مزار پُر الوار ہے۔ اور عجب سکون کا مقام ہے۔ ۲۲ رمضان ۱۳۵۱ھ تاریخ وصال ہے گیاہ کے باشندے اکثر زیارت کو آتے ہیں اس درگاہ کی زیارت کے بعد پھر بازار میں آجاتے ہیں۔ شمال کی طرف آگے بڑھتے ہی سکیئہ والی مسجد ہے۔ جو ہے تو بازار کے مغربی حصے میں لیکن آگے نکلی ہوتی ہے۔ اس مسجد کے جنوب مشرقی گوشے میں ایک حجر ہے جس میں حافظ غیاث الدین مرحوم اور ان کی صاحبزادی سکیئہ بیگم کی قبر ہے۔ مسجد کے جنوبی حصے میں بھی بہت سی قبریں ہیں مسجد کے مشرق میں ایک محلہ ہے جسے علی کوٹ کہتے ہیں۔ اس میں دائیں طرف ایک مکان ہے جس میں ایک کمرہ ہے اور نواب سید حسن خاں کے خاندان کی قبریں ہیں۔ دروازے پر کتبہ ہے جس پر لکھا ہے: قبرستان نواب سید حسن رضا خاں۔ اسی گلی کے شمال مغربی سرے پر مقبول منزل ہے جو میرے عزیز الحاج سید مقبول حسن زیدی کی نو تعمیر خوشنما عمارت ہے۔ اس کے پاس احمد آباد منزل ہے۔ یہیں سے گلی اندر چلی گئی ہے سامنے ہی ایک احاطے میں میاں کالے صاحب کے اقربا کی قبریں ہیں۔ گلی سے باہر بازار میں مغرب کی طرف مشائخ منزل ہے اور مشرق کی طرف پودھری حسن ثنی صاحب کا مکان ہے۔

## مزار میر محمد زمان خاں عرب

اسی مکان کی شمالی اور مغربی دیوار کی چھوت ہیں ایک چبوترہ ہے جس کے حاشیے میں سنگِ خارہ کے صاف ستھرے بڑے بڑے پتھر لگے ہوتے ہیں۔ اور چبوترے پر دو تبتیں ہیں جن کے تعویذ سنگِ باسی کے ہیں ان میں سے مردانی قبر میر محمد زمان خاں کی ہے اور زانی قبر ان کی اہلیہ کی ہے۔ یہ خانِ عرب کے والد و والدہ کی قبریں ہیں، اور یہ ساداتِ عرب سرانے میں سے تھے۔ جو میری دادی محترمہ کے سگے نانا نانی تھے۔ پان سات قدم اگے بڑھ کر جانب شرق ایک قدیم گنبد ہے جس میں کئی قبریں ہیں۔

۱۔ میر محمد زمان خاں کے تین بچے تھے۔ دو لڑکے اور ایک لڑکی جن کا نام حرمت بیگم تھا۔ ان کی صاحبزادی ولایتی بیگم۔ ان کے چار بچے تھے دو لڑکے دو لڑکیاں چھوٹے صاحبزادے میرے والد سید ابراہیم حسین تھے۔ میر محمد زمان خاں کے دو لڑکوں میں ایک محمد امیر لا ولد رہے دوسرے محمد عوض عرف مغل بیگ خان عرب تھے ان کے چھ بچے تھے دو لڑکے چار لڑکیاں، لڑکے لا ولد رہے ایک لڑکی افضل زانی بیگم زوجہ نواب شمس الدین خاں دوسری لڑکی امامی بیگم زوجہ خان خاناں سید محمد خاں رئیس جاوہر تیسری لڑکی جانی بیگم زوجہ حکیم محمود خاں جن کے صاحبزادے سید الملک حکیم اجمل خاں تھے چوتھی لڑکی اور اولیا بیگم زوجہ خواجہ احمد حسن ان کی لڑکی جمیدی بیگم ان کے صاحبزادے حکیم سرفراز الرحمن اور ان کے صاحبزادے حکیم عزیز الرحمن جو حکیم بھیسوں والے کہلاتے ہیں اور اب بستی نظام الدین اولیا ہی میں رہتے ہیں۔ اولیا بیگم کے صاحبزادے خواجہ محمد حسن تھے ان کے صاحبزادے خواجہ یوسف حسن ان کی صاحبزادی وقار بیگم زوجہ عزیز میاں نیازی بریلوی مدظلہ العالی تھیں۔

۲۔ یہ خاتون سید فتح علی حسینی (ابن سید عوض علی ابن میر عثمان علی) کی ہمیشہ زادی تھی۔ سید فتح علی حسینی کا مزار پہاڑی بھوجلہ دلی میں ہے۔

اس گنبد کو کھنڈے ہیں۔ یہ موقوفہ اور محفوظ المیع ہے۔ اور اس سے جانب غرب و شمال بھی قبریں ہیں۔ شمالی قبرستان میں ایک قبر قاضی ضامن علی مرحوم کی ہے۔ جنھوں نے مطلوب الطالبین کا اردو میں ترجمہ کیا تھا جس کا نام شواہد نظامی ہے۔ اور اسی کے سامنے والے چبوترے پر ایک قبر مولوی حسین علی مرحوم کی ہے جو سیرت نظامی کے مصنف ہیں۔ پھر یہ راستہ مشرق کی طرف مزار شمال کی طرف چلا گیا ہے۔ اور کمرہ سلیمان جاہ کے پاس ان سڑکوں سے مل گیا ہے جو مٹھرا روڈ اور لودھی روڈ سے جا ملی ہیں۔ اور بس یہاں بیرونی عمارات و مزارات کے سلسلے کی تکمیل ہو جاتی ہے۔

## گرد و نواح

اس بستی کے گرد و نواح میں دور دور تک تاریخی عمارتیں اور مزارات ہیں۔ ان سب کے حالات تو اس مختصر کتاب میں قلم بند کیے نہیں جاسکتے۔ البتہ بطور یادگار نام گنوا دیئے جاتے ہیں اور وہ یہ ہیں :

عرب سرائے، منڈی عرب سرائے، مقبرہ عیسیٰ خاں، حلیمہ کا باغ، عظیم گنج (سرائے مغلیہ)، مقبرہ بہالیوں، چلہ شریف (جماعت خانہ اور خانقاہ حضرت محبوب الہی) نیلا برج (مقبرہ مرزا فہیم)، بتائشے کا محل، درگاہ شمس الدین اودا اللہ (پتے والی درگاہ) مزار مولوی عبد القادر قادری، سندرز مری، پرانا قلعہ، درگاہ شیخ ابو بکر طوسی (مٹکے والی درگاہ)، درگاہ شیخ نور الدین ملک یار پران، شیر شاہ گیٹ۔ فرسخ خیر المنازل (مدرسہ ماہم انگر)، درگاہ بی بی فاطمہ سام، لال بنگلہ، مقبرہ سید عابد شہید، درگاہ مسکین شاہ، نیلی چھتری (مقبرہ نوبت خاں)، سیدول کا مقبرہ اور مسجد، بارہ کھمبہ، اٹھوائس (باغ)، منڈی مسجد، لودھیوں کے مقبرے، لودھیوں کی مسجدیں، سنگین پل، مقابر مبارک پور، کوٹلہ، بستی باؤلی، مسجد و مقابر، درگاہ حضرت نور محمد بدایونی، مقبرہ سنجر، درگاہ سید

محمود بخارا، مزار رکن الدین فردوسی، تیمورنگر کابل و مینارہ، خضر کی گمٹی، شاہی مسجد  
 جنگ پورہ، مقبرہ عبدالرحیم خان خاناں، مقبرہ صفر جنگ، مقابر علی گنج وغیرہ متعدد  
 عمارتیں اور مسجدیں، مقبرے اور مزارات ہیں۔ اور یہ سرزمین تاریخی یادگاروں سے بڑی  
 پڑی ہے۔ خواجہ حالی نے کیا خوب کہا ہے سے

لے کے داغ آئے گا سینے پہ بہت لے سیاح  
 دیکھا اس شہر کے کھنڈروں میں نہ جانا ہرگز  
 چھپے چھپے پہ ہے یاں گو ہر کیا تہ خاک  
 دفن ہوگا نہ کہیں اتنا حسرتانہ ہرگز

(دیوان حالی)

## عرب سرائے دلی

مولوی سید احمد دہلوی رقم طراز ہیں :

حضرت نظام الدین اولیاء اکثر اس سرزمین پر تشریف لاکر بیٹھا کرتے  
 اور فرمایا کرتے تھے کہ مجھے اس سرزمین سے کمال انسیت ہے کیونکہ یہاں  
 سے مجھے بولتے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم آتی ہے یہ

یہ عمارت جو عرب سرائے کے نام سے مشہور ہے اکبر اعظم کی والدہ نواب حمیدہ بانو

۱۔ سرائے یعنی مکان و گھر مثل حرم سرائے یعنی مسافر خانہ غلط ہے۔ یہاں سرائے کا رواج سرائے ہونا چاہیے۔

دعیات اللغات ص ۲۲۲

۲۔ فرہنگ آصفیہ جلد ۳ ص ۲۶۷

۳۔ حمیدہ بانو مشہور بزرگ سید احمد جام پیر زندہ میل کی اولاد سے تھیں۔ ۸۷ برس (بقیہ ص ۲۲۳)

نے ۶ جلوس اکبری ۹۶۹ھ میں تعمیر کرائی تھی۔ اور ان عربوں کو یہاں آباد کیا تھا۔ جنہیں وہ فراغت فریضہ حج کے بعد ارض حجاز سے تحفہً ہمراہ لائی تھیں؛

صاحب مفتاح التواریخ کا بیان ہے؛

عرب سرا..... بنا سائنتہ بیگم موصوف است و آل راعرب سرا ازاں سبب  
گویند وقتے کہ بیگم بہ حج رفتہ از عربستان سر صد کس را ہمراہ خود آوردہ۔ آل  
مکان را براتے ایشان تعمیر نموده۔

ان تین سو میں سے سو سادات کرام تنویشوخ والا تبار اور سو خدام تھے بشیوخ اور  
سادات کرام شرفار و معززین عرب میں سے تھے اور جو ثقافت، بالفقیہ، باحسن (حسنی  
حسینی) باطلہ، بالود، باکثیر، بالنور، جبل اللیل قبائل سے تھے۔ اور خدام بدال، بقال اور  
بقان قبائل میں سے تھے۔

شرفائے عرب سر تمام تر علوم دینیہ میں یکتا مفسر و محدث اور فن تجوید و قرأت  
کے امام اور حافظ قرآن پاک تھے اور اس خوبی سے تلاوت کرتے تھے کہ ان کی  
آواز سے پتھر دل بھی ہل جاتے تھے۔ نواب درگاہ قلی خاں لکھتے ہیں؛

عرب سرائے بہ سبب توطن اہل عرب کہ ہمہ موطت بادشاہی اند آب و  
زنگ دیگر یافتہ..... پھول ہمگی حفاظ اند و از قواعد تجوید آشنا سامع را  
اختلافی بہم می رسد و عجب نماز سراپا حضوری میسر می آید۔

(بقیہ صفحہ گذشتہ) کی عمر میں ۲۱ ربیع الاول ۱۰۱۲ھ کو انتقال ہوا۔ مقبرہ ہمالیوں میں قبر ہے۔

لہ: مفتاح التواریخ ص ۲۰۸ نیز تاریخ جدولیہ ص ۲۸۵ آثار الصنادید ص ۳۲ واقعات دار الحکومت

دہلی جلد ۲ ص ۶۹۳ قاموس المشاہیر جلد ۱ ص ۲۱۳

ان ہی اوصاف کی بنا پر اکثر نامور علماء و مشایخ ان عربوں کے فیض سے مستفیض ہوتے رہتے تھے۔ نواب درگاہ قلی خاں لکھتے ہیں:

اہل شہر خصوصاً صلحاء و القیاء بمقتضائے مناسب نظر پائیں صومعہ  
رسیدہ اکتساب ثنوبات اخروی و احرار مقاصد معنوی کام یاب مدعا  
می شونذیلہ

حتیٰ کہ حضرت مولانا فخر جہاںؒ بھی ۱۷۲۲ رمضان المبارک کی شب کو ان ہی عربوں  
کی معیت میں شب بیداری فرماتے تھے جو سلسلہ چشتیہ نظامیہ کے مجدد اور جلیل القدر  
بزرگ تھے۔ نواب غازی الدین خاں (وزیر اعظم ہند) لکھتے ہیں:

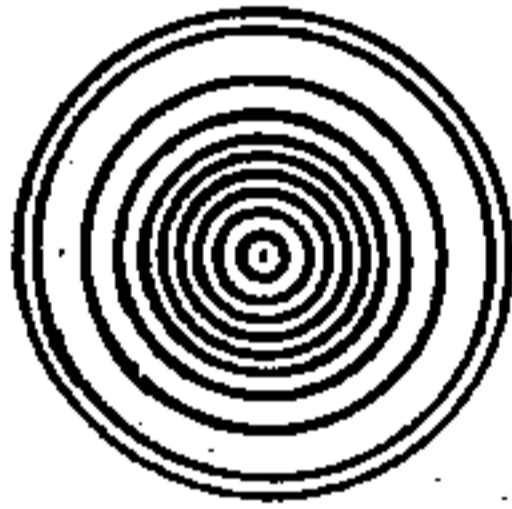
در رمضان شریف... شب بست و ہفتم در سراتے عرب تشریف  
بروہ گزارانیدن معمول (اولود)

بیگم نے ایک دارالعلم بھی قائم کیا تھا جو مقبرہ ہمالیوں میں تھا۔ اسی لیے آج تک  
دہلی والے مقبرے کو مدرسہ کہتے ہیں۔ اس دارالعلم میں ہی عرب درس دیتے تھے جو اپنے  
عہد کے فاضل اجل اور عالم مبحر تھے۔ اور اس کے ساتھ ایک عالی شان کتب خانہ بھی  
تھا۔ الحاج محمد زبیر ماہر ریوی لکھتے ہیں:

مقبرہ ہمالیوں کی چھت پر ایک زبردست مدرسہ تھا۔ جس میں  
بڑے بڑے فاضل اساتذہ درس دیتے تھے۔ مدت تک یہ علم کی نشرو  
اشاعت کا مرکز رہا۔ اس دارالعلوم کے ساتھ ایک نہایت عمدہ  
کتب خانہ بھی تھا۔

۱۲۷۰ھ: مرقع دہلی ص ۳۵ مناقب فخریہ قلی ص ۳۷

عہد محمد شاہ تک یہ مقام عربوں کی گود و باش کے لیے مخصوص تھا اور آخر تک  
 سلاطین مغلیہ عقیدت و ارادت کا سلوک روار کھتے تھے۔ آخری تاجدار بہادر شاہ ظفر  
 بھی اسی اخلاص و اعتماد کی بنا پر مقبرہ ہمالیوں میں اور مغل شہزادہ مرزا خضر اور شہزادہ ابو بکر  
 عرب سرانے میں روپوش ہوئے اور یہیں سے (۲۲ ستمبر کو) گرفتار ہوئے تھے۔  
 (۲۳ کو) تراب علی انگریز بھی خواہ کی معیت میں عرب سرانے کی تلاشی ہوئی اور ہتھیاروں  
 کی ضبطی عمل میں آئی۔ بادشاہ کی گرفتاری کے دن عرب سرانے سے گولی بھی چلائی گئی  
 تھی۔ انجام کار انگریزوں کے استبداد نے ان عربوں کو بھی اجاڑا اور عرب سرانے کو  
 بھی۔ راقم بھی ان ہی عربوں کے اخلاف میں سے ہے مساجد و قبرستان کی تولیت  
 بدستور راقم کے خاندان میں ہے۔ اس عمارت میں حکومت کا دستکاری سکول ہے۔



کتابت  
 میان (عربی)

۲۱۶ اسلامی کتب خانے



حَضْرَتِ ضِيَا الْأُمَّتِ  
 رَحْمَةُ اللَّهِ عَلَيْهِ  
 پیر محمد کرم شاہ لائبریری کی  
 یادگار تصانیف

ترجمتہ جمال القرآن  
 القرآن

قرآن پاک کا انتہائی خوبصورت ترجمہ جس کے ہر  
 لفظ سے اعجاز قرآن کا حسن نظر آتا ہے

جلد ۵

تفسیر ضیا القرآن

فہم قرآن کا بہترین ذمیرہ  
 الہ دل کے لیے ایک نایاب تحفہ

سنت خیر الانام

فستہ انکار سنت پر تحقیق اور تنقیدی کتاب

مقالات

علاقہ علمی و سماجی اور سماجی  
 موضوعات پر نیا نیا  
 کا مجموعہ

جلد ۷

سیرت منیٰ علیہ السلام  
 پر کتاب  
 ضیاء السی

درد و سوز اور تحقیق و آگہی سے  
 معمور تصنیف

مجموعہ وظائف و دلائل الخیرات

مشائخ و علماء ہندوستان کی یادگار تصانیف  
 کے مجموعہ اور اولاد و خاندان کا مجموعہ

قصیدہ اطیب النعم

نور ہدایت و نعتیہ قصیدوں کی پوسوز  
 اور دلنشین

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

7221953-7220479

7238010

7225085-7247350

2210212-2212011

2630411

12172